وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

اور جو تم کو رسولؐ دیں لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رُک جاؤ۔

مِرْاٰۃُ الْاَنْوَار

شرح اُردو

مِشْکٰوۃُ الْاٰثَارِ

جُزءِ ثانی

مؤلف

المِلّت العلّامة ابو محمّد دیوبندی
سیّد حضرت مولانا سیّد میاں صاحب

شارح

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوری دامت برکاتہم

ناشر

ناظم مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مراد آباد (یوپی)

(کاتب محمد یوسف قاسمی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ جزءِ ثانی

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

اب سے دس سال پہلے ۱۳۹۸ھ میں مرأۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار کا جزءِ اول شائع ہوکر مقبول خاص وعام ہوا۔ اور پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہوگیا۔ اسی وقت سے احباب وعلم دوست حضرات کے زبانی اور خطوط کے ذریعہ مسلسل تقاضے آتے رہے کہ میں "مرآۃ الانوار" کا باقی ماندہ حصہ بھی جلد انکی خدمت میں پیش کروں۔ بعض ایسے اکابر علماء جنہوں نے اپنے مکتوبات گرامی میں مرآۃ الانوار کے جزءِ اول کو ملاحظہ فرماکر اپنی بیش بہا دعاؤں کے ساتھ اس کے باقیماندہ حصہ (جزءِ ثانی وثالث) کو دیکھنے کی بھی انتہائی تمناؤں کا اظہار فرمایا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ حق تعالیٰ انکی مغفرت فرماکر ان کو درجاتِ عالیہ سے سرفراز فرمائیں۔

اب میرے بعض اساتذہ واکابر نے باصرار حکم فرمایا کہ میں مرآۃ الانوار کو مکمل شائع کردوں۔ لیکن میں کیسے عرض کرتا کہ بغیر زر کے صرف زور دینے سے تو کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہونچ سکتا۔

تاہم ان بزرگانِ دین کی دعاؤں اور توجہات کی امید اور قادرِ مطلق کی اعانت کے بھروسہ پر کام شروع کردیا گیا ہے۔ چنانچہ از سرِ نو جزءِ اول کی کتابت مکمل ہوچکی۔ اور اب جزءِ ثانی کی کتابت کا آغاز ہورہا ہے، حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے تمام مرحلوں کی تکمیل میں سہولت وعافیت عطا فرمائیں آمین

چونکہ جزءِ اول میں "لغات وتراکیب" مفصل ومکرر آچکی ہیں، اور کتاب کی ضخامت بڑھ جانے سے مصارف کا تحمل بھی دشوار ہوگا اسلئے اس جزءِ ثانی میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ تاہم حلِ کتاب وتفہیم مطالب میں انشاء اللہ خلل نہیں ہوگا۔

فَأَسْأَلُ اللّٰهَ التَّوْفِيقَ وَالْإِعَانَةَ فِي الْبِدَايَةِ وَالنِّهَايَةِ وَأَنْ يَنْفَعَنِي بِهٖ وَجَمِيعَ الطُّلَّابِ وَالْأَسَاتِذَةِ وَالْمُسْلِمِينَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَىٰ سَيِّدِنَا وَحَبِيبِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ۔ فقط

العبد
نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری
۱۴ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
م ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۸ء پنجشنبہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمِنْ اَبْوَابِ الْبِرِّ الْاِحْسَانُ اِلَى الْجَارِ وَالْعَبِيْدِ

اور نیکی کے ابواب میں پڑوسی اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ہے۔

(۱۱۳) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور تم اللہ کی عبادت کرو اور اس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ اور ماں باپ کیساتھ اچھا

وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

سلوک کرو۔ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کیساتھ اور محتاجوں کیساتھ اور قریب والے پڑوسی کیساتھ اور دور والے پڑوسی کیساتھ۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اور شریک مجلس کیساتھ۔ اور مسافر کے ساتھ اور اپنے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ بیشک اللہ تعالیٰ

مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ (پ ۵ ع ۳)

اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہیں فرماتے۔

وَقَدْ مَرَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا

اور یہ حدیث گذر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں ہے خدا کی قسم

يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ وَمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِيْ لَا يَاْمَنُ

وہ مؤمن نہیں ہے خدا کی قسم وہ مؤمن نہیں ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ کون مؤمن نہیں ہے فرمایا وہ شخص جس کا پڑوسی

جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (ای الاسلام افضل (۱۰) مشکوٰۃ الآثار ۱۲ مشکوٰۃ ص ۴۲۲)

اسکی شرارتوں سے مامون نہو۔

لغات

مُخْتَالًا ای متکبرًا الذی یانف عن اقاربہٖ وجیرانہٖ واصحابہٖ ولا یلتفت الیھم

فَخُوْرًا الذی یفتخر علی الناس بما عندہٗ من المال والاولاد۔

ترکیب

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ فعل بافاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا فعل با فاعل مفعول بہ یا مفعول مطلق (ای شرکا شیئا)۔ اور متعلق جملہ فعلیہ انشائیہ۔ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ای احسنوا بالوالدین احسانا اور بِذِي الْقُرْبٰى معہ جمیع معطوفات مل کر معطوف بالوالدین پر۔ اور معطوفین متعلق احسنوا۔ جملہ فعلیہ انشائیہ۔

تشریح (۱۱۳) آیت پاک میں حقوق کا بیان ہے۔ حقوق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقوق اللہ جنکو وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا میں بیان فرمایا گیا۔ (۲) حقوق العباد۔ جنکو وَبِالْوَالِدَيْنِ سے اخیر آیت تک بالترتیب الاہم فالاہم بیان کیا گیا ہے۔ حقوق اللہ (توحید و عبادت) کو مقدم اسلئے کیا گیا کہ وہ اصل و افضل اور اعلیٰ ہیں۔ نیز جس کو اللہ کا خوف اور اس کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے اسی سے حقوق العباد کے ادا کرنے کی بھی توقع کی جا سکتی ہے۔ اور جو اللہ کی عظمت و وحدانیت کو نہ پہچانتا ہو، اور اس کے قلب میں اللہ کا اتنا خوف بھی نہو جو اس کو مالک کے حقوق کی ادائیگی پر آمادہ کردے تو اس سے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔؟

برادری کے طعن و تشنیع، سوسائٹی کی ملامت اور حکومت کے قانون سے بچنے کی راہیں تلاش کیجا سکتی ہیں، لیکن وہ چیز جو انسان کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کر سکتی ہے وہ صرف خوف خدا اور تقویٰ ہے جو عظمت خداوندی کی معرفت اور عقیدۂ توحید ہی سے پیدا ہوتی ہے اسلئے مختلف تعلقات اور رشتہ والوں کے حقوق کی تفصیل سے پہلے توحید و عبادت کا حکم ہی مناسب تھا۔ پھر توحید و عبادت کے بعد تمام انسانی حقوق میں والدین کے حق کو سب سے پہلے بیان فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ حقیقت کے اعتبار سے گو تمام احسانات و انعامات حق تعالیٰ ہی کی جانب سے ہیں، لیکن ظاہری اسباب کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بعد انسان پر سب سے زائد احسانات والدین کے ہیں۔ والدین ہی انسان کے وجود و آفرینش کے سبب اور اس عالم اسباب میں اس کی بقاء و ارتقاء اور پرورش و افزائش کے ضامن ہیں۔ قرآن کریم میں جا بجا والدین کے حقوق کو اللہ کے حقوق کے بعد متصلاً بیان کیا گیا۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور پڑوسیوں وغیرہ کے حقوق کی بقدر ضرورت تفصیلات جزء اول میں آچکی ہیں۔ اور ہماری کتاب "خلاصۂ تورات" میں خوب تفصیلات مذکور ہیں۔

تنبیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق، والدین کے حقوق سے بھی مقدم ہیں لیکن یہاں اور اس قسم کی تمام نصوص میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق، اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ضمن میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ حقوق اللہ کی تعمیل و تکمیل حقوق الرسول کی ادائیگی پر موقوف ہے۔ اسلئے کہ بندہ اولاً اللہ پر پھر رسول اللہ اور ماجاء بہ الرسول پر ایمان لائیگا اور تعلیمات رسول کی روشنی حاصل کرکے حقوق اللہ کی ادائیگی کریگا۔ اس کے بعد بندوں کے حقوق کو جان کر ان کی ادائیگی کر سکیگا۔

حاصل یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ کی توحید و معرفت کا حصول اور اقرار و اعتراف ہوگا۔

دوسرے درجہ میں اللہ کے رسول پر ایمان تیسرے درجہ میں اللہ کے جملہ حقوق کی ادائیگی اور عبادت و اطاعت ہوگی۔ چوتھے نمبر پر والدین اور تمام مخلوق کے حقوق کی ادائیگی سے اللہ کے احکام کی پوری تعمیل ہوسکے گی۔ اس سے یہ بات خوب سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ کے حقوق گو بندہ پر سب سے پہلے عائد ہوتے ہیں مگر ان کی تعمیل و تکمیل حقوق الرسول پر موقوف ہے۔ اسلئے حقوق الرسول حقوق اللہ کے ضمن میں آگئے۔

حقوق اللہ کی تکمیل اگرچہ حقوق العباد کی ادائیگی پر بھی ایک گونہ موقوف ہے۔ لیکن حقوق العباد اور حقوق اللہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ کہ بندوں کی اطاعت اور ان کے حقوق کی ادائیگی اللہ کے حقوق کی ادائیگی نہیں ہے۔ ہاں اللہ کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری شمار کی گئی ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ فافهم وتشكر۔

پڑوسی کی قسمیں اور انکے حقوق

اس آیت میں دو قسم کے پڑوسیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ (۱) وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى۔ (۲) وَالْجَارِ الْجُنُبِ۔ ان دونوں قسموں کی تفسیر و تشریح میں صحابہ کرامؓ و سلف صالحین اور مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔

(۱) عام مفسرین نے فرمایا کہ جَارِ ذِي الْقُرْبٰى سے مراد وہ پڑوسی ہے جو تمہارے مکان کے متصل رہتا ہے اور جَارِ الْجُنُبِ سے وہ پڑوسی مراد ہے جو تمہارے مکان سے کچھ فاصلہ پر رہتا ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جَارِ ذِي الْقُرْبٰى سے مراد وہ شخص ہے جو پڑوسی بھی ہے اور رشتہ دار بھی اور جَارِ الْجُنُبِ سے مراد وہ ہے جو صرف پڑوسی ہے رشتہ دار نہیں ہے۔ مؤخر الذکر کو اسی لئے نمبر دو پر بیان کیا گیا ہے کہ اس کا حق اول سے کم ہے۔

(۳) بعض حضرات نے فرمایا کہ جَارِ ذِي الْقُرْبٰى وہ پڑوسی ہے جو اسلامی برادری میں داخل (یعنی مسلمان) ہے۔ اور جَارِ الْجُنُبِ سے غیر مسلم پڑوسی مراد ہے۔ الفاظ قرآن ان تمام معانی کو محتمل ہیں۔ اور مذکورہ اعتبارات سے درجات و ترتیب حقوق میں فرق ہوجانا ایک معتبر و معقول امر ہے۔ اور اسپر سب کا اتفاق ہے کہ پڑوسی قریب ہو یا بعید، رشتہ دار ہو یا اجنبی، مسلم ہو یا غیر مسلم بہرحال اس کا حق واجب ہے۔ اور بقدر استطاعت اسکی امداد و اعانت اور خبر گیری لازم ہے۔ البتہ جس کا حق پڑوسی ہونے کے علاوہ دوسرا بھی ہے وہ ان لوگوں سے مقدم ہوگا جنکو صرف پڑوسی ہونے کا حق حاصل ہے۔ ایک حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کو واضح فرما دیا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

بعض پڑوسی وہ ہیں جن کا حق صرف ایک ہے، بعض وہ ہیں جن کے دو حق ہیں، اور بعض وہ ہیں

جن کے تین حق ہیں۔ ایک حق والا پڑوسی وہ غیر مسلم پڑوسی ہے جس سے کوئی رشتہ داری نہیں۔ دو حق والا پڑوسی وہ ہے کہ جو پڑوسی ہونے کیساتھ مسلمان بھی ہے۔ اور تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو پڑوسی ہونے کے ساتھ مسلم اور رشتہ دار بھی ہے۔ (چنانچہ (۱۱۶) میں حضرت جابرؓ کی روایت آرہی ہے)

صاحب روح البیان نے احادیث کی روشنی میں پڑوسی کے یہ حقوق بیان فرمائے ہیں۔

(۱) محتاج پڑوسی کی حاجت پوری کرنا۔ (۲) قرض مانگے تو قرض دینا۔ (۳) پڑوسی کی خوشی پر خوشی کا اظہار کرنا، اور اس کو مبارکباد پیش کرنا۔ (۴) اس کے رنج و غم میں شریک ہونا۔ ہمدردی کا اظہار اور تعزیت و تسلی دینا۔ (۵) بیمار پڑجائے تو عیادت و مزاج پرسی کرنا۔ (۶) مرجائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں شریک ہونا۔ (کذا فی الحدیث کما سیجئ)

حضرت امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ پڑوسی کہلائیں گے جن کے گھر تمہارے گھر سے ملے ہوئے ہوں۔ کہ اصل حق جار انہیں کا ہے اور حق شفعہ بھی۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آس پاس کے چالیس ۴۰ گھروں تک پڑوس ہے۔

صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ محلہ میں رہتے ہیں اور ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہیں وہ سب ایکدوسرے کے پڑوسی ہیں۔ (نص به صاحب الهداية فى كتاب الوصايا)

ترمذی و مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مذکور ہے کہ محلہ کے لوگوں میں اللہ کے نزدیک افضل و بہتر وہ شخص ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہتر ہو۔

الصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ۔ سے مراد ہمنشین ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر عنقریب آرہا ہے۔ اور وَابْنَ السَّبِيلِ سے مراد وہ راہ گیر ہے جو دوران سفر آپ کے پاس آجائے یا آپکا مہمان بنجائے۔ کیونکہ اس اجنبی مسافر سے تعلق والا سفر میں کوئی نہیں ہے۔ تو قرآن مقدس نے اس کے اسلامی بلکہ انسانی تعلق کی رعایت کرکے اس کا حق بھی آپ پر لازم کیا ہے کہ آپ بقدر وسعت و استطاعت اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ماسبق میں عنوان "ابن السبیل" کے تحت اس سلسلہ کی روایات و تفصیلات گذر چکی ہیں۔ اور مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا۔ آیت گرامی کا یہ آخری جملہ پوری آیت کا تکملہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اس آیت شریفہ میں جن آٹھ قسم کے لوگوں کے حقوق بیان ہوئے ان میں کوتاہی وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں تکبر اور فخر و غرور موجود ہے۔ اور جو تواضع، انکساری اور شان عبدیت سے محروم ہیں۔ اسی لئے تکبر اور فخر و غرور کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"وہ شخص جہنم میں (ہمیشہ کیلئے) نہ جائیگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر ایمان ہوگا

اور ایسا شخص جنت میں نہ جا سکیگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر تکبّر ہوگا۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۳)
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مذکور ہے کہ وہ جنت میں نہ جائیگا جس کے دل میں ذرّہ بھر تکبّر ہوگا۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ لوگ پسند کرتے ہیں کہ ان کے کپڑے اچھے ہوں اور جوتے اچھے ہوں۔ (تو کیا یہ بھی تکبر میں داخل ہے) فرمایا (یہ تو جمال ہے) اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ تکبر تو نام ہے حق کو نہ ماننے کا اور لوگوں کو ذلیل سمجھنے کا۔ (حوالۂ بالا)

(کبر کی تفصیلات ہمارے رسالہ "عباد الرحمٰن" میں ملاحظہ فرمائیں)

---

(۱۱۴) وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَازَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ۔ (بخاری شریف ص۸۸۹ ج۲ مشکوٰۃ شریف ص۴۲۲)
اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبرئیل مجھ کو ہمیشہ پڑوسی کے بارے میں (اللہ کا) تاکیدی حکم دیتے رہے یہاں تک کہ میں نے یہ گمان کرلیا کہ اُس کو وارث بنادیں گے۔

(۱۱۵) وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا نِسَآءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنُ شَاةٍ۔ (بخاری شریف ص۸۸۹ ج۲ ومشکوٰۃ شریف ص۱۶۷)
اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن کسی اپنی پڑوسن کے لئے (کسی چیز کو) حقیر نہ جانے اگرچہ وہ بکری کی ایک کھری ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۱۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِيْرَانُ ثَلٰثَةٌ فَجَارٌ لَّهٗ ثَلَاثَةُ حُقُوْقٍ حَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الْقَرَابَةِ وَحَقُّ الْاِسْلَامِ وَجَارٌ لَّهٗ حَقَّانِ حَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الْاِسْلَامِ وَجَارٌ لَّهٗ حَقٌّ حَقُّ الْجِوَارِ وَهُوَ الْمُشْرِكُ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ۔
حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پڑوسی تین قسم کے ہیں۔ ایک پڑوسی تو وہ ہے کہ اس کے تین حق ہیں ایک پڑوس کا حق دوسرا رشتہ داری کا حق، تیسرا اسلام کا حق اور ایک پڑوسی ایسا ہے کہ اس کے دو حق ہیں ایک پڑوس کا حق دوسرا اسلام کا حق، اور ایک پڑوسی ایسا ہے کہ اس کا ایک ہی حق ہے یعنی پڑوس کا حق اور وہ مشرک کتابی ہے۔

(۱۱۷) عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو ذُبِحَتْ لَهٗ شَاةٌ فِيْ اَهْلِهٖ فَلَمَّا
مجاہدؒ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی ایک بکری ان کے گھر والوں میں ذبح کی گئی جب

جَآءَ قَالَ اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ اَهْدَيْتُمْ لِجَارِنَا الْيَهُوْدِيِّ۔ (ترمذی ۲/۱۷)

آپ (گھر) تشریف لائے تو فرمایا کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ دیدیا؟ کیا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ دیدیا؟

(۱۱۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ

ساتھیوں میں بہترین ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ان میں اپنے ساتھی کیلئے سب سے اچھا ہو۔ اور پڑوسیوں میں

عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ۔ (ترمذی شریف ۲/۱۶ ومشکوٰۃ شریف ۴۲۴)

بہترین پڑوسی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے سب سے بہتر ہو۔

وَقَدْ مَرَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت گذر چکی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا

يَقُوْلُ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ۔ (مشکوٰۃ ۴۲۴)

آپ فرماتے تھے کہ وہ مؤمن نہیں جو خود سیر ہو جائے حالانکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔

(۱۱۹) عَنْ اَبِيْ ذَرٍّؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا طَبَخْتَ

حضرت ابو ذرؓ سے منقول ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم شوربا پکاؤ

مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَآءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ۔ (مسلم شریف ۲/۳۲۹ ومشکوٰۃ شریف ۱۶۸)

تو اس کا پانی بڑھادو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو۔

(۱۲۰) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا

حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ میرے دو پڑوسی ہیں ان دونوں میں سے (اولاً)

اُهْدِيْ قَالَ اِلٰى اَقْرَبِهِمَا بَابًا۔ (بخاری شریف ۲/۸۹ ومشکوٰۃ شریف ۱۶۸)

کس کو ہدیہ دوں؟ ارشاد فرمایا ان دونوں میں سے جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو۔

لغات

يُوْصِيْنِيْ باب افعال سے وصیت کرنا، وصیت جاری کرنے والا مقرر کرنا، حکم دینا، کسی کام کا عہد لینا۔ (ض) عالی مرتبہ ہونے کے بعد خسیس ہونا، ملنا، ہلانا۔ سَيُوَرِّثُهٗ تفعیل سے وارث بنانا، میراث قرار دینا (ض ح) وارث ہونا۔ مالک ہونا۔ لَا تَحْقِرَنَّ (ض س) ذلیل ہونا، چھوٹا اور حقیر سمجھنا۔ تفعیل سے متعدی۔ فِرْسَنٌ اونٹ کے کھر کا کنارہ (مؤنث) ج فَرَاسِنُ۔ ذُبِحَتْ (ف) پھاڑنا، ذبح کرنا، گلا کاٹنا، گلا گھونٹنا۔ اَهْدَيْتُمْ افعال سے ہدیہ دینا، تحفہ دینا۔ تفعیل سے بھی اسی معنی میں آتا ہے۔ الْاَصْحَابُ جمع صَاحِبٌ کی جیسے اَطْهَارٌ

جمع طَاهِرٌ کی۔ یا جمع صَحْبٌ کی جیسے اَنْهَارٌ جمع نَهْرٌ کی۔ یا جمع صَحِيْبٌ کی جیسے اَشْرَافٌ جمع شَرِيْفٌ کی۔ یا جمع صَحِبٌ کی جیسے اَنْمَارٌ جمع نَمِرٌ کی۔ بابۂ سمع۔ مرّ تحقیقہٗ۔
طَبَخْتَ (ف ن) پکانا طَبَّاخٌ باورچی مَطْبَخٌ باورچی خانہ ج مَطَابِخ۔ مَرَقَةٌ و مَرَقٌ شوربا (ن ض) شوربا زیادہ کرنا وغیرہ (ن) نکل جانا، چھید کرکے پار ہوجانا۔

ترکیب

(۱۱۴) مَازَالَ فعلِ ناقص جِبْرَئِيْلُ اِسم يُوْصِيْنِيْ فعل فاعل مفعول بہ بِالْجَارِ متعلق، جملہ فعلیہ خبر۔ اَنَّ اپنے اسم ہٗ اور اپنی خبر سَيُوَرِّثُهٗ (جملہ فعلیہ) سے مل کر جملہ اسمیہ، ظَنَنْتُ کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہوا۔ اور حَتّٰی کا تعلق يُوْصِيْنِيْ سے ہے۔
(۱۱۵) يَانِسَاءَ الْمُسْلِمٰتِ جملہ ندا۔ لَاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا فعل فاعل اور متعلق جملہ فعلیہ جوابِ ندا۔ وَلَوْ وصلیہ فِرْسَنَ شَاةٍ مبتدا محذوف هُوَ کی خبر۔ جملہ اسمیہ۔
(۱۱۶) اَلْجِيْرَانُ مبتدا ثَلٰثَةٌ خبر جملہ اسمیہ۔ ف تفصیلیہ جَارٌ موصوف۔ لَهٗ متعلق كَائِنٌ خبر مقدم۔ ثَلٰثَةُ حُقُوْقٍ مرکبِ اضافی مبدل منہ حَقُّ الْجَوَارِ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر بدل۔ مبدل منہ و بدل مل کر مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ صفت جَارٌ، مرکبِ توصیفی اَحَدُهَا مبتدا محذوف کی خبر۔ اسی طرح اگلے جملوں کی ترکیبیں ہیں۔
(۱۱۷) عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اسمِ اَنَّ ذُبِحَتْ لَهٗ شَاةٌ فِيْ اَهْلِهٖ فعل مجہول متعلق، فاعل اور متعلق، جملہ فعلیہ خبر۔ فَلَمَّا جَاءَ جملہ فعلیہ شرط۔ اگلا جملہ جزا۔ وتکرار الجملة لِلتاکید۔
(۱۱۸) خَيْرُ الْاَصْحَابِ مبتدا عِنْدَ اللّٰهِ حال خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ خبر۔ اگلا جملہ اسی طرح ہے۔
(۱۱۹) شرط و جزا کی ترکیب ظاہر ہے۔
(۱۲۰) اِنَّ اپنے اسم جَارَيْنِ خبر لِيْ (متعلقِ محذوف) جملہ اسمیہ۔ اِلٰی اَيِّهِمَا متعلق مقدم اُهْدِيْ فعل ضمیر فاعل۔ جملہ فعلیہ۔ اَقْرَبِهِمَا بَابًا ممیز و تمیز مجرور اِلٰی متعلق اُهْدِيْ محذوف۔ جملہ فعلیہ الثانیۃ۔

تشریح

انسان کا اپنے ماں باپ، اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ و تعلق پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے۔ اور اس پر پڑوسیوں کے خوشگوار و ناخوشگوار حالات، دینداری و بددینی کی کیفیات کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات و ہدایات میں پڑوس کے اس تعلق کو بڑی اہمیت و عظمت دی ہے۔ اور اسکے احترام و رعایتِ حقوق کی بہت تاکیدیں فرمائی ہیں حتی کہ ان کو جزوِ ایمان، داخلۂ جنت کی شرط، اللہ و رسول سے محبت کا معیار اور آدمی کے اچھا یا برا ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

(۱۱۴) حضرتِ جبرئیلؑ اللہ کی طرف سے پڑوسی کے حقوق کی رعایت کی اتنی تاکیدیں بار بار اور مسلسل لاتے رہے، جس سے میرا یہ خیال ہونے لگا کہ شاید والدین و اولاد کی طرح میراث میں بھی اس کا حصہ مقرر ہو جائیگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا منشاء پڑوسیوں کے حقوق کی اہمیت بیان فرمانے کے لئے ایک نہایت مؤثر و بلیغ ترین عنوان ہے۔

(۱۱۵) ہدیہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔ پڑوسیوں سے محبت پیدا کرنے کے لئے ہدیہ بھی دینا چاہیئے حتیٰ کہ معمولی چیزوں میں بھی پڑوسی کو نہیں بھلانا چاہیئے۔ دینے والا معمولی ہدیہ کو حقیر سمجھ کر دینا نہ چھوڑے اور جس کو دیا جا رہا ہے وہ بھی معمولی ہدیہ کی قدر کرے اور اس کو حقیر نہ جانے۔ گو ہدیہ معمولی ہے، مگر وہ محبت جو اس کا باعث بنی بہت قیمتی ہے۔

(۱۱۶) اس کی پوری وضاحت ابھی قریب ہی تشریحِ آیت کے تحت میں گذر چکی ہے۔

(۱۱۷) حضرتِ عبداللہ بن عمروؓ صحابیِ رسول کو سب سے زیادہ فکر پڑوسی کی ہوئی، حالانکہ وہ یہودی تھا۔ اِسی لئے باہر سے تشریف لا کر سب سے پہلا سوال بار بار یہی کیا کہ ہمارے یہودی پڑوسی کو بھی تم نے اس بکری کا گوشت ہدیہ کر دیا کہ نہیں۔

(۱۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے اچھا یا بُرا ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھا یا بُرا ہے۔ پھر جتنا ان کے ساتھ اچھا یا بُرا ہوگا اتنا ہی وہ اچھا یا بُرا سمجھا جائیگا۔ صاحب کا لفظ بھی بڑا ہمہ گیر ہے۔ ساتھ والے اس میں سب ہی آگئے۔ خواہ وہ اپنے گھر والے ہوں یا اور کوئی ہو۔ حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کی بھوک پیاس اور اسی طرح دوسری ضروریات کو محسوس کرے۔ اور اُن سے بے نیاز و بے فکر ہو کر زندگی نہ گذارے۔ اس میں مسلم و غیر مسلم پڑوسی سب ہی برابر ہیں۔

(۱۱۹) اس حدیث میں بھی اسی کی تاکید ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ پڑوسی کا حق یہ ہے کہ بیمار ہو جائے تو عیادت کرو۔ مر جائے تو (تجہیز و تکفین وغیرہ کرکے قبر تک) اس کے ساتھ جاؤ۔ قرض مانگے تو قرض دیدو۔ اس کے عیوب کو چھپاؤ۔ خوشی کے موقع پر مبارکباد دو، مصیبت میں تسلّی دو اور تعزیت کرو۔ اپنی عمارت کو اس کی عمارت سے اونچی کرکے اس کی ہوا بند نہ کرو۔ اور اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اس کو تکلیف نہ دو۔ ہاں اس کو اس میں سے (جو پکا ہے) تھوڑا سا دیدو۔ حضرتِ عبداللہ بن عمروؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس میں سے پڑوسی کو بھی ہدیہ بھیجو۔ اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کر لاؤ (کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ) تمہارا کوئی بچّہ وہ پھل لے کر گھر سے باہر نہ نکلے۔ کہ پڑوسی کے بچہ کے دل میں اسے دیکھ کر جلن پیدا ہو۔

(معارف الحدیث ۹۸/۶)

(۱۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس پڑوسی کا دروازہ تمہارے دروازہ سے زیادہ قریب ہے وہ احسان وسلوک میں دوسرے پڑوسیوں سے مقدم ہے۔

اَلصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ

پہلو کا ساتھی

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَمُجَاهِدٌ وَعِكْرَمَةُ وَقَتَادَةُ هُوَ الرَّفِيْقُ فِي السَّفَرِ

حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ عکرمہؒ اور قتادہؒ نے کہا کہ وہ رفیق سفر ہے۔

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ وَابْنُ زَيْدٍ الَّذِيْ يَصْحَبُكَ رَجَاءَ نَفْعِكَ فَيَشْتَمِلُ

اور ابن جریجؒ وابن زیدؒ نے کہا کہ اس کا مصداق وہ ہے جو اپنے فائدہ کے لئے تمہارے ساتھ ہے۔ تو یہ

التِّلْمِيْذَ وَتِلْمِيْذَ أُسْتَاذِهٖ أَيِ الشَّرِيْكَ فِيْ حَلْقَةِ الدَّرْسِ وَقَالَ

شاگرد اور استاذ کے شاگرد یعنی سبق کے ساتھی کو بھی شامل ہوگا۔ اور

عَلِيٌّ وَعَبْدُ اللهِ وَإِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ هُوَ الْمَرْأَةُ تَكُوْنُ مَعَ جَنْبِهٖ

حضرت علیؓ وعبداللہؓ اور ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے جو مرد کے پہلو کے ساتھ رہتی ہے

وَقَالَ الْبُخَارِيُّ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ۔ (تفسیر مظہری)

اور امام بخاری کا قول ہے کہ وہ رفیق سفر ہے۔

لغات: رَفِيْقٌ ساتھی ج رُفَقَاءُ (ك) ساتھی ہونا (ن س ك) مہربانی کا برتاؤ کرنا۔ السَّفَرُ (ن) سفر کے لئے روانہ ہونا، کھولنا۔ (ن ض) صلح کرانا۔ التِّلْمِيْذُ شاگرد ج تَلَامِيْذُ وتَلَامِذَةٌ۔ اَلْجَنْبُ پہلو ج اَجْنَابٌ وجُنُوْبٌ۔

ترکیب: قَالَ فعل، معطوفات ثلاثہ فاعل جملہ قول۔ هُوَ مبتدا الرَّفِيْقُ متعلق فِي السَّفَرِ سے ملکر خبر جملہ مقولہ۔ اسی طرح اگلا قَالَ۔ الَّذِيْ اسم موصول اپنے صلہ جملہ فعلیہ سے ملکر مبتدا۔ فا کے بعد والا جملہ فعلیہ خبر ہے۔ اس میں رَجَاءَ مفعول لہٗ ہے۔ باقی ترکیبیں ظاہر ہیں۔

تشریح: الصَّاحِبُ بِالْجَنْبِ (ہمنشین) کے بارے میں تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں لیکن یہ لفظ سب ہی ہمنشینوں کو عام ہے۔ جو ریل، جہاز، بس، گاڑی وغیرہ میں پاس بیٹھا ہو۔

یا عام مجلسوں میں برابر میں بیٹھا ہو۔ وہ شاگرد وخادم ہو یا شریکِ درس (ساتھی) ہو یا بیوی، شریعتِ اِسلام نے جس طرح قریب و دُور کے دائمی پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے ہیں اسی طرح اس کا بھی حقِ صحبت لازم کردیا ہے جو عارضی پڑوسی مجلس یا سفر یا درس میں ساتھ ہوگیا ہو جس میں مسلم، غیر مسلم، رشتہ دار اور اجنبی سب برابر ہیں۔ اس عارضی پڑوسی کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی ہدایت ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آپ کے کسی قول وفعل سے اس کو ایذا نہ پہونچے۔ مثلاً ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے اس کو تکلیف ہو۔ سگریٹ پی کر برابر والے مسافر کی طرف دھواں نہ چھوڑیں۔ پان کھا کر اس کی طرف پیک نہ ڈالیں۔ اس طرح نہ بیٹھیں کہ اس کی جگہ تنگ ہو جائے۔

قرآنِ کریم کی اس ہدایت پر اگر لوگ عمل کرنے لگیں تو مسافروں اور ساتھیوں کے سب جھگڑے ختم ہو جائیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صاحب بالجنب میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی کام اور کسی پیشہ میں آپ کا شریک ہے۔ یعنی صنعت، مزدوری، ملازمت، سفر وحضر وغیرہ میں۔ (روح المعانی)

حضرتِ مجاہدؒ مجاہد بن جَبر (بفتح الجیم وسکون الباء) ویقال جُبَیر مصغراً ان کی کنیت ابو الحجاج ہے، اور نسبت المکی المخزومی المقری ہے۔ عبداللہ بن السائب المخزومی کے مولیٰ ہیں۔ ویقال مولی السائب بن ابی السائب ویقال ایضاً مولیٰ قیس بن الحارث۔ آپ مکہ مکرمہ کے باشندہ ہیں۔ تابعین کے طبقۂ ثانیہ میں اور وہاں کے مشہور فقہاء وقراء میں آپ کا شمار ہے۔ آپ وہاں کے مشہور علماء ومشائخ میں سے ہیں۔ آپ قراءت وتفسیر کے زبردست امام تھے، حضرت علی سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن الزبیر، عبداللہ بن عمر، رافع ابن خدیج، اسید بن ظہیر، ابو سعید خدری، ابوہریرہ، جابر بن عبداللہ، عطیہ قرظی، سراقہ بن مالک بن جعشم، عائشہ، ام سلمہ، جویریہ بنت الحارث، ام ہانی بنت ابی طالب، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن ابی السائب رضی اللہ عنہم وغیرہ بہت سے صحابۂ کرامؓ سے آپنے علم حاصل کیا۔ اور بیشمار تابعین ومحدثین نے آپ سے روایت کی ہے۔

ابن معین وابوزرعہ نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ سفیان ثوریؒ نے سلمۃ بن کُہیل سے نقل کیا ہے کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس علم (نبوی) کو رضائے خداوندی کے مکمل جذبہ سے حاصل کیا ہو۔ صرف تین آدمی ایسے ہیں جن کے سامنے رضائے خداوندی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ ایک عطاءؒ دوسرے طاؤسؒ تیسرے مجاہدؒ۔ فضل بن میمونؒ نے فرمایا کہ میں نے مجاہد کی زبانی سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرتِ عبداللہ ابن عباسؓ کے سامنے اس قرآنِ مقدس کو تیس مرتبہ پیش کیا۔ ابنِ سعدؒ کہتے ہیں کہ مجاہد ثقہ، فقیہ اور کثیر الحدیث عالم تھے۔ ابنِ حبانؒ کا قول ہے کہ وہ فقیہ، عالم، عابد، متقن (جید فی العلم) تھے۔ حضرتِ عائشہؓ سے سماع میں اختلاف ہے۔ اکثر محدثین کے نزدیک ثابت ہے۔ بعض کہتے ہیں

نہیں۔ ان کی عادت ارسال کی تھی۔ یحییٰ قطانؒ کا قول ہے مرسلات مجاھد احب الیّٰ من مرسلات عطاء۔ وقال الذھبی اجمعت الامۃ علیٰ امامۃ مجاھد والاحتجاج بہٖ۔ خصیفؒ کا قول ہے کہ مسئلۂ طلاق کے سب سے بڑے ماہر سعید بن المسیبؒ ہیں۔ اور تفسیر کے سب سے بڑے عالم مجاہدؒ ہیں۔ اور دلائل سے سب سے زیادہ واقف حضرتِ عطاءؒ، اور حرام وحلال کے سب سے بڑے عالم طاؤسؒ ہیں۔ اور سعید بن جبیرؒ میں یہ سب علوم بیک وقت موجود ہیں۔ ان کی وفات میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) ولی الدین خطیب تبریزیؒ نے فرمایا ان کی وفات سنہ ۱۰۰ھ میں ہوئی۔ ہیثم بن عدی کا بھی یہی قول ہے۔ (۲) یحییٰ بن بکیرؒ نے کہا کہ سنہ ۱۰۱ھ میں بعمر تراسی ۸۳ سال وفات پائی۔ (۳) ابنِ حبانؒ نے کہا کہ مکہ مکرمہ میں بحالتِ سجدہ ان کی وفات سنہ ۱۰۲ھ یا سنہ ۱۰۳ھ میں ہوئی۔ اور پیدائش امیر المؤمنین حضرتِ عمرؓ کے دورِ خلافت میں سنہ ۲۱ھ میں ہوئی تھی۔

ابو نعیمؒ کہتے ہیں کہ سنہ ۱۰۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۴) عثمان بن الاسودؒ، سعید بن عفیرؒ اور احمدؒ کا قول سنہ ۱۰۳ھ کا ہے۔ (۵) یحییٰ القطانؒ کہتے ہیں کہ سنہ ۱۰۴ھ میں ان کی وفات ہوئی رحمہ اللہ۔

واللہ اعلم بالصواب۔ (از تراجم الاحبار ج ۲ ص ۳۳۰)

حضرتِ عکرمہؒ

ابو عبداللہ عکرمۃ البربری المدنی حضرتِ ابن عباسؓ کے غلام اور شاگرد تھے۔ انکو آزاد کر دیا گیا تھا یا نہیں۔ اس میں دونوں قول ہیں۔ ثقہ ہیں عالم بالتفسیر ہیں۔ بہت سے صحابہؓ وصحابیاتؓ سے احادیث لی ہیں۔ ابراہیم نخعیؒ اور بہت سے تابعین نے ان سے علم حاصل کیا۔ اور احادیث روایت کیں۔ حضرتِ ابن عباسؓ نے ان کو فتویٰ دینے کی اجازت دی بلکہ حکم دیا اور یہ ہدایت فرمائی کہ تم سے جو معقول بات پوچھے جواب دو، ورنہ ٹال دو۔ اس طرح تمہاری دو تہائی مشقت دور ہو جائے گی۔ فرزدق بن جواسؒ کہتے ہیں کہ ہم جرجان میں تھے کہ عکرمہ تشریف لے آئے تو ہم نے حضرت شہر بن حوشبؒ سے پوچھا ان کے پاس جانا چاہیئے۔؟ فرمایا ضرور جاؤ۔ کیونکہ ہر امت کا کوئی حبر (بڑا عالم) ہوتا ہے۔ اور اس امت کا بڑا عالم اس زمانہ میں ابن عباسؓ کا مولیٰ (عکرمہ) ہے عکرمہؒ کہتے ہیں کہ میرے استاذ وآقا حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی جو اصحاب السبت کے بارے میں ہے۔ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا (یعنی ان لوگوں کو کیوں سمجھاتے ہو جن کو خدا ہلاک کریگا یا سخت عذاب دیگا) اور فرمایا کہ نصیحت کرنیوالے تو نجات پا گئے اور شکار کرنیوالے ہلاک ہو گئے۔ جو خاموش رہے ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ معذّب وہلاک ہوئے یا نجات پا گئے۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ میں بار بار عرض کرتا رہا کہ وہ نجات پا گئے۔ کیونکہ وہ خاموش رہے تھے اسلیئے اللہ نے بھی ان کا ذکر نہ فرمایا۔ تو حضرت ابن عباسؓ کی سمجھ میں خوب آگیا اور اسپر مجھے انعام میں ایک حُلّہ عطاء فرمایا۔

قتادہؒ نے کہا کہ تابعین میں چار حضرات سب سے بڑے عالم ہیں۔ عطاءؒ، سعید بن جبیرؒ، عکرمہؒ اور حسن بصریؒ بعض حضرات نے ان پر خارجیوں کے خیالات سے متفق ہونے کا الزام بھی لگایا ہے۔ لیکن عجلیؒ، امام بخاریؒ امام نسائیؒ، امام ابن ابی حاتمؒ، امام حاکمؒ وغیرہ بہت سے محدثین نے اس تہمت سے ان کی برارت کی۔ ان کی مرویات کو حجت بنایا۔ اور اپنی کتب میں ان کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ محدث ابن معینؒ تو فرماتے ہیں کہ جو شخص عکرمہؒ وحماد بن سلمہؒ پر اتہام لگائے اس کو اسکے اسلام کے بارے میں متہم سمجھنا چاہیئے۔ امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام ابو داؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ نے اپنی کتابوں میں ان کی احادیث لی ہیں۔ اور ان سے مسائل پر استدلال فرمایا ہے۔ البتہ امام مسلمؒ نے ان سے حدیث لینے میں احتیاط فرمائی ہے۔ اور اپنی کتاب (مسلم) میں صرف ایک روایت کتاب الحج میں سعید بن جبیرؒ کے ساتھ ان سے لی ہے۔ اور وجہ وہی ہے کہ امام مالکؒ اور بعض دوسرے بڑے ائمہ نے ان پر جرح کیا ہے۔ ان کی وفات میں بھی مختلف اقوال ہیں۔

(۱) اسّی سال کی عمر میں ۱۰۷ھ میں وفات ہوئی۔ (۲) ۱۰۴ھ۔ (۳) ۱۰۵ھ (۴) ۱۰۶ھ۔ (۵) ۱۰۷ھ (۶) ۱۱۰ھ۔ (تراجم الاحبار ص۳۸ ج۲)

شیخ ولی الدینؒ اکمال میں فرماتے ہیں کہ عکرمہؒ کا انتقال اسّی برس کی عمر میں ۱۰۷ھ میں ہوا۔ واللہ اعلم

حضرتِ قتادہؒ

قتادۃ بن دعامۃ بن قتادۃ بن عزیز السدوسی البصری۔ کنیت ابوالخطاب ہے۔ ثقہ وثبت ہیں۔ بہت سے صحابہ مثلاً حضرتِ انسؓ حضرت عبداللہ بن سرجسؓ، حضرتِ ابوالطفیلؓ، حضرتِ عامر بن واثلہؓ وغیرہم سے اور بہت سے تابعین مثلاً حسن بصریؒ، سعید بن المسیبؒ، ابن سیرینؒ وغیرہم سے احادیث روایت کیں۔ اور ان سے ایک خلقِ کثیر نے احادیث لیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کان قتادۃ احفظ من اهل البصرة لم يسمع شيئًا الا حفظه وقرئ عليه صحيفة جابر مرةً واحدةً فحفظها۔ بکیر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ حافظہ والا نہیں دیکھا۔ ابوزرعہؒ نے کہا کہ قتادہؒ حسن بصریؒ کے شاگردوں میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ ابن سیرینؒ نے کہا قتادۃ احفظ الناس ہیں۔ معمرؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام زہریؒ سے پوچھا آپ کے نزدیک قتادہؒ بڑے عالم ہیں یا مکحولؒ؟ فرمایا: قتادہؒ۔ بکر بن عبداللہ مزنیؒ کہتے ہیں کہ جو اپنے زمانہ کے سب سے زیادہ قوی حافظہ والے کو دیکھنا چاہے وہ قتادہؒ کو دیکھ لے۔ اور ہم نے ان سے زیادہ حافظہ والا نہیں پایا۔ قتادہؒ نے خود فرمایا کہ میرے کانوں نے جو کچھ بھی سنا میرے دل نے اس کو محفوظ کر لیا۔ قتادہؒ حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس آٹھ دن مقیم رہے۔ تیسرے دن فرمایا: او اندھے تو یہاں سے چلا جا تو نے میرا سارا علم لے لیا۔ قتادہؒ مادر زاد نابینا تھے۔ علی بن المدینیؒ کہتے ہیں کہ قتادہؒ کے دروازہ پر ایک سائل نے سوال کیا جب وہ چلا گیا تو معلوم

ہوا کہ پیالہ غائب ہے۔ اس واقعہ کے دس برس بعد حضرتِ قتادہؒ حج کو گئے تو وہی اعرابی سائل آیا۔ اور لوگوں سے سوال کیا، حضرتِ قتادہؒ نے اس کی بات سُنکر فرمایا۔ پیالہ چُرانے والا یہی ہے، لوگوں نے اس سے دریافت کیا تو اس نے اقرار کرلیا۔ اس جلیل القدر تابعی کی پیدائش ۶۱ھ میں اور وفات حسن بصریؒ سے سات سال بعد ۱۱۷ھ میں مقامِ واسط میں بمرض طاعون ہوئی۔ عمر ۵۶ یا ۵۷ سال کی ہوئی۔ رحمہ اللہ

حضرت ابنِ جریجؒ

عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج الاموی المکی بنی اُمیہ کے مولیٰ اور رومی الاصل ہیں۔ فقیہ وفاضل اور ثقہ ہیں، جلیل القدر تابعی ہیں۔ ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اور فرمایا کہ وہ اہلِ حجاز کے فقہاء وقراء میں سے ایک عظیم شخصیت تھے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ابنِ جریجؒ نے ستر عورتوں سے نکاح کرکے لُطف اٹھایا ہے۔ ابوعاصمؒ کہتے ہیں کہ مہینہ میں ستائیس دن روزہ رکھتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ متولد ۶۱ھ ومتوفی رجب ۱۰۱ھ) کے حکم سے حدیث کی تدوین شروع ہوئی۔ تو سب سے پہلے مُدوّن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزمؒ متوفی ۱۲۰ھ۔ یا محمد بن مسلم بن شہاب زُہریؒ متوفی ۱۲۵ھ ہیں۔ ان کے بعد دوسرے طبقہ میں ربیع بن صبیحؒ متوفی ۱۶۰ھ سعید بن ابی عروبہؒ متوفی ۱۵۶ھ۔ امامِ مالک بن انسؒ متوفی ۱۷۹ھ۔ ابن جریج عبدالملک بن عبدالعزیز المکیؒ متوفی ۱۵۰ھ۔ عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعیؒ متوفی ۱۵۷ھ۔ سفیان بن سعید الثوریؒ متوفی ۱۶۱ھ حماد بن سلمہ متوفی ۱۶۷ھ۔ ہشیم بن بشیرؒ متوفی ۸۳ھ۔ معمر بن راشدؒ متوفی ۱۵۴ھ۔ عبداللہ بن المبارکؒ متوفی ۱۸۱ھ۔ اور قاضی الری جریر بن عبدالحمیدؒ متوفی ۱۸۸ھ ہیں۔ اس طبقہ میں موصوف ابن جریجؒ بھی ہیں۔

حضرتِ ابراہیم نخعیؒ

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود بن عمرو بن ربیعۃ بن ذھل النخعی ابوعمران الکوفی الفقیہ ثقہؒ، ولادت ۵۰ھ میں ہوئی۔ بچپن میں اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علقمہؒ، اسودؒ، مسروقؒ اور بہت سے تابعین آپ کے اساتذہ ہیں۔ بہت سے صحابہؓ کی زیارت ہوئی۔ ان سے روایت مختلف فیہ ہے۔ حماد بن سلیمانؒ فقیہ کوفہ اور ایک بڑی جماعت نے آپ سے علمی فیوض حاصل کیۓ۔ مغیرہؒ کہتے ہیں کہ ان کی علمی عظمت کا رُعب بادشاہوں جیسا تھا۔ آپ کی ہیبت ہمارے دِلوں میں اتنی تھی جتنی دوسروں کے دلوں میں امیر کی ہوتی ہوگی۔ امام اعمشؒ کہتے ہیں کہ بارہا یہ بات مشاہدہ میں آئی کہ آپ نماز پڑھکر آتے تو کچھ دیر کے لیۓ مریض سے معلوم ہوتے تھے۔ فنِ حدیث کے امام اور ایسے متبحر باکمال تھے کہ صیرفی الحدیث کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ شہرت سے بچتے۔ ممتاز جگہ پر نہ بیٹھتے تھے۔ امام شعبیؒ کو جب انکی وفات کی خبر ہوئی تو فرمایا کہ انہوں نے اپنے بعد کسی کو اپنا جیسا نہ چھوڑا۔ عبدالملک بن سُلیمان

کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن جبیرؒ سے یہ سُنا کہ کیا ابراہیمؒ کے ہوتے ہوئے تم لوگ مجھ سے مسائل پوچھتے ہو۔ آپ کی بیوی ہُنیدہ فرماتی ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ ابوالمثنیٰ فرماتے ہیں کہ فضل وکمال میں علقمہ، عبداللہ بن مسعودؓ کے نمونہ تھے اور ابراہیم علقمہ کے۔ امام شعبی (۹۵ھ یا ۹۶ھ میں) آپ کے جنازہ میں شریک ہوئے۔ تو ایک شخص سے فرمایا کہ تم نے افقہ الناس کو دفن کردیا۔ اس نے کہا کہ یہ حسن بصریؒ سے بھی زیادہ فقیہ تھے، فرمایا حسن بصریؒ اور تمام کوفہ، بصرہ، شام اور حجاز والوں سے بھی زیادہ فقیہ تھے۔ آپ جانشینِ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرتِ علقمہؒ کے جانشین تھے۔ اور آپ کے جانشین امام اعظم ابوحنیفہؒ کے استاذ حماد بن ابی سُلیمان کوفی ہوئے۔

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

(اور جس چیز کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں)

اَيِ الْعَبِيْدُ وَالْاِمَاءُ قُلْتُ وَيَدْخُلُ فِيْهَا الْبَهَائِمُ اَيْضًا

یعنی غلام اور باندیاں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں چوپائے بھی داخل ہیں۔

(۱۲۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ وَقَدْ وَلِيَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ وَلْيَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ بِهٖ فِيْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ۔ (بخاری شریف ص۲۲۴ ج۱)

حضرتِ ابو ہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے لئے اس کا خادم اس کا کھانا تیار کرے اور اس نے اس کی گرمی اور دھویں کو برداشت کیا تو اس کو چاہیئے کہ اس خادم کو اپنے ساتھ بٹھلالے اور خادم کو چاہیئے کہ (مخدوم کا کہنا ماننے اور) کھالے۔ اور اگر کھانا تھوڑا سا ہو تب بھی خادم کے ہاتھ پر اس میں سے ایک یا دو لقمے رکھدے۔

(۱۲۲) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِيْ اُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ۔ (بخاری ومسلم۔ مشکوٰۃ ص۵۱۸)

حضرتِ انسؓ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی آپ نے کبھی مجھ کو اُف نہیں فرمایا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ (یہ کام) تم نے کیوں کیا اور نہ یہ فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کیا۔

(۱۲۳) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَمْ نَعْفُوْا عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ ثُمَّ اَعَادَ اِلَيْهِ الْكَلَامَ

یا رسول اللہ ہم خادم کو کتنا معاف کریں تو آپ نے خاموشی اختیار فرمائی اس شخص نے یہی بات دہرائی تو

فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ قَالَ اَعْفُوْا عَنْهُ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔

آپ نے پھر سکوت فرمایا پھر جب تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ خادم (کی خطا) روزانہ ستر بار معاف کرو۔

(ابوداؤد باب فی حق المملوک کتاب الادب ص ۲۵۵/۲ ترمذی ابواب البر ص ۱۷/۲)

(۱۲۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَؓ عَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَا مَرَّ رَسُوْلُ اللهِ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سہل بن حنظلیہؓ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهٗ بِبَطْنِهٖ فَقَالَ اتَّقُوا اللهَ

کا گذر ایک ایسے اونٹ پر ہوا جس کی پشت اس کے پیٹ سے لگ گئی تھی آپ نے فرمایا ان بے زبان چوپاؤں

فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَكُلُوْهَا صَالِحَةً۔

کے بارے میں اللہ سے ڈرو ان پر ایسی حالت میں سوار ہوا کرو کہ وہ ٹھیک ہوں اور ان کو ایسی حالت میں چھوڑ دو

کہ ٹھیک ہوں۔ (ابوداؤد کتاب الجہاد ص ۳۵۲/۱)

لغات اَلْاِمَاءُ جمع اَلْاَمَةُ کی باندی۔ بَهَائِمُ جمع بَهِيْمَةٌ کی چارپایہ، بے زبان جانور۔ حَرٌّ گرمی (س ن ض)، گرم ہونا (ن ض) گرم کرنا۔ دُخَانٌ دھواں ج اَدْخِنَةٌ، دَوَاخِن، دَوَاخِيْن مولدین۔ تمباکو۔ سگریٹ کو کہتے ہیں۔ (س) دھویں کی بو دینا۔ (ك) دھوین کے رنگ کا ہونا (ن ض) دھواں اٹھنا۔ مَشْفُوْهًا صیغہ اسم مفعول مَاءٌ مَشْفُوْهٌ ایسا پانی جس پر پینے والے بہت آتے ہوں، فُلَانٌ مَشْفُوْهٌ عَنَّا یعنی وہ ہم سے غافل ہے اس کے پاس بہت آدمی آتے ہیں۔ (ف) ہونٹ پر مارنا۔ اصرار کرکے سوال کرنا اور سب کچھ خرچ کرا دینا، خالی کر دینا، ختم کر دینا۔ اُفٍّ بضم الهمزة وكسر الفاء المشددة وفی نسخة بفتحهما وفی نسخة بتنوين المكسورة وهی ثلث قراءات متواترات وهو صوت يدل على التضجر مما يكره ويستقذر وقيل اسم للفعل الذی هو الضجر۔ (مرقاۃ) بَعِيْرٌ نو سالہ یا چار سالہ اونٹ یا اونٹنی۔ ج بُعْرَانٌ، اَبْعِرَةٌ جج اَبَاعِرُ، اَبَاعِيْرُ (س) نو سالہ یا چار سالہ اونٹ ہونا۔ (ف) مینگنی کرنا۔

ترکیب (۱۲۱) اِذَا صَنَعَ الخ فعل متعلق فاعل اور مفعول بہ علی الترتیب جملہ شرط وَقَدْ وَلِيَ الخ جملہ فعلیہ جملہ ماقبل سے حال۔ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ وَلْيَاْكُلْ معطوفین جزا۔ فَاِنْ كَانَ جملہ فعلیہ شرط قَلِيْلًا بیان مشفوهًا فَلْيَضَعْ جملہ فعلیہ جزا۔

(۱۲۲) خَدَمْتُ فعل بافاعل مفعول بہ ومفعول فیہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ اگلے تینوں جملے معطوفات مِل کر معطوف۔

(۱۲۳) کَمْ نَعْفُوْ ای کَمْ مَرَّۃً نَعْفُوْ فعل بافاعل مفعول بہ مقدم اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ۔ اگلے تینوں جملے فعلیے ہیں۔ پھر جملہ شرطیہ جزائیہ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً مفعول فیہ۔

(۱۲۴) وَقَدْ لَحِقَ جملہ فعلیہ حال ہوگا۔ اسی طرح صَالِحَۃً دونوں جملوں میں ھَا سے حال ہے۔ والترکیب ظاہر۔

تشریح

(۱۲۱) اس میں غلاموں، باندیوں اور خادموں پر شفقت و مہربانی کی ترغیب ہے۔ کھانا تیار کرنے میں انہوں نے پریشانی اُٹھائی ہے۔ تو اس کھانے میں سے ان کو حصّہ ملنا چاہیئے۔ اس سے زائد اکرام یہ ہے کہ ان کو اپنے ساتھ بٹھلا کر کھلائیں۔ اس میں مساوات کا سبق بھی ہے اور مخدوموں کے کبر کا علاج بھی۔ لیکن بعض مرتبہ کھانے والے زیادہ اور کھانا ناکافی ہوتا ہے۔ اور مخدوم کی مصلحت کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ کہ ان کو ساتھ کھلائیں۔ معزز اضیاف کی وجہ سے، کھانا کم ہونے کی وجہ سے یا ضرورتِ خدمت کیوجہ سے، تب بھی اس کھانے سے ان کو محروم نہ رکھا جائے بلکہ لقمہ دو لقمے ان کو ضرور اس میں سے کھلا دیا جائے۔ اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ اگر کھانا عمدہ بنا ہے تو خادم کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔ کمی رہ گئی ہے تو اسکی اصلاح یا آئندہ اس کمی کو پورا کرنے پر حسنِ انداز سے تنبیہ بھی ہو جائے گی۔

(۱۲۲) حضرت انسؓ آپؐ کے خلقِ عظیم کو بیان فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، مگر آپ نے کبھی غصّہ اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا اور اُف تک نہ کی۔ حالانکہ کتنی بار خدمت میں کوتاہی ہوئی ہوگی، کام بگڑے ہونگے۔ کوئی کام اگر بغیر اجازت کر لیا تو آپ نے بازپرس نہیں فرمائی۔ اور کوئی کام نہ کر سکا تو آپنے اسپر بھی گرفت یا ملامت نہیں فرمائی۔ آخر اسی صاحبِ خلقِ عظیم کے نام لیوا ہم لوگ ہیں۔ کیا ہمارے اندر بھی اس خلقِ عظیم کی کوئی جھلک ہے؟

(۱۲۳) سوال کے جواب میں آپ کا طویل سکوت ہی جواب تھا۔ وہ یہ کہ اپنے نبی کے اخلاق کو دیکھو اور اتباع کر لو۔ ناپ تول کر تو اخلاق کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب سائل بجائے فکر سوال کو دہراتا رہا تو آپنے فرمادیا کہ ایک دن میں اگر ستر بار خطا کرے تو پھر بھی معاف کر دو۔ ستر کے عدد سے تحدید مقصود نہیں بلکہ تکثیر مراد ہے۔ کہ خادم کو معاف ہی کرنا چاہیئے۔ خواہ کتنی ہی بار قصور کرے۔

(۱۲۴) اس حدیث میں جانوروں پر رحم و کرم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور ان کے حقوق اجمالی طور پر ارشاد فرمائے گئے ہیں کہ ان کی طاقت کے مطابق ان سے کام لیا جائے۔ خوب کھلا پلا کر

اُن پر سوار ہوا جائے۔ اور سوار ہو کر یا لاد کر ان کو بالکل تھکا یا دیا جائے، بلکہ دونوں حالتوں میں مکمل رعایت و شفقت چاہیے۔ ان کو بھوکا پیاسا رکھنا، طاقت سے زیادہ کام لینا، ان پر رحم نہ کرنا، ان کی حق تلفی ہے۔ اسلئے اللہ سے ان کے بارے میں ڈرنا چاہیئے۔ کل قیامت کے دن ان کے بارے میں بھی باز پرس ہوگی۔

حضرت سہل بن الحنظلیہ رضی اللہ عنہ

سہل بن الحنظلیۃ صحابی انصاری اوسی والحنظلیۃ امّہ او امّ جدّہ والیھا ینسب وبھا یعرف واختلف فی اسم ابیہ فقیل عمرو وقیل الربیع بن عمرو وقیل عقیب بن عمرو بن عدی بن زید شہد بیعۃ الرضوان واُحُدًا والخندق والمشاھد کلھا ما خلا بدرًا وکان فاضلًا معتزلًا عن الناس کثیر الصلوٰۃ والذکر وکان عقیمًا لایولد لہ قالہ البخاری سکن الشام ومات بدمشق فی اول ایام معاویۃ۔ رضی اللہ عنہم۔

وَمِنْ اَھَمِّ اَبْوَابِ الْبِرِّ حُسْنُ الْمُعَاشَرَۃِ مَعَ الْاَھْلِ

اور "ابواب برّ" میں سے اہم ترین، گھر والوں کے ساتھ اچھی زندگی گذارنا ہے۔

(۱۲۵) قَالَ اللہُ تَعَالیٰ وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ کَرِھْتُمُوْھُنَّ فَعَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّیَجْعَلَ اللہُ فِیْہِ خَیْرًا کَثِیْرًا۔ (نساء آیت ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور عورتوں کیساتھ اچھی طرح زندگی گذارو۔ پھر اگر تم ان کو ناپسند کرتے ہو تو ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں بڑا نفع پیدا فرمادیں۔

(۱۲۶) وَقَالَ اللہُ تَعَالیٰ۔ وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْھِنَّ دَرَجَۃٌ وَاللہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔ (بقرۃ آیت ۲۲۸)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور عورتوں کے حقوق (مردوں پر) اسی طرح ہیں جس طرح (مردوں کے حقوق) انپر ہیں اور مردوں کا درجہ کچھ ان کے مقابلہ میں بڑھا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

(۱۲۷) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَکُ مُؤْمِنٌ مُّؤْمِنَۃً اِنْ کَرِہَ مِنْھَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْھَا اٰخَرَ۔ (مشکوٰۃ ۲۸۰ بحوالہ مسلم)

حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی مؤمن کسی مؤمنہ سے بغض نہ رکھے اگر اس کی ایک عادت اس کو ناپسند ہے تو دوسری پسند ہوگی۔

(۱۲۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا بَاتَتِ

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عورت (ناراضگی سے)

اَلْمَرْأَةُ مُهَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلٰٓئِكَةُ حَتّٰى تَرْجِعَ۔ (بخاری)

اپنے شوہر کا بستر چھوڑ کر رات گزارتی ہے تو جبتک وہ واپس نہ آجائے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔

(۱۲۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن زمعہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی

لَا يَجْلِدُ اَحَدُكُمْ اِمْرَاَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِيْ اٰخِرِ الْيَوْمِ۔

اپنی بیوی کے اس طرح کوڑے نہ مارے جس طرح غلام کے (بے رحم لوگ) کوڑے مارتے ہیں کہ پھر رات کو اس سے جماع کریگا۔

(مشکوٰۃ شریف ص۲۸۰ بحوالہ بخاری ومسلم)

لغات

عَاشِرُوْا باب مفاعلۃ سے امر کا جمع حاضر۔ باہم مل جل کر رہنا۔ (ن) دسواں حصہ لینا۔ اَلْمَعْرُوْف مفعو مشہور، خیر، رزق (ض) پہچاننا (ک ن) چودھری ہونا، انتظام کرنا (س) خوشبو ترک کرنا۔ تَكْرَهُوْا (سمع) ناپسند کرنا۔ لَا يَفْرَكْ (س) بغض رکھنا (ن) ملنا، کھرچنا۔ بَاتَتْ (ض) رات گزارنا فِرَاش بستر۔ فُرُوْش، اَفْرِشَة جمع (ن) بچھانا، کشادہ کرنا جَلْد کوڑا، کھال (ض) کوڑے مارنا (ک) صبر و استقلال و قوت دکھلانا۔

ترکیب

(۱۲۵) عَاشِرُوْا فعل با فاعل هُنَّ مفعول بہ بِالْمَعْرُوْفِ متعلق جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ فان الخ فعل فاعل مفعول بہ جملہ شرط۔ عَسٰى الخ جملہ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر جزا۔

(۱۲۶) لَهُنَّ اپنے متعلق سے مل کر خبر مقدم مِثْلُ اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا۔ عَلَيْهِنَّ ثبت کے متعلق ہوگا تاکہ صلہ بنا صحیح ہوجائے۔ اگلے جملہ کی ترکیب بھی یہی ہے۔

(۱۲۷) لَا يَفْرَكْ صیغہ نہی غائب یا صیغہ مضارع بمعنی نہی مُؤْمِنٌ فاعل مُؤْمِنَةً مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ یا خبریہ۔ اگلا جملہ شرط و جزا ہے۔

(۱۲۸) بَاتَتْ فعل ضمیر فاعل اَلْمَرْأَةُ ذوالحال مُهَاجِرَةً حال فاعل فِرَاشَ زَوْجِهَا مفعول بہ جملہ شرط۔ اگلا جملہ فعل مفعول بہ فاعل اور متعلق سے مل کر جزا۔

(۱۲۹) لَا يَجْلِدُ میں لَا يَفْرَكْ کی طرح دونوں احتمال ہیں جَلْدَ الْعَبْدِ ای کجلد العبد متعلق یا بلا لحاظ جار مفعول ثانی۔ اگلا جملہ خبریہ معطوف۔ اسلئے پہلے جملہ کو خبریہ بنانا بہتر ہے۔

تشریح

(۱۲۵) اسلام سے پہلے جو عورتوں پر مختلف قسم کے مظالم ہوتے تھے ان میں سے ایک ظلم یہ بھی تھا کہ بعض اوقات بیوی کا کوئی قصور نہ ہونے کے باوجود طبعی طور پر وہ

شوہر کو ناپسند ہوتی تو شوہر اس کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرتا، اور اس کو طلاق بھی اسلئے نہیں دیتا تھا کہ وہ تنگ آکر اس کا دیا ہوا زیور اور زرِ مہر واپس کردے۔ اور اگر مہر ابھی نہیں دیا تو معاف کردے تب اس کو آزادی دیدی جائے۔ اور بعض مرتبہ ان مذکورہ اغراض کی بنا پر اپنی مطلقہ عورت کو نکاحِ ثانی سے باربار رجعت کرکے یا اور کسی تدبیر سے روکتا تھا۔ اور زمانۂ جاہلیت میں بہت سی طلاقوں کے بعد بھی رجعت کرلیتے تھے۔ اس آیت سے قرآنِ کریم نے اس ظلم وفساد کی جڑ کو اکھاڑ ڈالا۔ اور فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ زندگی قاعدہ کے موافق گذارو۔ ہو سکتا ہے کہ تم ان کو طبعی طور پر ناپسند کر رہے ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے تمہارے لئے فائدہ کی شکلیں پیدا فرمادیں۔ مثلاً وہ صاحبِ نصیب ہو۔ اور اس کے نصیب سے وسعت وفراغت حاصل ہوجائے۔ یا نرینہ اولاد مل جائے۔ یا وہ اللہ کی نیک بندی ہو۔ تو اس کی وجہ سے اللہ کی طرف سے رحمت وبرکت متوجہ رہے۔ یا کم از کم ناپسند بیوی پر صبر کرنے سے صبر کی فضیلت اور بے حساب اجر وثواب کا مستحق بنجائے وغیرہ۔

(۱۲۶) یہ آیت میاں بیوی کے باہمی حقوق وفرائض اور ان کے درجات میں ایک شرعی ضابطہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عورت اور دولت نظامِ عالم کے سدھار اور بگاڑ کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں کو اپنے صحیح مقام پر رکھا جائے تو دنیا جنت کا نمونہ بنجائے۔ اور اگر ان دونوں کے لئے کوئی عادلاً نظام نہ ہو تو دنیا جہنم بنجائے۔ جیساکہ زمانۂ جاہلیتِ اولیٰ میں اور اس دورِ جہالتِ ثانیہ میں مشاہدہ ہے۔ اسلام نے ایک طرف تو دولت کی آمد وصرف کا عادلانہ معتدل نظام مقرر فرمایا، دوسری طرف عورت کا مقام اور اس کا دائرۂ کار متعین کیا۔ اسلام کے معاشی نظام کا اگر کوئی بدل نہیں تو عورت کو اس کا صحیح درجہ دینے میں بھی وہ منفرد ہے۔ عورتوں کو نہ تو ایسے مقام پر چھوڑا ہے کہ اسیر مظالم ہوتے رہیں جیسے یہود وہنود اور نصاریٰ نیز مشرکین عرب نے اس کو انسانیت کے مقام سے ذلت کے غار میں پھینکدیا تھا۔ اور نہ اس کو اتنی چھوٹ دی ہے کہ عالم میں فساد بپا ہوجائے اور باغِ انسانیت پر خزاں آجائے۔ جیساکہ آج کے جدید دور نے اس راہ سے اسیر شدید مظالم ڈھاتے ہیں۔ تفصیلات کا مقام یہ نہیں ہے۔ یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ اس آیت میں باری تعالیٰ نے زوجین کو ان کے ذمہ عائد ہونے والے حقوق وفرائض بتائے ہیں۔ کہ مردوں کے ذمہ عورتوں کے حقوق ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ادا کرنا فرض ہے۔ اس اندازِ بیان میں واضح اشارہ ہے کہ ہر فریق اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کی بجائے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں پر نظر رکھے، اگر زوجین ایسا کرلیں تو مطالبہ حقوق کا قضیہ ہی درمیان میں نہ آئیگا۔ جب فرائض ادا ہوگئے تو حقوق خود بخود ادا ہوجائیں گے۔ کیونکہ فرائض ہی حقوق ہیں۔ حقوق کا مطالبہ کرنا ہی تو تمام جھگڑوں کی اصل بنیاد ہے۔ اگر ہر شخص اپنے ذمہ حقوق وفرائض کی ادائیگی کا اہتمام کرنے لگے اور دوسروں

کے ذمہ اپنے حقوق کے بارے میں عفو و درگذر اور نرمی کا برتاؤ کرتا رہے تو گھروں سے لیکر حکومتوں کی سطح تک تمام جھگڑوں کا خاتمہ ہوجائے۔ مگر ہر شخص اپنے حقوق مانگتا ہے دوسروں کے دینے کی فکر نہیں کرتا۔ کاش قرآن کو ماننے والے ہی اس قرآنی تعلیم پر عمل کرنے لگیں۔

مردوں کی عورتوں پر برتری اس آیت میں وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ فرمایا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاۤءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا۔

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اسوجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے اور اسوجہ سے بھی کہ مردوں نے (عورتوں) پر اپنے مال خرچ کیے ہیں۔

عورت کو اس کے حقوق سے محروم کرنا بھی ظلم ہے۔ اور اس کو اس طرح کھلے مہار چھوڑ دینا کہ وہ مردوں کی نگرانی و سیادت سے بھی آزاد ہوجائے۔ یا اس کو خود کفیل بنانا یہ بھی اس کی حق تلفی و بربادی ہے۔ مردوں کی نگرانی سے نکل کر عورت پورے معاشرے کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ جس سے دنیا میں فساد و خوں ریزی اور طرح طرح کے فتنے پیدا ہونا لازمی ہیں۔ اور یہ دورِ حاضر میں ہمہ وقت کا مشاہدہ ہے۔ اسلئے عورت کے حقوقِ واجبہ بیان کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ اور اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ فرماکر ان کی دیکھ بھال کی مکمل ذمہ داری مردوں پر ڈال دی ہے۔ اور مردوں کی بالادستی کا اعلان فرما دیا۔ تاکہ عورت کے جان و مال، عزت و آبرو محفوظ رہیں۔ اور مرد اُن کا ذمہ دار محافظ رہے۔ نیز عورت کی جسمانی ساخت، اسکے اپنے ماہانہ اور سالانہ اعذار، خانگی ذمہ داریاں اور اولاد کی پرورش و تعلیم و تربیت کے عظیم فرائض کی وجہ سے وہ چونکہ معاشی، سیاسی اور ملکی انتظامات کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اسلئے اسلام نے اس قسم کی تمام ذمہ داریاں مردوں پر ڈال کر عورتوں کو ان سب سے سبکدوش اور آزاد رکھا ہے۔ اور جو لوگ یہ دوسری ذمہ داریاں بھی عورتوں پر ڈالتے ہیں وہ اس صنفِ نازک کا کام بڑھا کر اور ڈیڑھ گنا بوجھ اسپر ڈال کر ظلم کررہے ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کو ان کاموں میں گھسیٹنے والے مرد اس کے کام میں بھی ہاتھ بٹائیں۔ یعنی کچھ بچوں کو جنم دیکر ان کی پرورش کریں تو یہ انصاف ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں کرتے کہ اس کے کام میں ہاتھ بٹائیں تو ان کو کوئی حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنے کاموں کا بوجھ بھی عورتوں پر ڈال دیں۔ اس زمانہ میں عورتوں کی آزادی کے نعرے کے پیچھے مردوں کی ناجائز اغراض ہیں۔ جن کو وہ اس بہانہ سے پورا کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں۔ آج کا مشاہدہ اس کا بہت مکمل ثبوت ہے۔

مردوں کا یہ تفوق صرف دنیوی اعتبار سے ہی انسانی فطرت، نظامِ عالم اور خود عورتوں

کی مصلحت کے پیش نظر مردوں کو عورتوں پر تفوق و حاکمیت عطاء کی گئی ہے۔ لیکن اس سے سب مردوں کا سب عورتوں سے افضل ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ فضیلت کا دار و مدار ایمان اور علم و عمل پر ہے۔ اسلئے یہ ضروری نہیں کہ آخرت میں بھی مردوں کا درجہ عورتوں سے بلند رہے۔ بلکہ آیات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض عورتیں اُخروی درجات میں اپنے علم و عمل اور طاعت و عبادت کی وجہ سے بہت سے مردوں سے بڑھ جائیں گی۔ قرآن پاک میں اُخروی فضیلت کا ایک واضح اصول اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ (النحل آیت ۹۷)

جو بھی اچھا عمل کریگا وہ مرد ہو کہ عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو پر لطف و پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دینگے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝ (نساء آیت ۱۲۴)

اور جو بھی اچھے کام کریگا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں جائیں گے۔ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آخرت میں فضیلت و فوقیت کا دار و مدار ایمان و عمل صالح پر ہے۔ عورت یا مرد کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں۔ اس کے بعد یہ سمجھیئے کہ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ایک مختصر سا جملہ ہے جس میں زوجین کے حقوق و فرائض کا ایک عظیم الشان دفتر سمودیا گیا ہے۔ اس میں عورتوں کے حقوق کا ذکر پہلے اور مردوں کے حقوق کا ذکر بعد میں ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مرد اپنی طاقت اور خداداد فوقیت کیوجہ سے عورت سے اپنے حقوق تو وصول کر ہی لیتا ہے۔ زیادہ فکر عورتوں کے حقوق کی ہونی چاہیئے۔ کہ وہ عام طور پر زبردستی اپنا حق وصول نہیں کرسکتیں۔ دوسرے اس میں اشارہ ہے کہ مردوں کو حقوق کی ادائیگی میں مسابقت اور پیش قدمی کرنی چاہیئے۔ پھر لفظ ”مثل“ سے حقوق کی مساوات اور برابری بیان کرنا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ دونوں کاموں میں ایک دوسرے کے مثل ہیں۔ کیونکہ فطری طور پر دونوں کے کام جُداجُدا اور دائرۂ عمل الگ الگ ہے۔ پھر لفظ ”بِالْمَعْرُوْفِ“ بڑھا کر پیش آنے والے آپسی جھگڑوں کا خاتمہ اور نزاعی معاملات کو حل فرمادیا گیا۔ کہ حقوق کی ادائیگی معروف طریقہ پر کیجائے یعنی جو شرعاً بھی ممنوع و ناجائز نہ ہو۔ اور عادت و عرف کے لحاظ سے بھی اس میں کمی زیادتی نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ زوجین کے معاملہ میں ضابطہ کی خانہ پُری سے ادائیگی حقوق نہیں ہوگی۔ بلکہ عرف عادت کو دیکھا جائیگا کہ اس معاملہ میں ایک سے دوسرے کو نقصان و ضرر تو نہیں پہونچتا۔ جو چیزیں عرف میں ضرر رساں ہیں وہ ممنوع ہوں گی۔ مثلاً بے رُخی، بے التفاتی اور آپسی

حرکتیں جس سے دوسرے کو اذیت ہو یہ سب "بالمعروف" کے لفظ سے ختم کردی گئیں۔ پھر اخیر میں "وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ" میں بقولِ ابنِ عباسؓ ہدایت ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مقابلہ میں بڑا درجہ دیا ہے اسلئے ان کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہیئے۔ اگر عورتیں کوتاہی کریں تو مرد اس کو برداشت کریں اور صبر سے کام لیں۔ اور ان کے حقوق کی اَدائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

پھر اس میں عورتوں کو تنبیہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت وحاکمیت سے نوازا ہے۔ اسلئے تم کو ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ پر آیت کو ختم فرمایا۔ اور اپنی دو صفات ذکر فرماکر بتادیا کہ یہ جوکچھ کیا اس ذات نے کیا ہے جو بالادست ہے۔ اور اس کو قانون مقرر کرنے کا حق ہے۔ اور اس کے تمام اوامر واحکام میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ عزیز (غالب و بالادست) ہونے کے ساتھ ساتھ حکمت والا (حکیم) بھی ہے۔

(۱۲۷) اس حدیث میں مردوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ مؤمنہ سے بُغض وناراضگی دِل میں نہ رکھیں۔ کیونکہ ایمان کی نسبت سے وہ احکم الحاکمین کی چہیتی ہے۔ اس ایمان کی صفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عفوودرگذر کا معاملہ رکھنا چاہیئے۔ اور یہ سوچیں کہ تمام خوبیاں تو کسی کے اندر جمع ہوتی ہی نہیں ہیں۔ اگر ایک خرابی ناپسند ہے تو اس میں کوئی خوبی پسندیدہ بھی ضرور ہوگی۔ خوبی کو ملحوظ رکھکر خرابی کو نظر انداز کرتے رہیں۔ حاکمیت اور فضیلت کا تقاضا اور اس کا شکریہ بھی درحقیقت یہی ہے۔

(۱۲۸) اس میں عورت کو ہدایت ہے کہ جس کو حق تعالیٰ نے اس کا حاکم ومحسن اور ذمّہ دار نگراں قرار دیا ہے روٹھ کر الگ سورہنا اس کی ناقدری، اسکے احسانات کی ناشکری اور اپنے محافظ ونگراں سے بے وفائی ہے۔ جو حق تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی رحمت سے محرومی کا سبب ہے۔ اسی لئے فرشتے ایسی عورت پر لعنت کرتے ہیں۔

(۱۲۹) اِس حدیث میں مردوں کو رحم وشفقت کی تعلیم ہے۔ اور بے رحمی وبے دردی سے روکا گیا ہے۔ اور ہدایت دی گئی ہے کہ یہ عورت رفیقۂ حیات اور برابر کے حقوق کی مالک ہے۔ اس کو غلاموں کی طرح نہ مارو۔ آخر دن گذر جانے پر تم اس سے انتہائی پیار ومحبت کا برتاؤ کروگے۔ اور جماع و ہمبستری کرکے لُطف اندوز ہوگے۔ مؤمن کو ایسی افراط وتفریط سے بچکر اعتدال پر ثابت قدم رہنا چاہیئے۔ جَلْدَ الْعَبْدِ میں عرف عام کو بیان کیا گیا ہے۔ ورنہ تو نبیٔ اُمّی کی تعلیمات میں غلاموں پر رحم کرنے اور ان کو نہ ستانے کی بھی ہدایات بہت سے اِرشادات میں موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زمعہؓ هو عبد الله بن وهب بن زمعة القرشي الاسدي عداده في اهل المدينة لم اطلع على ترجمته مفصلاً۔ والله اعلم

نسیم احمد غازی مظاہری

(۱۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَوْصُوْا
حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کے ساتھ تمکو بھلائی کی

بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلْعِ
تاکید ہے۔ کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھی اوپر کی پسلی

اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ كَسَرْتَهٗ وَاِنْ تَرَكْتَ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ
ہوتی ہے (جس سے وہ پیدا کی گئی) لہٰذا اگر تم اس کو سیدھی (اور درست) کرنے لگوگے تو اس کو توڑ ڈالوگے۔ اور اگر چھوڑ دوگے

فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا۔ (بخاری ص۷۷۹ج۲ مشکوٰۃ ص۲۸۰)
تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہیگی لہٰذا تمکو عورتوں کیساتھ بھلائی کی تاکید (کیجاتی) ہے۔

(۱۳۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُكُمْ
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو اپنے

خَیْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَیْرُكُمْ لِاَهْلِیْ فَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ
گھروالوں کے ساتھ بہتر ہو۔ اور میں تم میں سب سے بہتر ہوں اپنے گھروالوں کیلئے۔ پھر اگر تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسکو چھوڑ دو۔

(۱۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمانداروں میں سب سے

اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِیَارُكُمْ خِیَارُكُمْ
زیادہ کامل الایمان وہ شخص ہے جو ان میں عادت کے اعتبار سے بہتر ہو اور تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کیساتھ

لِنِسَآئِهِمْ۔ (ترمذی ص۱۳۸ج۱ مشکوٰۃ شریف ص۲۸۲)
بہتر (سلوک کرنیوالا) ہو۔

(۱۳۳) عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت اسودؒ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھروالوں میں کیا کرتے تھے

یَصْنَعُ فِیْ اَهْلِهٖ قَالَتْ كَانَ فِیْ مَهْنَةِ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ
فرمایا آپ اپنے گھروالوں کے کام میں لگے رہتے۔ پھر جب نماز کا وقت ہوجاتا تو نماز

قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ۔ (بخاری ص۸۹۲ج۲ مشکوٰۃ ص۵۱۸)
کے لئے تشریف لیجاتے تھے۔

(۱۳۴) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ
فرمایا کیا مجھ کو یہ بات نہیں بتائی گئی کہ تم دن بھر روزہ رکھتے ہو

النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَ

اور رات بھر کھڑے رہتے ہو انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا ہی ہے فرمایا ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھواور

اَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا

افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اور

وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ (بخاری ص۲۶۴ مشکوٰة ص۱۷۸)

تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

(۱۳۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار نگراں ہے اور تم

مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ وَالْاَمِيْرُ رَاعٍ وَّالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ

سب ہی سے اس کی نگرانی کے بارے میں بازپرس ہوگی۔ امیر بھی حاکم و نگراں ہے اور ہر شخص اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے

الْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ

اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی اور اس کی اولاد کی حاکم ہے۔ غرض تم سب میں سے ہر ایک ذمہ دار حاکم ہے

مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِهٖ۔ (بخاری ص۷۸۳ مشکوٰة ص۳۲۰)

اور تم سب ہی اس کی ذمہ داری کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۱۳۶) عَنْ عَلِيٍّؓ اَنَّ فَاطِمَةَؓ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَشْكُوْا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ آپ سے اسکی شکایت کریں

اِلَيْهِ مَا تَلْقٰى فِيْ يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى وَبَلَغَهَا اَنَّهٗ جَاءَهٗ رَقِيْقٌ

جو چکی پیسنے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں (ٹھیٹیں) پڑگئی تھیں اور حضرت فاطمہ کو یہ خبر بھی پہونچی تھی کہ آپکے پاس غلام

فَلَمْ تُصَادِفْهُ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَؓ فَلَمَّا جَاءَ اَخْبَرَتْهُ عَائِشَةُؓ

آئے ہیں۔ تو آپ سے ملاقات نہ ہوپائی اسلئے حضرت عائشہؓ سے اس بات کا ذکر کر دیا۔ پھر جب آپ تشریف لائے تو آپکو

قَالَ فَجَاءَنَا وَقَدْ اَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا فَذَهَبْنَا نَقُوْمُ فَقَالَ عَلٰى

حضرت عائشہؓ نے خبر دیدی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آپؐ ہمارے پاس (گھر) تشریف لائے اور ہم اپنے بستروں پر لیٹ چکے

مَكَانِكُمَا فَجَاءَ فَقَعَدَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهَا حَتّٰى وَجَدْتُّ بَرْدَ قَدَمِهٖ

تھے (آپکو دیکھ کر) ہم کھڑے ہونے لگے تو آپنے فرمایا اپنی جگہ لیٹے رہو پھر آپؐ تشریف لے آئے اور میرے اور فاطمہ کے درمیان

عَلٰى بَطْنِيْ فَقَالَ اَلَا اَدُلُّكُمَا عَلٰى خَيْرٍ مِّمَّا سَاَلْتُمَا اِذَا اَخَذْتُمَا

بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپکے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس کی پھر آپنے فرمایا کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں

مَضْجَعَكُمَا فَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَّثَلٰثِيْنَ

جس کا تم نے سوال کیا۔ جب تم اپنے بستروں پر لیٹو تو تینتیس ۳۳ بار سبحان اللہ اور تینتیس ۳۳ بار الحمد للہ

وَكَبِّرَا أَرْبَعًا وَثَلٰثِيْنَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ۔

اور چونتیس بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔ (بخاری ج۲ مشکوٰۃ ص۲۰۹)

لغات اِسْتَوْصُوْا اِستیصاء بفلان وصیت کو قبول کرنا۔ وَصٰی وَصْیًا (ض) عالی مرتبہ ہونے کے بعد خسیس ہونا، ملنا، متصل ہونا۔ وَصِیَّۃٌ اِیْصَاء کا اسم ہے جس چیز کی وصیت کیجائے، حکم، تاکیدی حکم۔ ج وَصَایَا۔ ضِلَعٌ پسلی (مؤنث) ج اَضْلَعٌ، ضُلُوْعٌ، اَضْلَاعٌ (س) پیدائشی ٹیڑھا ہونا (ک) قوی و مضبوط ہونا۔ (ف) پسلی پر مارنا، ٹیڑھا ہونا۔ اَعْوَجُ بہت ٹیڑھا۔ عَاجَ عَوْجًا مَعَاجًا (ن) اقامت کرنا، اقامت کرانا، ٹھہرنا، مائل ہونا۔ (س) بدخلق ہونا، ٹیڑھا ہونا۔ کَسَرَتْهُ (ض) توڑنا، سمیٹنا، زیر دینا، (س) کاہل ہونا۔ مِهْنَةٌ خدمت (ف ن) خدمت کرنا، اپنا پیشہ کرنا، مارنا، سختی کرنا۔ جماع کرنا۔ رَاعٍ حاکم، بہت لعنت کرنے والا، چرواہا۔ ج رُعَاةٌ، رُعْيَانٌ، رِعَاءٌ، مؤنث رَاعِيَةٌ ج رَوَاعٍ (ف) چرنا، چرانا، حفاظت کرنا، انتظام کرنا۔ رَعِيَّۃٌ چرنے والے جانور، حاکم کے ماتحت، عام لوگ۔ ج رَعَایَا۔ تَشْكُوْا (ن) شکایت کرنا، دردمند بنانا۔ تَلْقٰی (س) پانا، ملاقات کرنا۔ الرَّحٰی (مؤنث) چکی، تثنیہ رَحَوَانِ، رَحَیَانِ ج اَرْحَاء، اَرْحِیَۃٌ، رُحِيٌّ، اُرْحِيٌّ۔ رَحٰی رَحْوًا، رَحْیًا، (ن) کنڈل مارنا، چکی چلانا۔ رَقِیْقٌ غلام (واحد و جمع دونوں کے لئے ہے) اور کبھی اس کی جمع اَرِقَّاءُ آتی ہے۔ اور باندی کے لئے رَقِیْقٌ اور رَقِیْقَۃٌ دونوں کا استعمال ہے۔ ایضاً رَقِیْقٌ پتلا، نرم (ض) پتلا ہونا، رحم کرنا، شرم کرنا، بدحال ہونا نیز غلام بننا، غلام بنانا، لَمْ تُصَادِفْهُ مفاعلۃ سے پانا، ایک دوسرے سے ملاقات کرنا۔ (ض) اعراض کرنا، ہٹانا، پھیر دینا۔ (ن ض) پھر جانا (س) گھوڑے کی رانوں کا قریب اور کھروں کا دور ہونا۔ مَضَاجِعٌ مَضْجَعٌ کی جمع خوابگاہ۔ (ف) پہلو پر لیٹنا، لٹانا۔ خَادِمٌ (ض) خدمت کرنا۔

ترکیب (۱۳۰) اِسْتَوْصُوْا صیغہ امر حاضر فعل با فاعل بِالنِّسَاءِ متعلق خَيْرًا مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ۔ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر اَعْوَجَ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے ملکر اِنَّ کا اسم اَعْلَاهُ خبر۔ ذَهَبْتَ فعل با فاعل۔ تُقِيْمُهُ فعل با فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ضمیر ذَهَبْتَ سے حال۔ كَسَرْتَهُ جملہ فعلیہ جزا۔ اگلا جملہ شرط و جزا۔ اور آخری مثلِ اول۔

(۱۳۱) خَيْرُكُمْ مبتدا۔ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ مبتدائے اول کی خبر۔ اگلا جملہ شرط و جزا۔

(۱۳۲) اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا ممیز تمیز مبتدا۔ اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا ممیز تمیز خبر۔

(۱۳۳) ترکیب ظاہر ہے۔ (۱۳۴) اَلَمْ اُخْبَرْ فعل مجہول اَنَّ اپنے اسم كَ اور خبر (اگلے معطوفین) سے

فکر۔ بتاؤ اول مفرد نائب فاعل۔ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ اگلے جملوں کی تراکیب ظاہر ہیں۔
(۱۳۵) تَمْلِكُهُ مبتدا تَاجٌ خبر معطوف علیہ۔ وَكُلُّكُمْ مبتدا مَسْئُوْلٌ اپنے متعلق سے ملکر خبر۔ جملہ معطوف۔ اگلے پانچوں جملے مبتدا و خبر۔

(۱۳۶) تَشْكُوْ الاجلہ اَنْتَ کی ضمیر سے حال وَبَلَغَهَا الخ یہ جملہ بھی حال ہے۔ عَلٰی مَكَانِكُمَا ای اِلْزَمَا مَكَانَكُمَا وَاثْبُتَا عَلٰی مَكَانِكُمَا جملہ فعلیہ انشائیہ۔ باقی ترکیبیں ظاہر ہیں۔

تشریح

(۱۳۰) اس سے معلوم ہوا کہ اصل کا اَثر نسل پر پڑتا ہے۔ اور جس مادہ سے جو چیز بنتی ہے اس مادّہ کا بھی اس میں لازمی طور پر اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک مٹھی مٹی سے پیدا فرمایا جو پوری روئے زمین سے لی تھی۔ پھر آدم کی اولاد زمین (کے رنگ و طبیعت کے) موافق پیدا ہوئی۔ چنانچہ ان میں سے بعض سُرخ ہیں، بعض گورے بعض کالے، اور بعض (رنگ کے اعتبار سے) ان کے درمیان ہیں۔ اور بعض نرم طبیعت تو بعض سخت مزاج، بعض گندی خصلتوں والے ہیں تو بعض پاکیزہ طبیعت ہیں۔ (مشکوٰۃ صـ۲۱)
لہٰذا عورت کی اصل بھی پسلی ہے۔ کیونکہ وہ آدم علیہ السّلام کی اوپر والی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ جو سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے تو لازمی طور پر عورت کی طبیعت اور اُس کے مزاج میں بھی کجی ہوتی ہے اور فطرت بدل نہیں سکتی، اگر تم اس کو بالکل سیدھا اور درست کرنا چاہوگے تو نہ ہو سکے گی بلکہ ٹوٹ جائیگی۔ اور ٹوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹ جائے گی یعنی طلاق کی نوبت آجائیگی چنانچہ حضرتِ ابوہریرہؓ کی دوسری روایت میں ہے وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا (یعنی اسکے ٹوٹنے کا مطلب طلاق ہے) اور اگر اس کی اِصلاح نہ کی گئی تو وہ ٹیڑھی ہی رہیگی۔ لہٰذا حکمت عملی سے اِسی طرح اس سے فائدہ اُٹھاتے رہو۔ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ وَبِهَا عِوَجٌ کجی کے باوجود اس سے فائدہ اُٹھاتے رہو اور کج مزاجی پر صبر کرتے رہو۔ اس حدیث میں تعلیم ہے کہ عورت کے مزاج اور اسکی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے نرمی و درگذر کا معاملہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر اس سے نبھاؤ نہیں ہو سکتا۔
یہاں بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ جب عورت ایک پسلی سے بن گئی ہے تو وہ پسلی معدوم ہوجانی چاہیئے تھی۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس چیز سے کوئی چیز بنے وہ ناپید ہوجائے مثلاً آدم علیہ السّلام مٹی سے پیدا ہوئے تو مٹی معدوم نہیں ہوگئی۔ جس طرح مٹی کے بعض اجزا سے آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا گیا اسی طرح پسلی کے بعض اجزا سے حضرتِ حوا کو پیدا کردیا گیا ہوگا۔ یا جس طرح ماں سے بچہ کی پیدائش ہوتی ہے، اور ماں بچہ پیدا ہونے کی وجہ سے معدوم نہیں ہوجاتی اسی طرح حضرتِ حوا۔ کا ظہور بھی حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے ہوگیا۔

(۱۳۱) سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ سب سے بہتر برتاؤ کرے۔ اور میں اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر برتاؤ کرتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الناس ہیں۔ بلندیٔ اخلاق کا معیار یہی ہے کہ جن کے ساتھ آدمی کی زندگی گذرتی ہے اُن سے اعلیٰ اخلاق برتے۔ جن لوگوں سے وقتی سابقہ پڑتا ہے ان سے اچھے اخلاق کا مظاہرہ بھی عارضی ہوتا ہے۔ اور انسان میں سب سے بڑی خوبی حُسنِ اخلاق ہی ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اخلاق والا مرتبہ میں عابدوں سے بھی بڑھ جاتا ہے پھر حُسنِ اخلاق سے حسنِ معاشرت پیدا ہوتا ہے، جو دنیا میں امن وچین کا ضامن اور فلاحِ اُخروی کا ذریعہ ہے۔ اس کے بعد حُسنِ اخلاق کا ایک اور سبق دیا گیا کہ جب تمہارے ساتھ رہنے والا عزیز، قریب، میاں یا بیوی یا اور کوئی مرجائے تو اس کو چھوڑ دو۔ چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے تم کو جو اذیت و تکلیف پہونچ چکی ہے۔ یا اس کی بُرائیاں تمہارے علم میں ہیں ان سب کو نظر انداز کردو۔ اب ان کے تذکرہ سے کوئی فائدہ نہیں۔ گویا جس طرح اپنے ساتھی اور ہمنشین، اہل وعیال اور اعزہ کے ساتھ زندگی میں حُسنِ سلوک کا حکم ہے مرنے کے بعد بھی ان کے ساتھ حُسنِ سُلوک کی ہدایت کی گئی ہے۔ اسی طرح اب ان کو یاد کر کر کے رنجیدہ نہ رہو، اپنی فکر کرو کہ تمہیں بھی مرنا ہے۔ آگے کی منزل کا انتظام کرو۔ جانے والے کو زیادہ یاد کرنے سے بے صبری پیدا ہوگی، جو اللہ کو ناپسند ہے۔ اپنی صحت خراب ہوگی جس سے دین ودنیا کا نقصان ہے۔ اپنے دنیوی اور دینی کاموں میں خلل پڑے گا۔

(۱۳۲) اس میں بھی حدیثِ سابق کی طرح حُسنِ اخلاق اور اپنی بیویوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کی تعلیم وتاکید ہے۔ اور اس بات پر تنبیہ ہے کہ آدمی کے اخلاق جتنے اعلیٰ درجہ کے ہوں گے اسی مقدار سے اس کا ایمان بھی اعلیٰ ہوگا۔ چنانچہ جس کا ایمان کامل ترین ہوگا اس کے اخلاق بھی بہترین ہوں گے۔ کیونکہ جس کے دل میں جس قدر اللہ کی عظمت ومحبت اور اس کی معرفت وخشیت ہوگی اسی قدر وہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ خصوصًا اپنے متعلقین کے ساتھ شفقت ورحمت کا معاملہ کرے گا۔ اور جس کو خوفِ خدا اور معرفتِ حق حاصل نہ ہو تو وہ غلامِ نفس ومحکومِ شیطان ہوگا۔ اور نفس وشیطان ہرگز اس کو اس اچھی راہ پر گامزن نہ ہونے دیں گے۔

(۱۳۳) اس حدیث میں نمونہ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ پیش کیا گیا۔ جو آپ کا اپنے گھر والوں کے ساتھ تھا۔ حضرتِ عائشہؓ اپنے شاگرد کے پوچھنے پر فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔ یعنی ازواجِ مطہرات کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے تھے۔ گھر کا کام کاج کرلیا کرتے تھے۔ اور ان کے راحت وآرام کی کوشش فرماتے تھے۔ لیکن جب نماز کا وقت ہوجاتا تو سب کو چھوڑ چھاڑ کر اللہ کے فریضۂ نماز کی طرف متوجہ ہوجاتے تھے۔ کیونکہ اللہ کا حق مخلوق کے حق سے مقدم اور اعلیٰ وبالا ہے فی الشمائل یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ۔

(١٣٤) حضرات صحابۂ کرامؓ کو اپنی آخرت کو بنانے کی اسی طرح شدید حرص تھی جس طرح آج کل ہم لوگوں کو اپنی دنیا بنانے کی فکر ہے۔ اور جب کسی کام سے لگن اور حد درجہ دلچسپی ہوتی ہے۔ تو بعض مرتبہ حدود وقیود کا دھیان نہیں رہتا جس طرح دنیا داروں کو دنیا کے حاصل کرنے میں حرام وحلال کی قیود کا بھی خیال نہیں رہتا۔ یہ انسانی کمزوری ہے جس سے حضرات انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی مُبرا نہیں۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ نے اسی شدت حرص کی وجہ سے سخت مجاہدے شروع فرمادیئے۔ روزانہ دن میں روزہ رکھتے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے۔ اور اس انہماک و استغراق میں اس طرف نظر نہ پہونچی کہ میں راہ اعتدال کو چھوڑ رہا ہوں۔ اور حق کی طرف متوجہ ہوکر خلق کے حقوق کو پامال کر رہا ہوں۔ جذبات کے دھارے میں ایسے بہہ گئے کہ بے قابو ہوگئے۔ ایسے وقت کسی دستگیر مصلح کی ضرورت پیش آتی ہے، جو غرق ہونے سے بچالے۔ ان سعادتمندوں کو حق تعالیٰ نے مصلح نہیں مصلح اعظم عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے مجاہدوں کی اطلاع دیگئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر دی گئی ہے کیا یہ درست ہے؟ مخلص صحابی نے اقرار واعتراف کیا آپ نے فرمایا کہ یہ اعتدال کا راستہ نہیں۔ صراط مستقیم مطلوب ہے جس کو تم نے چھوڑ دیا۔ یاد رکھو کہ سب حقوق اللہ ہی کے تمہارے ذمہ نہیں ہیں مخلوق کے حقوق بھی ہیں۔ ایسا ہرگز نہ کرو کہ مخلوق کے حقوق ضائع ہوتے رہیں۔ کبھی روزہ رکھو اور اللہ کو راضی کرو۔ اور کبھی افطار کر کے اپنے نفس پر رحم کرو۔ رات کے کچھ حصہ میں عبادت وشب بیداری کر کے مولا کو راضی کرو۔ اور کچھ حصہ میں آرام کرو، سو جاؤ کہ یہ تمہارے نفس اور تمہاری بیوی کا حق ہے۔ یاد رکھو کہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، اور تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے۔ اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ مؤمن کو سب ہی کے حقوق ادا کرتے ہوئے زندگی گذارنی چاہیئے۔

(١٣٥) اس حدیث میں ہر شخص کو اُس کی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو اللہ تعالےٰ نے حاکم، نگہبان اور ذمہ دار بنایا ہے۔ اور جس کو جتنی ذمہ داری دی گئی ہے اسی کیمطابق اس سے بازپرس ہوگی۔ جو ملک کا حاکم یا کسی جماعت وقوم کا امیر ہے اس سے پورے ملک کی رعیت اور پوری جماعت وقوم کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور ہر مرد سے اس کے اہل وعیال کے بارے میں پوچھا جائیگا۔ اسی طرح عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں اور اس کی اولاد کی ذمہ دار حاکم ہے۔ اس کے مال ومتاع اور اولاد کے بارے میں عورت سے بازپرس ہوگی غرض سب ہی ذمہ دار ہیں اور سب ہی سے بازپرس ہوگی کہ ہر ایک نے اپنی ذمہ داری کو پورا کیا یا نہیں اپنے ماتحتوں کی خیرخواہی اور دنیوی واُخروی راحت وآرام کا بندوبست کیا یا نہیں ان کے ساتھ حکم خداوندی کے مطابق معاملہ کیا یا نہیں۔ بہرحال ہر ایک کا قدرتی طور پر ایک دائرۂ عمل اور ذمہ داری ونگہبانی کا میدان مقرر ومتعین ہے۔ جس میں ہر ایک کو احکام خداوندی

کو جاری و نافذ کرنا ہے۔ اس جد وجہد اور کوشش کا حق ادا کرنے پر انعام وجنت اور ابدی راحت حاصل ہوگی۔ ورنہ حق تعالیٰ کی طرف سے سزائے عذاب اور ذلت ومصیبت کا فیصلہ ہے۔

(۱۳۶) تاجدارِ دو عالم کی لخت جگر، خواتین جنت کی سردار، شیرِ خدا کی بیوی اور شہیدوں کی ماں حضرت فاطمہؓ اپنے گھر کا کام کاج سب خود ہی کرتی ہیں۔ گھر والوں کے لئے آٹا اپنے ہاتھوں سے پیستی ہیں۔ چکی چلانے سے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے۔ حضرت علیؓ نے اشارہ کیا تمہارے ابّا جان کے پاس کچھ غلام آئے ہیں، وہ سب لوگوں کو تقسیم کر رہے ہیں، ایک خادم لے آؤ، کام کاج میں سہولت ہو جائیگی۔ سرکارؐ کو نہ پاکر عائشہ صدیقہؓ سے آنے کی غرض بیان کر دی اور واپس آگئیں معلوم ہونے پر سرکار خود ہی اپنی لخت جگر کے گھر پہونچے۔ شفقت ومحبت کا یہ عالم کہ علیؓ وفاطمہؓ کو کھڑے ہونے سے بھی منع فرما دیا۔ بے تکلف دونوں کے درمیان تشریف فرما ہو گئے۔ پیغمبرؐ کی بیٹی سارے انسانوں کی بیٹیوں کے لئے پیشوا ہیں۔ حضورؐ نے سارے عالم پر احسان فرمایا۔ سب کی بیٹیوں کی اصلاح فرما دی۔ بھلے سے فاطمہؓ مشقت اٹھائیں۔ دنیوی راحت سے توجہ ہٹا دی۔ اور ایک ایسا عمل دیدیا جس میں اللہ کی یاد ہے۔ آخرت کا دھیان ہے، ابدی راحت ہے۔ اور روحانی بشاشت وقلبی چین ہے۔ لیجئے غلام وخادم تو اپنے دوسرے غلاموں کو دیدیئے اور بیٹی کو یہ تحفہ اور بیش بہا عطیہ دیدیا۔ سبحان اللہ۔ آج کا بڑے سے بڑا انسان تو بھلا اپنے گھر سے کرتا ہے، پھر دوسروں کو دیتا ہے۔ لیکن تاجدارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ کتنا عظیم ایثار ہے۔ اللہ اکبر۔ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

ان کلمات کی نقد تاثیر یہ بھی ہے کہ انسان اگر ان کو پڑھ کر سو رہے تو بدن کی تکان دور ہو کر طاقتِ رفتہ واپس ہو جاتی ہے اور آئندہ کام کاج کے لئے انسان تازہ دم ہو جاتا ہے۔ بھوک پیاس میں بھی ان تینوں کلموں کی عجیب تاثیر کا تجربہ ہوا ہے۔

حضرتِ اسودؒ | قال الخطیب التبریزی هو الاسود بن هلال المحاربی رُوِیَ عن عمرؓ بن معاذ وابن مسعودؓ عنه جماعة مات سنة اربع وثمانین

تراجم الاحبار میں ہے کہ ان کی کنیت ابو سلام ہے۔ فقیہ کوفی کہلاتے تھے، معاذ بن جبلؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، مغیرۃ بن شعبہؓ، ابوہریرہؓ، ثعلبہ بن زہدمؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابراہیم نخعیؒ، ابو اسحٰق سبیعیؒ وغیرہ بہت سے حضراتِ تابعین روایت کرتے ہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں ان کو بہتر ہی سمجھتا ہوں۔ ابن معینؒ وامام نسائیؒ نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

ابن حبانؒ وعجلیؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ زمانۂ حجاج میں انکی وفات ہوئی، اور عمرو بن علی نے سنہ ۸۴ھ میں ان کی وفات بتائی ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

حضرتِ ابوسلمہ بن عبد الرحمن رحمہ اللہ

یہ حضرتِ عبد الرحمن بن عوف الزہری المدنی کے صاحبزادہ ہیں جلیل القدر تابعی، کثیر الروایۃ اور ثقہ ہیں۔ ان کا نام عبد اللہ یا اسمٰعیل ہے۔ یا ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ بیشمار صحابہؓ و تابعینؒ سے احادیث حاصل کیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ ان کا مدنیین کے طبقۂ ثانیہ میں شمار ہے۔ اور وہ ثقہ، فقیہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوزرعہؒ نے کہا کہ وہ ثقہ اور امام تھے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقات اور سادات قریش میں سے ایک تھے۔ وفات ۹۴ھ یا ۱۰۴ھ میں بہتر سال کی عمر میں ہوئی۔ ولہٗ عند الطحاوی احادیث کثیرۃ یتعسّر احصائُها۔ (تراجم الاحبار ص۲۴۶ ج۴)

مِنْ اَعْظَمِ اَبْوَابِ الْبِرِّ اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ

بِر کے عظیم الشان بابوں میں سے اللہ کے لئے محبت اور اللہ کے لئے بغض رکھنا بھی ہے۔

(۱۳۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص۴۲۵)

حضرتِ ابوہریرہؓ سے نقل ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے کہاں ہیں میری عظمت کیوجہ سے آپس میں محبت رکھنے والے آج میں ان کو اپنے (عرش کے) سایہ میں جگہ دوں گا جس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں۔

(۱۳۸) عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد مشکوٰۃ ص۴۲۶)

حضرتِ ابوامامہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں محبت کی کسی بندہ نے کسی بندہ سے محض اللہ کیلئے مگر اس نے اپنے رب عزوجل کا اکرام کیا۔

(۱۳۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ ذَرٍّ يَا اَبَا ذَرٍّ اَيُّ عُرَى الْاِيْمَانِ اَوْثَقُ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ الْمُوَالَاةُ فِي اللّٰهِ وَالْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۶)

حضرتِ ابن عباسؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذرؓ سے فرمایا: اے ابوذر! ایمان کے حلقوں میں کونسا حلقہ زیادہ مضبوط ہے؟ عرض کیا اللہ اور اسکے رسول کو خوب معلوم ہے فرمایا اللہ کے لئے آپس میں دوستی رکھنا اور اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ کے لئے بغض رکھنا۔

(۱۴۰) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ رضی اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔

مومن کے سوا کسی کے ہمنشین نہ ہو۔ اور تمہارا کھانا متقی ہی کھائے۔

(ترمذی ابواب الزھد ص۶۲ ج۲ وابوداؤد کتاب الادب ص۳۱۶ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۶)

(۱۴۱) عَنْ اَنَسٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْءُ

حضرت انسؓ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی

مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَلَہٗ مَا اکْتَسَبَ۔ (ترمذی ص۶۱ ج۲ ابوداؤد ص۳۵۱ ج۲)

اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی اور آدمی کا وہی ہے جو اس نے کمایا۔

(۱۴۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ۔ (ترمذی ص۶۲ ج۲ ابوداؤد ص۳۱۶ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۶)

آدمی اپنے دوست کے طریقہ پر چلتا ہے تو تم میں سے ہر ایک کو یہ سوچ لینا چاہیئے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔

(۱۴۳) عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِیْکَرِبَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت مقدام بن معدیکربؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

وَسَلَّمَ اِذَا اَحَبَّ الرَّجُلُ اَخَاہُ فَلْیُعْلِمْہُ اِیَّاہُ۔ (ترمذی ص۶۲ ج۲ ابوداؤد ص۳۵۱ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۶)

جب کوئی شخص اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہو تو اس محبت کی اس کو خبر کردے۔

(۱۴۴) عَنْ یَزِیْدَ بْنِ نَعَامَۃَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت یزید بن نعامہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اِذَا لَقِیَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْیَسْاَلْہُ عَنِ اسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ وَمِمَّنْ

جب ایک شخص دوسرے سے ملے تو اس سے اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اور اس کے قبیلہ کا نام پوچھنا

ھُوَ فَاِنَّہٗ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّۃِ۔ (ترمذی ص۶۲ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۷)

چاہیئے۔ کیونکہ یہ چیز محبت کو زیادہ جوڑنے والی ہے۔

لغات

عُرًی جمع عُرْوَۃٌ کی قابل اعتماد چیز، نفیس مال، ٹونٹی، حلقہ وغیرہ۔ عَرَا عَرْوًا (ن ض) پیش آنا۔ (س) ننگا ہونا۔ اَوْثَقُ زیادہ مضبوط۔ (ض ح) اعتماد کرنا، بھروسہ کرنا۔ (ك) مضبوط واستوار ہونا۔ اَلْمُوَالَاۃُ مصدر مفاعلۃ، دوستی کرنا، مدد کرنا، لگاتار کرنا۔

وَلِیٌ وِلَایَۃٌ (ض) والی ہونا، متصرف ہونا، مدد کرنا، محبت کرنا۔ خَلِیْل خالص دوست ج اَخِلَّاءُ، خُلَّۃٌ (ن س) دُبلا ہونا، سوراخ کرنا۔ مفاعلۃ سے مُخَالَّۃٌ دوستی کرنا، بھائی بندی کرنا۔

ترکیب مِنْ اَعْظَمِ اَبْوَابِ الْبِرِّ کائن کے متعلق خبر مقدم اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ جملہ اسمیہ اپنے معطوف اَلْبُغْضُ فِی اللّٰہِ سے مل کر مبتدا مؤخر۔

(۱۳۷) اِنَّ کا اسم اللّٰہ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔ یَقُوْلُ کا ظرف اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ جملہ مفعول بہ۔ جملہ خبر اِنَّ۔ اُظِلُّھُمْ فعل با فاعل مفعول بہ، ظرف مقدم اَلْیَوْمَ۔ یَوْمَ لَاظِلَّ الخ بدل یا بتقدیر اَعْنِیْ مفعول بہ وھو الاظہر۔

(۱۳۸) مَا اَحَبَّ فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ مُستثنیٰ منہ اِلَّا اَکْرَمَ رَبَّہٗ جملہ فعلیہ مستثنیٰ۔ عَزَّ فعل فاعل جملہ فعلیہ وَجَلَّ کذٰلک۔

(۱۳۹) اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ مبتدا اَوْثَقُ خبر اَلْمُوَالَاۃُ فِی اللّٰہِ مبتدا و خبر۔ اسی طرح اگلے دونوں جملے۔ معطوفات مقولہ۔ بقیہ احادیث کی ترکیب ظاہر ہے۔

تشریح ارکانِ اسلام و فرائض کی اہمیت اپنی جگہ پر مسلّم ہے، لیکن وہ اعمال جن کا تعلق مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے ہے اتنے اہم ہوتے ہیں کہ بہت سے انفرادی فرائض کی ادائیگی اُن پر موقوف ہوتی ہے، اسلئے اُن کا مقام و مرتبہ وہ ہوتا ہے جو قالب و جسم کے لئے قلب و روح کا۔ ان اعمال میں بنیادی چیز محبت و عداوت کا عمل ہے۔ احادیث میں اسلام کے اس شعبہ کو کمالِ ایمانی کی علامت اور اس کا موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں جانا اسوقت تک ممکن نہیں جبتک باہمی محبت پیدا نہو جائے۔ اور محبت سے مراد وہی پُرخلوص محبت ہے جو اغراض و خواہشات سے پاک ہو۔ مسلمانوں کا تنہا یہ عمل ان کے تمام ارکانِ دین کی ادائیگی کے لئے جسقدر معاون ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ نماز سے لیکر جہاد تک، معاملات سے لیکر مسائلِ امامت و سیاست تک کونسا شعبہ ایسا ہے جس میں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی ضرورت نہیں۔ اسلام کی عظیم الشان عبادت جہاد میں تو اِن دونوں کا مجموعہ بہت ہی نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ یہی وہ عُروۃ الوثقیٰ ہے جو بہت سے اجتماعی امراض کا علاج اور ان سے تحفظ کا واحد سبب بھی ہے۔ حدیثوں میں مختصر مختصر عمل ایسے بتائے گئے ہیں کہ وہ اُمّت مسلمہ کو اس کی اجتماعی و انفرادی زندگی کی پیچیدگیوں سے محفوظ رکھ سکیں۔ اور جب پیچیدگیاں پیدا نہوں گی تو نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ربّ العالمین کی عبادت کرنے کی فرصت میسر آجائیگی۔ لیکن ان اعمال کو ترک کردیا جائے تو ایسی الجھنیں رونما ہوجائیں گی کہ

ان کو سلجھانے میں لگ کر عبادتِ خداوندی کا موقع فراہم ہونا دشوار ہو جائیگا۔ بہرحال محبت و بغض اعمالِ قلب میں سے ہیں۔ اور قلب کے گرد جسم کی پوری کائنات گردش کرتی ہے۔ اسلئے تمام اعمال کی بنیاد اور موقوف علیہ یہی دونوں چیزیں ہیں۔

(۱۳۷) قیامت کے دن باری تعالیٰ ان لوگوں کو پکاریں گے جو آپس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے مخلصانہ محبت رکھتے تھے۔ اور فرمائیں گے آج جبکہ کوئی سایہ نہیں۔ میں آپس میں پُرخلوص محبت رکھنے والوں کو اپنے سایہ میں راحت و آرام کا ٹھکانہ عطا کرونگا۔ اظلّھم فی ظلّی کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ میری حمایت و حفاظت میں رہیں گے۔ یا سایہ سے مراد راحت و آرام ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ میرے عرش کے سایہ میں رہیں گے۔ ملا علی قاریؒ نے اس تیسری توجیہ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ زیادہ ظاہر ہے۔ اور اس کی تائید میں انہوں نے امام طبرانیؒ کی روایت ذکر کی ہے جس میں ہے کہ المتحابّون فی اللہ علی کراسی من یاقوت تحت العرش۔ امام نوویؒ نے قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اللہ کے سایہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کو میدانِ حشر کی گرمی اور تپش سے محفوظ رکھیں گے۔ عیسیٰ بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ اللہ کی حفاظت میں رہیں گے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کنایہ ہو راحت و عیش سے۔ کہا جاتا ہے ھو فی عیشٍ ظلیلٍ (وہ عمدہ عیش میں ہے) اور یہ توجیہات اسلئے کی گئی ہیں کہ ظل کی اسناد حقیقۃً اللہ کی طرف نہیں کی جا سکتی۔

(۱۳۸) اس حدیث میں عبد سے مراد دونوں جگہ بندۂ مؤمن ہے۔ کیونکہ کفار سے محبت اور دوستی جائز نہیں۔ بندۂ مؤمن جو کسی بندۂ مؤمن سے پُرخلوص محبت کرتا ہے تو وہ درحقیقت اللہ جل شانہ کی تعظیم و اکرام کرتا ہے۔ کیونکہ کسی کے غلام سے محبت آقا سے محبت کی دلیل ہے۔ جب کسی کی محبت و عظمت دل میں ہوتی ہے تو اس کے چھوٹوں، غلاموں، خادموں اور متعلقین سے بھی محبت کیجاتی ہے۔ اسلئے بندۂ مؤمن سے محبت اس بات کی نشانی ہے کہ اس کے دل میں اللہ کی عظمت و محبت ہے۔ بندۂ مؤمن سے محبّت اس کا اکرام ہے۔ اور مؤمن کا اکرام اللہ ہی کے اکرام میں داخل ہے۔ بندہ براہِ راست حق تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو فطری طور پر پس و پیش نہیں کرتا۔ شیطان کو بھی خدائے تعالیٰ کو سجدہ کرنے میں کوئی اِنحراف و تردد نہ تھا۔ ہاں بندہ کو اگر کچھ تأمل ہوتا ہے تو اپنے ہمجنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اسلئے اس اُسلوب بیان میں بندہ کے اپنے ہم جنس کے اکرام پر اس طرح اُبھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی وہ اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرے۔ کیونکہ مؤمن کا اکرام اس کے اللہ سے تعلق کی وجہ سے ہے۔ جیساکہ ایک حدیث میں ہے کہ کسی بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظِ قرآن کی جو اس میں افراط و تفریط سے کام نہ لے۔ اور اسی طرح منصف بادشاہ کی تعظیم کرنا درحقیقت اللہ ہی کی تعظیم میں داخل ہے۔ (ابوداؤد و بیہقی مشکوٰۃ ص۴۲۳)

کیونکہ حافظ کے اکرام میں کلام الٰہی کا اکرام ہے۔ منصف بادشاہ کا اکرام اللہ کے خلیفۂ عدل کا اکرام ہے۔
رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں رضائے خداوندی کے علاوہ اور کسی نیت کی گنجائش ہی نہیں۔ اس میں یہ بھی
حکمت ہے کہ جس قوم کے عادل بادشاہ، حاملینِ دین اور اس کے تمام افراد خصوصًا کمزور قسم کے لوگ
باعزت زندگی گزاریں گے وہ قوم دنیا میں کبھی ذلّت کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ ذلت کی ابتدا انہی
گوشوں سے ہوتی ہے۔ پھر ایک بندۂ مؤمن کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کچھ نہیں رہتا۔
اسلئے وہ جو عمل بھی کرتا ہے اسی کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے۔ اسی کا نام مرتبۂ احسان ہے۔
(ترجمان السنۃ ص ۲۶۹ ج ۲)

(۱۳۹) اَیُّ عُرَی الْاِیْمَانِ اَوْثَقُ۔ یعنی ایمان میں سب سے زیادہ مضبوط عمل کونسا ہے؟ آپنے جو سوال فرمایا
اس میں حکمت یہ ہے کہ مخاطب متوجہ ہو کر جواب کا منتظر ہو جائے۔ اور جب جواب ملے تو اس کو خوب
ذہن نشین ہو جائے۔ جس طرح اہلِ ایمان سے محبت اور ان کی معاونت ضروری ہے، اسی طرح اللہ
کے نافرمانوں سے دشمنی بھی فرض ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ
فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ (شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن ہی سمجھو) لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ
اَوْلِیَآءَ (تم میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ) اور بھی متعدد آیات میں بے ایمانوں سے دوستی
کو منع فرمایا گیا ہے۔ اور کسی مسلمان کی بے ایمان سے دلی دوستی ہو بھی نہیں سکتی۔ باری تعالیٰ نے فرمایا

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ
یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا
اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ
الْاٰیَۃ۔ (سورۂ مجادلہ آیت ۲۲)

آپ ایسے لوگوں کو جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان
رکھتے ہیں نہ پائیں گے کہ وہ ایسوں سے دوستی رکھیں
جو اللہ اور اسکے رسول سے مخالفت رکھتے ہوں خواہ
وہ انکے باپ دادا ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی
ہوں یا ان کے خاندان کے لوگ ہوں۔

صحابۂ کرامؓ کا سب ہی کا یہ حال تھا۔ مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں صحابہؓ کے بہت سے واقعات
لکھے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اللہ و رسول کے کسی مخالف سے محبت نہیں کی۔ اور اپنے باپ
بیٹوں اور بھائیوں تک کو قتل کر دیا۔

مسئلہ:۔ بہت سے حضرات فقہاء نے یہی حکم فسّاق و فجار اور دین سے عملًا منحرف مسلمانوں کا قرار
دیا ہے۔ کام کاج کی ضروریات میں اشتراک و مصاحبت بقدرِ ضرورت اور چیز ہے، لیکن فسّاق و
فجار سے دوستی وہی کریگا جس کے اندر خود فسق و فجور کے جراثیم موجود ہوں گے۔ اسی لئے نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم دعاء فرماتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَیَّ یَدًا (یا اللہ مجھ پر کسی فاجر
کا احسان نہ آنے دیجئے) تاکہ فاجر سے محبت نہ ہو کیونکہ شریف آدمی اپنے محسن کی محبت پر

طبعاً مجبور ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ص۲۵۳ ج۸)

(۱۴۰) مؤمن کے سوا کسی کے مصاحب و ہمنشیں نہ بنو۔ کیونکہ مصاحبت دلیلِ محبّت ہے۔ اور صحبت کا اثر غیر شعوری طور پر انسان قبول کرتا ہے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند ۔ صحبتِ طالح ترا طالح کند

اور کھانا بھی متقی آدمی ہی کو کھلاؤ۔ کھلانا پلانا بھی عموماً تعلق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ نیز کھانا کھلانا ایک مدد ہے۔ فاجر کے فجور پر اور متقی کے تقویٰ پر۔ مؤمن کی شان کے خلاف ہے کہ نافرمانی کا ذریعہ اور نافرمانوں کا معین بنے۔ پھر نافرمانوں کو کھلا کر کھانا برباد کرنا ہے۔ اور متقی کو کھلا کر اللہ کی نظرِ رحمت کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہے۔ کیونکہ متقی اللہ کا محبوب ہوتا ہے، اسپر احسان کرنا اللہ کی رحمت اور اس کے کرم واحسان کا ذریعہ ہوگا۔ نیز متقی کی دعائیں دین ودنیا کی برکات کا باعث ہوں گی، اس کے علاوہ اہلِ تقویٰ کی محبت سے وہ مالا مال ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے محسنوں سے محبّت کرتے ہیں جو ذریعہ ہوگا تقویٰ کا۔ بہرحال اہلِ تقویٰ کو کھلانا پلانا اور ان کے ساتھ احسان کرنا بہت سے دینی ودنیاوی فوائد ومنافع کا ذریعہ ہے۔ اس کے برخلاف فساق وفجار کو کھلانا بہت سے نقصانات اور نحوستوں کا باعث ہے۔ واضح رہے کہ طعامِ حاجت اس سے مستثنیٰ ہے۔ قرآن میں ہے۔

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا	اور (ابرار) کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی بناپر محتاج کو اور یتیم کو اور قیدی کو۔

اس آیت میں مسکین عام ہے، گو یتیم غیر مکلف ہے۔ اور صحابہؓ کے اسراء (قیدی) کفار ہی ہوتے تھے۔ جن کو وہ لوگ کھلاتے تھے۔ والمراد ان لا یألف بغیر التقی فان المحبۃ والصحبۃ مؤثرتان فی اصلاح الحال والفساد۔

وفی روایۃ بزیادۃ لَا تَاْكُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِيٍّ۔ فانّ طعامہ غالبًا یکون حلالًا مؤثرًا فی تحصیلِ العبادۃ۔ (مرقاۃ ص۱۱ ج۹)

(۱۴۱) اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا میں بھی اسی کے ساتھ رہتا ہے جس سے محبت کرتا ہے ؎

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ؛ کبوتر با کبوتر باز با باز

انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے جیسوں ہی کی طرف میلان اور انہیں سے میل ملاپ کرتا ہے۔ بلکہ یہی بات تمام جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اسی لئے کسی انسان کے اچھا یا برا ہونے کی پہچان اس کے پاس والوں سے ہو سکتی ہے۔ اگر اس کے پاس اچھے لوگ بیٹھتے ہیں تو وہ اچھا ہے اور اگر برے بیٹھتے ہیں تو وہ برا ہے ؎

لَا تَسْئَلْ عَنِ الْمَرْءِ وَاسْئَلْ قَرِيْنَهٗ ؛ فَاِنَّ الْقَرِيْنَ بِالْمُقَارِنِ مُقْتَدِيْ

اور آخرت میں بھی انسان کا حشر انہیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ وہ دنیا میں محبت کرتا تھا۔
اسی لئے اہل ایمان سے محبت کرنے کا حکم ہے۔ اور فساق وفجار اور کفار سے دوستی ممنوع ہے۔
جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ورفاقت آپ کے ساتھ سچی محبت ہی سے حاصل ہوگی (اور اطاعت واتباع سچی محبت کی دلیل ہے) بخاری شریف میں تواتر کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہونچا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ۔ (یعنی آخرت میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو (اسلام کے بعد) دنیا میں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس ارشاد سے ہوئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپؐ سے اپنی جان اور اہل وعیال سے بھی زائد محبت ہے۔ بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین ہوتا ہوں تو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوکر سکون حاصل کرتا ہوں۔ مجھے ہمہ وقت یہ فکر ہے کہ آپ کی وفات ہوجائے گی اور مجھے بھی موت آجائیگی تو آپ کو جنت کے بلند ترین درجات عطا ہوں گے۔ اور اگر میں جنت میں پہونچ بھی گیا تو میرا درجہ بہت نیچے ہوگا۔ وہاں آپ کی زیارت کیسے ہوگی اور بغیر زیارت کے صبر کیسے آئیگا؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا یہانتک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ۔ الآية (نساء)

اور جو اللہ ورسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جنپر اللہ تعالیٰ نے (کامل) انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین (کے ساتھ ہوں گے)۔ (معارف)

وَلَهٗ مَا اكْتَسَبَ (اور آدمی کے لئے وہی ہے جو اس نے کمالیا) قرآن پاک میں ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى۔ مطلب یہ ہے کہ اپنا عمل ہی کام آئیگا۔ "اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی" کا اصول ہے جس طرح کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ میں نہ پکڑا جائیگا اسی طرح کوئی کسی دوسرے کے عمل کا ثواب پائیگا۔ بلکہ ہر ایک کو اپنے ہی عمل کا پھل حاصل ہوگا۔ اسی طرح کسی کو یہ بھی حق نہیں کہ کسی دوسرے کے بدلے میں خود عمل کرلے۔ اور وہ دوسرا اس عمل سے سبکدوش ہوجائے۔ مثلاً کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے فرض نماز ادا کردے یا فرض روزہ رکھدے اور وہ دوسرا نماز یا روزہ کے فریضہ سے سبکدوش ہوجائے۔ یا کوئی کسی کی طرف سے ایمان قبول کرلے، اور وہ دوسرا اس وجہ سے مؤمن شمار کیا جائے۔ ہاں حج بدل دوسرے کی طرف سے اور اجازت وحکم سے دوسرے کی طرف سے زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

غور کیا جائے تو یہ بات بھی قابلِ اشکال نہیں، کیونکہ حج بدل میں تو وہ دوسرا مصارفِ حج برداشت کرتا ہے۔ اور زکوٰۃ کے لئے مامور کر دینا بھی درحقیقت اپنا عمل ہے۔ کیونکہ نائب وخلیفہ کا عمل بھی اپنا ہی عمل ہوتا ہے۔ البتہ نماز و روزہ و ایمان میں نصوص کی صراحت کی وجہ سے نیابت وخلافت جاری نہیں ہوگی۔

ایصالِ ثواب کا مسئلہ

ایمان اور فرض نماز و روزہ میں ایک شخص دوسرے کی ادائیگی سے ان فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نفلی عمل کا فائدہ و ثواب بھی دوسرے کو نہ پہونچ سکے۔ دعا و صدقہ وغیرہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہونچنا، اور کسی عمل کا محرک وسبب بننے کی وجہ سے ثواب پہونچنا نصوصِ شرعیہ واجماعِ امت سے ثابت ہے۔ صرف حضرت امام شافعیؒ ثوابِ تلاوت کے پہونچنے کے قائل نہیں ہیں، باقی دیگر ائمہ کے نزدیک تلاوت اور ہر نفلی صدقہ و عبادت کا ثواب دوسرے کو پہونچایا جاسکتا ہے۔ احادیثِ کثیرہ و شہیرہ اس پر شاہد ہیں۔ تفسیر مظہری میں آیت مذکورہ (وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى) کے تحت ان احادیث کو جمع بھی فرما دیا گیا ہے۔ جن سے ایصال کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر غور کیا جائے تو ایصالِ ثواب بھی انسان کی سعیٔ ایمان کا ثمرہ و برکت ہے۔ چنانچہ بے ایمان کو کسی کے عمل کا ثواب نہیں پہونچتا۔ اسلئے ایصالِ ثواب بھی انسان کی اپنی سعی ہی کا جزء ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۴۱) خلیل اُس دوست کو کہتے ہیں جس کی محبت خلالِ قلب یعنی اندرونِ دل میں ہو۔ ظاہر ہے کہ جس سے ایسی گہری اور پُرخلوص محبت ہوگی اس کی عادات وخصائل محب کی نظر میں اچھی معلوم ہوں گی۔ اور انسانی فطرت ہے کہ جس چیز کو وہ اچھا سمجھتا ہے اس کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محب اپنے محبوب کے اعمال وخصال میں اس کا اتباع و پیروی کرتا ہے۔ اسلئے سوچ سمجھکر دوستی کرنی چاہیئے ایسا نہو کہ کسی بدکردار و بدکار کی طرف مائل ہوکر خود کو اس کے رنگ میں رنگ لے، اور دنیا و آخرت کا نقصان وخسران قسمت بنجائے۔

(۱۴۲) مشکوٰۃ شریف ص۴۲۶ میں فَلْيُعْلِمْهُ کی بجائے فَلْيُخْبِرْهُ اَنَّهٗ يُحِبُّهٗ ہے۔ آدمی جس سے پُرخلوص وجائز محبت رکھتا ہو اس کو اپنی محبت کی اطلاع کردے تاکہ اس کے قلب میں بھی محبت پیدا ہو اور محبت میں ترقی ہوکر اس میں پائیداری واستواری پیدا ہوجائے۔ ناجائز یا منافقانہ محبت خود مومن کی شان کے خلاف بھی ہے۔ اور ایسی محبتوں سے فتنے رونما ہوتے اور خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ پھر مومن کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے محبین ومحسنین کے لیئے دعا گو رہتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے ایک شخص آپ کے پاس سے گذرا تو اُن

لوگوں میں سے جو آپ کے پاس بیٹھے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں اس شخص سے اللہ کے لئے (مخلصانہ) محبت رکھتا ہوں۔ آپنے ارشاد فرمایا: تم نے اس کو اطلاع کردی ہے؟ اس شخص نے کہا نہیں، آپنے فرمایا کھڑے ہوجاؤ، اور اس کے پاس جاکر خبر کردو۔ چنانچہ وہ شخص فوراً کھڑا ہوا اور جاکر اس کو (اپنی محبت کی) اطلاع دیدی تو اس شخص نے اس کے لئے یہ دعار کی۔

اَحَبَّكَ الَّذِیْ اَحْبَبْتَنِیْ لَهٗ (تم کو وہ (اللہ) اپنا محبوب بنالے جس کی خاطر تم نے مجھ سے محبت کی) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ وہ شخص پھر آپ کی مجلس میں واپس آیا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے آپ سے اس شخص کی بات سُنادی تو نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (آخرت میں) اسی کے ساتھ ہوگے جس سے تم نے محبت کی، اور تم کو وہ حاصل ہوگا جو تم نے ثواب ورضائے خداوندی کا ارادہ کیا (وَلَكَ مَا احْتَسَبْتَ) اور ترمذی کی روایت میں یہ ہے۔

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ وَلَهٗ مَا اكْتَسَبَ (اور اکتساب بھی قریب قریب احتساب ہی کے معنی میں ہے) (مشکوٰۃ ۴۲۶) نیز مخلصانہ محبت کرنے والوں کے لئے بہت سی بشارتوں اور اجر وثواب کی خبروں کے علاوہ یہ بھی نقد فائدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت فرماتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے کسی بھائی (دوست) سے ملاقات کیلئے چلا جو کسی اور بستی میں رہتا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس راستہ پر (جسپر وہ جارہا تھا) ایک فرشتہ کو بھیجدیا، اس فرشتہ نے اس سے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ اس نے بتایا کہ اس گاؤں میں میرا ایک دوست ہے۔ اس سے ملاقات کرنے جارہا ہوں۔ فرشتہ نے پوچھا کہ تمہاری کوئی غرض اس سے وابستہ ہے (یا کوئی احسان ہے) جس کی تکمیل وتحصیل کے لئے جارہے ہو؟ اس نے کہا: کوئی غرض نہیں۔ بس اس سے میں اللہ کے لئے خلوصِ دل سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس اسلئے بھیجا ہے کہ تم کو اس بات کی اطلاع کردوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ بھی تم سے اسی طرح محبت فرماتے ہیں جس طرح تم اپنے بھائی سے محبت رکھتے ہو۔ (مشکوٰۃ ۴۲۶)

اور حق تعالیٰ جس سے محبت فرماتے ہیں اس کو ہدایت کا تحفہ عطا فرماتے ہیں۔ اور اگر وہ ہدایت پر ہے تو کمالِ ہدایت سے مالا مال فرماتے ہیں۔

---

(۱۴۴) مشکوٰۃ شریف ص۴۲۷ میں ہے اِذَا اٰخَی الرَّجُلُ الرَّجُلَ۔ اور صحیح یہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی سے دوستی کرے تو اس کا تعارف حاصل کرے اس کا نام اسکے والد کا نام اس کے قبیلہ کا نام و پتہ پوچھے۔ کیونکہ تعارف سے تعلق بڑھتا ہے، اور محبت میں پائیداری و استواری آتی ہے۔ بعض نسخوں میں فَلْيَسْاَلْهُ بابِ فتح سے ہے۔ اور بعض میں فَلْيُسَائِلْهُ باب مفاعلۃ سے ہے جس سے معنی اشتراک کا مفاد ہوتا ہے۔ یعنی طرفین ایکدوسرے کا تعارف حاصل کریں۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

إِذَا أَحْبَبْتَ رَجُلًا فَاسْئَلْهُ عَنِ اسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيْهِ فَإِنْ كَانَ غَائِبًا حَفِظْتَهٗ وَإِنْ كَانَ مَرِيْضًا عُدْتَهٗ وَإِنْ مَاتَ شَهِدْتَهٗ۔

(جب تم کسی شخص سے محبت کرو تو اس کا نام اور اس کے باپ کا نام اس سے پوچھو، پھر اگر وہ موجود نہ ہو (سفر وغیرہ میں ہو) تو اسکے مال و اہل و عیال) کی حفاظت کرو، اور اگر مریض ہو تو اس کی عیادت کرو، اور مرجائے تو تجہیز و تکفین میں موجود رہو۔

یہ حدیث پہلی حدیث کی شرح و تفسیر ہے۔ اس میں دوستی کے بعض حقوق بھی بتائے گئے ہیں۔ نیز یزید بن نعامہؓ کی روایت مرسل ہے۔ گو جمہور محدثین اور احناف کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔ تاہم حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس کی مکمل تائید ہوتی ہے۔ اسلئے اس میں مزید قوت پیدا ہوگئی۔ یزید بن نعامہؓ کی صحابیت و سماع ہر دو چیزیں مختلف فیہ ہیں۔ اگر یہ صحابی ہیں جیسا کہ بعض محققین کی تحقیق ہے۔ تو روایت مراسیل صحابہؓ میں سے ہے ورنہ مراسیلِ تابعین میں سے ہے۔ واللہ اعلم (مرقاۃ ج۹ ص۱۴۰)

حضرت مقدام بن معدیکربؓ

آپکا نام مقدام ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ مقدام بن معدیکرب ابن عمرو بن یزید بن معدیکرب بن عبد وہب بن الحارث بن معاویہ ابن ثور بن عفیر، کنیت ابوکریمہ یا ابو یحییٰ اور نسبت کندی ہے۔ مشہور صحابی ہیں، ملک شام میں رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ میں سے خالد بن الولیدؓ، معاذ بن الجبلؓ اور ابو ایوب انصاریؓ وغیرہم ایک بڑی جماعت سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ان کے بیٹے یحییٰ اور پوتے صالح اور بہت سے تابعین روایت ہیں۔ ابن سعدؒ نے ان کو اہل شام کے طبقۂ رابعہ میں شمار کیا اور فرمایا ہے کہ ان کی وفات ۸۷ھ میں اکیانوے برس کی عمر میں ہوئی۔ اکثر حضرات نے ان کا سنِ وفات یہی لکھا ہے۔ ۸۳ھ اور ۸۶ھ کے بھی اقوال ہیں۔ مسلم شریف میں ان کی کوئی روایت نہیں۔ بخاری شریف میں چالیس حدیثیں ہیں۔ اور طحاوی میں چار ہیں۔ (تراجم الاحبار ص۳۴۲ ج۳)

حضرت یزید بن نعامہؓ

یزید بن نعامہ الضبی (نعامۃ بفتح النون وبالعین المھملۃ) ان کی کنیت ابو مردود ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے ان کو صحابہؓ میں ذکر کیا ہے۔ اور امام بخاریؒ سے بھی منقول ہے کہ ان کو برکت صحبت میسر ہے۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ یہ غزوۂ حنین میں مشرک ہونے کی حالت میں شریک تھے۔ اس کے بعد مسلمان ہوئے۔ جمہور محدثین کے نزدیک یہ تابعی ہیں۔ ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔ محدث ابن ابی حاتمؒ نے فرمایا کہ یہ صحابی نہ تھے۔ وقال الترمذیؒ لایعرف لہ السماع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ تہذیب الکمال میں ہے کہ یہ ارسال کرتے ہیں۔ ویسے یہ بھی ہیں۔ حضرت انسؓ، ابو خلدہ اور سلام بن مسکین سے روایت کرتے ہیں، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں

کہ یہ مسئلہ محدثین کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ کہ اگر کسی شخص کو اسلام لانے سے قبل صحبت حاصل ہے تو وہ صحبت معتبر ہے کہ نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ معتبر نہیں۔ ہاں محدثین کا اسپر اتفاق ہے کہ اگر حالتِ کفر میں حدیث سُنی اور اسلام لانے کے بعد بیان کی تو اس کا اعتبار ہوگا۔ تو اگر ان کی صحبت اور اسمیں حدیث کا سُننا ثابت ہو جائے تو کوئی بات ہی نہیں۔ لیکن اگر صحبت ثابت ہو اور سماع ثابت نہو تو ان کی حدیث مراسیلِ صحابہؓ میں شمار ہوگی جو تمام محدثین کے نزدیک حجت ہے۔ کیونکہ اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ عقیدہ ہے اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ۔ اسلئے ان کی ہر قسم کی روایات معتبر ہیں۔ (ہاں اسرائیلیات کا اصول الگ مستقل ہے) اور اگر صحبت بھی پایۂ ثبوت کو نہ پہونچے تو یہ تابعی ہوں گے، اور ان کی حدیث مراسیلِ تابعین میں سے ہوگی۔ جو جمہور محدثین و احناف کے نزدیک حجت ہیں۔ اور جبکہ حدیث مذکور کی تائید و تقویت حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے ہوگئی جسکو امام بیہقیؒ نے اپنی شعب الایمان میں ذکر کیا ہے (جو تشریح میں آچکی ہے) تو پھر ان کی روایت میں کوئی اشکال ہی باقی نہ رہا۔ واللہ اعلم (مرقاۃ ج۴ ص۱۷)

مِنْ اَفْضَلِ اَبْوَابِ الْبِرِّ ذِکْرُ اللهِ

بر کے بہترین بابوں میں سے ذکر اللہ بھی ہے۔

(۱۴۵) قَالَ اللهُ تَعَالیٰ فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلیٰ جُنُوْبِکُمْ۔ (نساء آیت ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہوکر، بیٹھکر، اور لیٹ کر (ہر حال میں)

(۱۴۶) عَنْ اَبِیْ رَزِیْنٍ قَالَ قَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلیٰ مِلَاکِ ھٰذَا الْاَمْرِ الَّذِیْ تُصِیْبُ بِہٖ خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ عَلَیْکَ بِمَجَالِسِ اَھْلِ الذِّکْرِ وَاِذَا خَلَوْتَ فَحَرِّکْ لِسَانَکَ مَا اسْتَطَعْتَ بِذِکْرِ اللهِ وَاَحِبَّ فِی اللهِ وَاَبْغِضْ فِی اللهِ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۷)

حضرتِ ابو رزینؓ فرماتے ہیں کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس معاملہ (دین) میں ایسی بنیادی چیز (اور جان) نہ بتا دوں کہ اس کے ذریعہ تم دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کرلو؟ تم اہلِ ذکر کی مجلسوں کے پابند ہو جاؤ اور جب تنہائی میں ہو تو اپنی زبان کو ذکر اللہ میں خوب استعمال کرو اور اللہ کے لئے محبت رکھو۔ اور اللہ ہی کے لئے دشمنی کرو۔

(۱۴۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ
حضرت ابوہریرۃؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
الدُّنْیَا مَلْعُوْنٌ وَمَلْعُوْنٌ مَّا فِیْهَا اِلَّا ذِکْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمٌ
کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی ملعون ہے مگر اللہ کا ذکر اور جو چیز اس کی معین ہو یا عالم
اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ (ترمذی ص۵۶/ج۲، مشکوٰۃ ص۴۴۱)
یا متعلم۔

(۱۴۸) عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ عَلَیْهِ لَا لَهٗ اِلَّا اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ نَهْیٌ عَنْ مُّنْکَرٍ
کہ انسان کا ہر کلام اسکے لئے نقصان دہ ہے۔ مگر کسی بھلائی کا حکم کرنا اور کسی برائی سے روکنا
اَوْ ذِکْرُ اللّٰهِ۔ (ترمذی ص۶۴/ج۲، مشکوٰۃ ص۱۹۸)
یا اللہ کا ذکر کرنا۔ (اس کے لئے مفید ہے)

لغات مِلَاكٌ مٹی ملاکُ الامر سہارا، سرمایۂ بقار۔ ماخوذ ہے مِلْک سے (ض) مالک ہونا، قابو رکھنا غالب ہونا۔ تُصِیْبُ باب اِفعال سے صیغہ مخاطب اِصَابَة پہونچنا، پانا، صواب سمجھنا وغیرہ صَابَ صَوْبًا (ن) برسنا، اوپر سے اترنا، پہونچنا۔ مَجَالِسُ مَجْلِسٌ کی جمع محفل، صیغہ ظرف بابۂ ضَرَبَ۔ وَالَاهُ باب مفاعلۃ سے دوستی کرنا، مدد کرنا۔

ترکیب قِیَامًا اپنے دونوں معطوفوں سے ملکر اُذْکُرُوْا کی ضمیر سے حال ہے ای قَائِمِیْنَ و وقَاعِدِیْنَ ومُضْطَجِعِیْنَ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔ اَلَا حرف تنبیہ عَلٰی اپنے مجرور سے مل کر اُدْلُ کے متعلق ہے۔ اور اَلَّذِیْ اپنے صلہ جملہ فعلیہ سے مل کر مِلَاكُ کی صفت۔ عَلَیْكَ بمعنی اِلْزَمْ اسم فعل جار مجرور۔ اس کا متعلق۔ جملہ فعلیہ انشائیہ مستانفہ۔ مَا اسْتَطَعْتَ موصول وصلہ حَرِّكْ کا مفعول بہٖ الدُّنْیَا اسم اِنَّ۔ مَلْعُوْنٌ خبر۔ مَا فِیْهَا اسم موصول اپنے صلہ وَقَعَ فِیْهَا سے مل کر مبتدا مؤخر۔ مَلْعُوْنٌ خبر مقدم۔ مَا وَالَاهُ موصول وصلہ ذِکْرُ اللّٰهِ پر معطوف۔ اسی طرح عَالِمٌ وَمُتَعَلِّمٌ بھی۔ عَلَیْهِ ای ضَرَرُهٗ عَلَیْهِ ووَبَالُهٗ عَلَیْهِ مبتدا وخبر جملہ ہو کر کُلُّ کَلَامِ ابْنِ اٰدَمَ کی خبر۔ یا مُضِرٌّ کے متعلق ہو کر خبر۔ لَا لَهٗ ای لا نفع لهٗ فیه اَوْ لَا نَافِعَ لهٗ۔ اَمْرٌ بِمَعْرُوْفٍ اپنے دونوں معطوفوں سے ملکر مبتدا۔ اور خبر محذوف ہے۔ ای مفیدٌ لهٗ۔ خواہ معطوفات میں سے ہر ایک کی خبر علیحدہ مان کر جملوں کو

معطوفات قرار دیں یا سب کی خبر اکٹھی مان کر ایک ہی جملہ بنالیں۔

تشریح حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ذکر کے سوا کوئی ایسا فرض عائد نہیں کیا جسکی کوئی حد مقرر نہو۔ نماز پانچ وقت کی ہے، اور اس میں بھی تعداد رکعات مقرر ہے۔ روزے ماہ رمضان کے متعین ہیں۔ حج بھی خاص مقامات میں خاص اعمال مقررہ کا نام ہے۔ زکوٰۃ بھی سال بھر میں ایک بار معین مقدار میں نکالنے کا حکم ہے۔ مگر ذکر اللہ ایسی عبادت ہے کہ نہ اس کی کوئی حد مقرر ہے نہ تعداد متعین ہے۔ نہ کوئی خاص وقت و زمانہ اور نہ ہی اس کے لئے کوئی خاص حالت، قیام و قعود وغیرہ کی اور نہ اس میں طاہر و باوضو ہونا شرط ہے۔ ہر حال میں ہر وقت ذکر اللہ بکثرت کرنے کا حکم ہے۔ سفر، حضر، تندرستی، بیماری، جوانی، بڑھاپا اس سے کوئی حال مستثنیٰ نہیں اسی لئے اس کے ترک میں انسان کسی حال میں معذور نہ سمجھا جائیگا۔ ہاں عقل اور ہوش و حواس ہی معطل ہوجائیں تو ایسا شخص معذور ہے۔ ذکر اللہ کی تاکید و ترغیب اور اس کی فضیلت و برکت میں بہت سی آیات اور حدیثی روایات وارد ہیں۔

وَالذَّاكِرِيْنَ اللهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا۔ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ وغیرہ بہت سی آیات اس سلسلہ میں وارد ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر فرماتے۔ يَذْكُرُ اللهَ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ۔ اور اللہ سے کثرت ذکر کی توفیق کے لئے آپ دعا بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا سنی تھی جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا، وہ یہ ہے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعَظِّمُ شُكْرَكَ وَاَتَّبِعُ نَصِيْحَتَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ۔ (ابن کثیر)	یا اللہ مجھے ایسا بنادیجئے کہ میں آپکا شکر بہت کروں اور آپکی نصیحت کا تابعدار رہوں، اور آپکا ذکر بکثرت کروں اور آپکی وصیّت کو محفوظ رکھوں۔

(۱۴۵) اس آیت شریفہ میں ہر حال میں ذکر اللہ کی تاکید اور کثرت ذکر کا حکم ہے۔ ذکر اللہ کی کثرت کی تاکیدات و ترغیبات میں ایک حکمت تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ذکر تمام عبادتوں کی اصل روح ہے چنانچہ حضرت معاذ بن انسؓ کی روایت میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجاہدین میں سب سے زیادہ اجر و ثواب کس کا ہے؟ ارشاد فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے۔ پھر سوال کیا کہ روزہ داروں میں سب سے زیادہ ثواب کس کا ہے؟ ارشاد فرمایا جو سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرے۔ اس نے پھر اسی طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ کے متعلق دریافت کیا۔ ہر سوال پر

آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کا ذکر زیادہ کرے وہی زیادہ اجر و ثواب کا مستحق ہے۔

(رواہ احمد، ابن کثیر)

دوسرے ذکر تمام عبادات میں سب سے زیادہ سہل ہے۔ شریعت نے اس کے لئے کوئی شرط و قید نہیں لگائی۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تیسرے آسان ہونے کے باوجود یہ اتنی مفید عبادت ہے کہ دنیوی کام بھی اس سے عبادت بن جاتے ہیں۔ کھانے، پینے، پہننے اور تمام کاروبار اور حاجتوں میں ماثورہ دُعاؤں کا اہتمام عمدہ نتائج، اجر و ثواب اور برکات رکھتا ہے۔ چوتھے ہر حال میں ذکر سے انسان میں غفلت نہیں آتی۔ اور غفلت کی وجہ ہی سے آدمی سے گناہ ہوتے ہیں۔ پانچویں مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ انسانی فطرت ہے۔ اور ایمان والے کو سب سے زائد محبت حق تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔ اسلئے اس کی فطرتِ نورانی اور طبیعتِ ایمانی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ قلب و زبان اور ظاہر و باطن سے اپنے محبوب حقیقی کو ہمہ وقت یاد کرے۔

(۱۴۶) حق تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے ہدایت اور فلاحِ دارین یعنی خیر الدنیا والآخرہ مقدر فرمائی ہے۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اور ایمان والے ہی بکثرت ذکرِ الٰہی کرتے ہیں۔ تیسری بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ انسان ماحول اور صحبت سے بہت جلد متأثر ہوتا ہے۔ تو جب اہلِ ذکر کی مجالس اور ان کی صحبتوں میں بیٹھتا رہیگا تو یہ ضرور ذاکرین میں شامل ہو کر خیر الدنیا والآخرہ سے مالا مال ہو جائیگا۔ اور تنہائیوں میں جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرنیکا اہتمام کریگا تو یہ ذکر بلاشبہ پُرخلوص ریا و سُمعہ سے پاک ہوگا۔ اور خلوت میں ذکر کی طرف توجہ اور دلجمعی زیادہ حاصل ہوگی۔ تو ذکر کے اثرات بھی قوی ہوں گے اور دل کی دنیا بدل جائے گی۔ اسی لئے رات کی تنہائیوں میں عبادت گذاری صالحین کا طریقہ رہا ہے۔ اسی سے قلب اَغیار سے پاک ہو جائے گا۔ مذکور قلب میں بس جائیگا تو محبوب کے دوستوں سے محبت اور اس کے دشمنوں سے نفرت و عداوت بھی قلب میں پیدا ہو جائیگی جس کا حکم وَاَحِبَّ فِی اللّٰہِ وَاَبْغِضْ فِی اللّٰہِ میں دیا گیا ہے۔

(۱۴۷) اِنَّ الدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ یعنی دنیا رحمتِ خداوندی سے دور ہے کیونکہ وہ بندہ کو اللہ سے دور کرتی ہے

؎ چیست دنیا از خدا غافل بُدن ٭ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ (اسبابِ غفلت) بھی اللہ سے دور ہیں۔ اِلَّا ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا وَالَاہٗ۔ مگر اللہ کا ذکر اور وہ چیزیں اللہ کے ذکر کے لئے معین و مددگار اور اسکے قریب کر دینے والی ہوں مثلاً مالِ حلال، عمدہ افعال، پسندیدہ اخلاق و خصال اور نیکیوں کی مجالس وغیرہ۔ یہ مطلب جب ہے کہ وَالَاہٗ کی ضمیر (ہٗ) ذکر کی طرف راجع ہو۔ لیکن اگر اس کا مرجع اللہ کو قرار دیا جائے تو معنی ہوں گے وَمَا اَحَبَّہُ اللّٰہُ یعنی دنیا میں جو اللہ کو محبوب و پسندیدہ ہو۔ اور اللہ کی پسندیدہ چیزیں

علومِ نافعہ، اعمالِ صالحہ اور اُن کے وسائل وذرائع ہیں۔ دراصل وَالیٰ مفاعلۃ سے ہے۔ جس کے معنی دوٗ کے درمیان محبت کے ہیں۔ اور مفاعلۃ جب مغالبہ (اشتراک) کے لئے نہو تو مبالغہ کے لئے ہوتا ہے۔ تو یہاں اشتراک کے معنی نہیں بلکہ ایک طرف سے شدید محبت کے ہیں۔ اس طرح اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ذکر اللہ اور اس دنیا میں اللہ کی پسندیدہ چیزوں کے علاوہ سب چیزیں ملعون ہیں۔ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ اس میں لفظ اَوْ تردید اور احدالامرین کے لئے نہیں۔ بلکہ بمعنیٰ واو ہے۔ یا تنویع اور لتسویہ کے لئے ہے۔ اگرچہ مَا وَالَاہٗ میں عالم ومتعلم بھی داخل ہیں کہ دونوں اللہ کے محبوب ہیں۔ مگر ان کی خاص اہمیت وفضیلت کی بنا پر ان کو علیحدہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور ان کا محبوب ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کہ تعلیم وتعلم ہی سے دین کی بقاء ہے۔ گویا یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ عالم ومتعلم کے علاوہ گویا سب لوگ ناکارے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ عالم ومتعلم سے وہ لوگ مراد ہیں جو عالم باللہ یعنی اہلِ معرفت ہوں۔ اور علمِ الٰہی کے ساتھ وہ عملِ صالح کے بھی پابند ہوں۔ لہٰذا اس سے جُہلا بھی خارج ہیں اور وہ عالم بھی جو بے عمل ہوں۔ اسی طرح وہ بھی جو فضول علوم یا علمِ دین کے علاوہ دوسرے علوم سیکھتے ہوں۔ (بہرحال علمِ دین ذکر بھی ہے اور ذکر ومعرفت کا ذریعہ بھی) اور ذکرِ الٰہی تمام عبادتوں اور سعادتوں کا سَر ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ الذکر کالحیٰوۃ للابدان والروح للانسان وھل للانسان عن الحیٰوۃ غِنیً وھل لہٗ عن الروح معدلٌ۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ بقائے دنیا اور قیامِ زمین وآسمان ذکر سے وابستہ ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے لا تقوم السّاعۃ علیٰ احدٍ یقول اللہ اللہ۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ ذِکْرُ اللہِ مرفوع اور بعض نسخوں میں منصوب ہے۔ اور یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ بھی اکثر نسخوں میں مرفوع ہے۔ لیکن قاعدۂ نحویہ کا تقاضا یہ ہے کہ ذکر اللہ اور عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا سب منصوب ہوں۔ کیونکہ مستثنیٰ کلامِ موجب میں منصوب ہوتا ہے۔ ترمذی وجامع الاصول وغیرہ میں تو یہ تینوں مرفوع ہی ہیں۔ مگر ابن ماجہ شریف میں اَوْ عَالِمًا اَوْ مُتَعَلِّمًا بتکرارِ اَوْ اور بالنصب ہیں۔ اور تینوں میں نصب ہی قرینِ قیاس، موافقِ قاعدہ اور ظاہر ہے۔ اور مرفوع ماننے کی صورت میں (جیساکہ مشکوٰۃ وترمذی وغیرہ میں ہے) تاویل یہ ہوگی اَلدُّنْیَا مَذْمُوْمَۃٌ لَا یُحْمَدُ مَافِیْھَا اِلَّا ذِکْرُ اللہِ وَعَالِمٌ وَّمُتَعَلِّمٌ۔ اس طرح مستثنیٰ کلامِ غیر موجب میں واقع ہوگا۔ اور حسبِ عامل لَا یُحْمَدُ مَافِیْھَا اس پر اعراب رفع ہوگا۔ فافہم۔

(ف) قال ابن عباسؓ ان اللہ تعالیٰ جعل الدّنیا ثلٰثۃ اجزاءٍ جزءٌ للمؤمن وجزءٌ للمنافق وجزءٌ للکافر فالمؤمن یتزود والمنافق یتزیّن والکافر یتمتع۔

(۱۴۸) انسان کا ہر کلام اس کے لئے مضر اور نقصان دہ ہوگا۔ مگر وہ کلام مفید ہوگا جو دوسروں کی ہمدردی اور نفع رسانی کے لئے ہو۔ اور اس کے دو ہی پہلو ہو سکتے ہیں۔ بھلائی کی جانب رہنمائی یا برائی سے روک تھام، اول کو امر بالمعروف اور دوسرے کو نہی عن المنکر کہیں گے۔ اور جو کلام صرف اپنے فائدہ کے لئے ہوگا وہ ذکر اللہ ہوگا۔ گو زبانی ذکر اللہ کی بھی مختلف صورتیں تلاوت تسبیح وغیرہ ہیں حدیث کا منشا غیر مفید ولغو اور ممنوع گفتگو سے باز رہنے کی ہدایت اور زبان سے مفید کلام اور ذکر الٰہی کرنے کی ترغیب وتاکید ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ اَصْعَبِ اَبْوَابِ الْبِرِّ كَسْبُ الْحَلَالِ وَطَلَبُ الطَّيِّبِ مِنَ الرِّزْقِ

اور بر کے دشوار ترین بابوں میں سے ایک رزق حلال وطیب کا حاصل کرنا ہے۔

(۱۴۹) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (المؤمنون آیت ۱۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے رسولو! کھاؤ تم طیبات کو اور اچھا عمل کرو۔

(۱۵۰) وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔

اور اللہ عزّ وجل نے فرمایا۔ تم لوگ اپنے مالوں کو آپس میں غلط طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضامندی سے خرید وفروخت ہو جائے۔

(۱۵۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَآ اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ وَقَالَ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انسانو! بیشک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہیں وہ پاک ہی کو قبول فرماتے ہیں۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو حکم دیا ہے پس فرمایا اے رسولو! حلال روزیوں میں سے کھایا کرو اور نیک عمل کیا کرو۔ میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں۔ اور فرمایا۔ اے ایمان والو! ان حلال روزیوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اور آپ نے ایسے آدمی کا ذکر کیا جسکا سفر دراز ہے

أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَ
اور وہ پراگندہ حال، غبار آلود ہے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاکر یا رب یا رب کہتا ہے اور اس کا کھانا حرام
وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ۔
اور اس کا پینا حرام اور اس کا لباس حرام ہے اور حرام سے اس کو غذا دی گئی تو اس کے لئے قبولیت کہاں ہوسکتی ہے؟
(ترمذی ص۱۲۳/ج۲ مشکوٰۃ ص۲۴۱)

(۱۵۲) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحَلَالُ
نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں نبی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال بالکل
بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُشْتَبِهَةٌ فَمَنْ تَرَكَ مَا شُبِّهَ
کھلا ہوا ہے اور حرام بھی بالکل ظاہر ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان کچھ چیزیں مشتبہ ہیں تو جو شخص ایسی چیزوں کو چھوڑے
مِنَ الْإِثْمِ كَانَ لِمَا اسْتَبَانَ لَهُ أَتْرَكَ وَمَنِ اجْتَرَأَ عَلَى مَا يَشُكُّ فِيهِ
جن میں گناہ کا احتمال ہے تو وہ کھلے ہوئے حرام کو زیادہ چھوڑنے والا ہوگا اور جو شخص اس چیز پر دلیری کریگا جس میں
مِنَ الْإِثْمِ أَوْشَكَ أَنْ يُوَاقِعَ مَا اسْتَبَانَ وَالْمَعَاصِي حِمَى اللّٰهِ مَنْ
گناہ کا احتمال ہے تو وہ عنقریب اس میں واقع ہوجائیگا جو کھلا ہوا حرام ہے اور ممنوعات اللہ کی چراگاہ ہیں
يَرْتَعْ حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يُوَاقِعَهُ۔ (بخاری ص۲۷۵/ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۱)
جو اس کی چراگاہ کے آس پاس چرے گا وہ چراگاہ میں بھی پہونچ جائیگا۔

(۱۵۳) وَقَالَ حَسَّانُ بْنُ أَبِي سِنَانٍ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَهْوَنَ مِنَ الْوَرَعِ
اور حضرت حسان بن سنانؒ کا قول ہے کہ میں نے پرہیزگاری سے زیادہ آسان کوئی چیز نہیں پائی۔ جو چیز
دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ۔ (بخاری ص۲۷۵/ج۱)
تم کو تردد میں مبتلا کرے اس کو چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرلو جسمیں تمہیں تردد نہو۔

(۱۵۴) عَنْ قَيْسِ بْنِ غَرَزَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
حضرت قیس بن ابی غرزہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے
وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نُسَمَّى السَّمَاسِرَةَ فَقَالَ يَا مَعَاشِرَ التُّجَّارِ إِنَّ
اور ہمارا نام سماسرہ تھا آپ نے فرمایا اے تاجروں کی جماعتو! بیشک
الشَّيْطٰنَ وَالْإِثْمَ يَحْضُرَانِ الْبَيْعَ فَشُوبُوا بَيْعَكُمْ بِالصَّدَقَةِ۔ (ترمذی ص۱۴۵/ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۲)
شیطان اور گناہ دونوں خرید و فروخت میں آجاتے ہیں لہٰذا تم اپنی تجارت کیساتھ صدقہ کو ملالو۔

(۱۵۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّاجِرُ
حضرت ابوسعیدؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ سچا،

الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ۔

امانت دار تاجر (آخرت میں) انبیاء اور صدیقین اور شہداء کیساتھ ہوگا۔ (ترمذی ص۱۴۵ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۳)

(۱۵۶) عَنْ رِفَاعَةَ اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ التُّجَّارَ يُبْعَثُوْنَ

حضرت رفاعہؓ سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ تاجر لوگ قیامت کے دن ایسی حالت میں اُٹھائے جائیں گے کہ وہ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ وَبَرَّ وَصَدَقَ۔ (ترمذی ص۱۴۵ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۴)

نافرمان (لوگوں میں شامل) ہوں گے مگر جو اللہ سے ڈریں گے اور نیکی کریں گے اور سچ بولیں گے۔ (وہ نافرمانوں میں شمار نہونگے)

لغات

اَلطَّیِّبَات جمع اَلطَّیِّبَۃ کی، پاکیزہ، عمدہ، حلال (ض) خوش ہونا، عمدہ ہونا۔ الرِّزْق بکسر الرّاء وفتحھا۔ فتح کی صورت میں تو مصدری معنی متعین ہیں بمعنی اِعطاءُ الحظِّ۔ اور کسرِ راء کی صورت میں مصدر بھی ہو سکتا ہے اور اسم بھی۔ ثانی صورت میں اس کا ترجمہ حظ ہوگا۔ اور حظ کے معنی ہیں النصیب المخصوص لصاحبہٖ یہ تو رزق کے لغوی معنی ہیں۔ اور عرفی معنی تخصیص الشیٔ بالحیوان وتمکینہٗ من الانتفاع بہٖ ہیں۔ (ن) روزی پہونچانا۔ اَشْعَث چِکٹے ہوئے غبار آلود بالوں والا، (س) پراگندہ ہونا، بالوں کا غبار آلود ہونا۔ چکٹ جانا۔ اَغْبَر غبار آلود، خاکستری رنگ والا۔ (س) غبار آلود ہونا۔ (ن) گذرنا، ٹھہرنا، گرد آلود ہونا۔ خاکستری ہونا۔ مَطْعَمٌ کھانے کی جگہ، خوراک، ج مَطَاعِم (س) چکھنا، کھانا۔ (ف) آسودہ ہونا۔ مَشْرَب پینے کی جگہ، پانی ج مَشَارِب۔ مَشْرَب مصدر میمی بھی مستعمل ہے۔ بابہٗ سمع۔ مَلْبَس لباس ج مَلَابِس (س) پہننا (ن ض) شبہ میں ڈالدینا مشتبہ بنا دینا۔ غُذِیَ (ن) غذا دینا۔ حِمٰی چراگاہ کہ جس میں دوسروں کے جانور چرانے کی ممانعت ہو۔ ہر وہ چیز جس کی حفاظت کیجائے۔ (ض) روکنا، بچانا۔ اَھْوَن سہل ترین (ن) آسان ہونا، نرم ہونا۔ اَلْوَرَع پرہیزگاری۔ (س) رکنا، شبہات ومعاصی سے بچنا، کمزور ہونا، بزدل ہونا، حقیر ہونا (ک) معمولی مال والا ہونا۔ السَّمَاسِرَۃ۔ السِّمْسَار کی جمع دلال، چیز کا مالک ومنتظم۔ سَمَاسِر وسَمَاسِیْر بھی جمع آتی ہے۔ السَّمْسَرَۃ مصدر دلالی کا پیشہ، دلالی کی اُجرت، مَعَاشِر جمع مَعْشَر کی، جماعت، آدمی کے اہل، جن، انس، عَشَرَ عَشْرًا دسواں حصّہ لینا، دسواں ہونا۔ مفاعلۃ سے مِل جل کر زندگی گذارنا۔ التُّجَّار جمع التَّاجِر کی (ن) سوداگری کرنا۔ شُوْبُوْا جمع حاضر امر شَابَ شَوْبًا شِیَابًا (ن) ملانا، خیانت کرنا، دھوکہ دینا، صَدُوْقٌ ہمیشہ سچ بولنے والا۔ ج صُدُقٌ۔ بابہٗ نصر۔

ترکیب

(۱۵۱) یُطِیْلُ السَّفَرَ جملہ فعلیہ الرَّجُل کی صفت لانّ جنس المعرفۃ بمنزلۃ النکرۃ کقولہٖ وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ، وکقولہٖ تعالیٰ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ فافھم۔

اور اگر الرَّجُل کو رفع دیں مبتدا ہونے کی وجہ سے تو جملہ یُطِیل خبر ہوگا۔ اور اَشْعَث واَغْبَر دونوں حالِ مترادفہ ہوں گے۔ یمدّ کی ضمیر فاعل سے اور مَطْعَمُہ ومَشْرَبُہ ومَلْبَسُہ تینوں جملے، اسی طرح غُذِیَ جملہ قائلًا یَارَبّ کے فاعِل (ضمیر) سے حال ہوگا۔ اَشْعَث، اَغْبَر دونوں حالِ متداخلہ یا مترادفہ ہیں۔ اور یَمُدّ الخ جملہ فعلیہ بھی حال ہے ای مَادًّا ایدیہ۔ یَارَبِّ یَارَبِّ ندائے مکرر جملہ ندا یقول محذوف کا مفعول بہ۔ مثل یمدّ حال۔ اگلے جملے یقول کی ضمیر سے حال ہیں۔ اخیر کا جملہ فعلیہ ہے۔

(۱۵۲) الحَلَالُ مبتدا بَیِّنٌ خبر۔ اسی طرح اگلا جملہ ہے۔ وبینہما ظرفِ محذوف خبر مقدم امورٌ مشتبھۃٌ مرکب توصیفی مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ۔ فَمَن الخ جملہ شرط کانَ الخ جزا۔ کَانَ میں ضمیر اس کا اسم لما اسْتَبَان لَہٗ متعلق اَتْرَكَ خبر۔ اس سے اگلا جملہ بھی شرط وجزا ہے۔ وَالمَعَاصِی مبتدا حِمَی اللہ خبر۔ اگلا جملہ شرط وجزا۔

(۱۵۳) رأیت کے دو مفعول ہیں۔ (۱) شَیْئًا (۲) اَھْوَنَ مِنَ الوَرَعِ۔ دَعْ فعل با فاعل مَا موصول اپنے صلہ یُرِیْبُكَ سے مل کر مفعول بہ اور اِلٰی اپنے مجرور (موصول وصلہ) سے مل کر متعلق۔

(۱۵۴) السَّمَاسِرَۃ نُسَمّٰی فعل مجہول کا مفعولِ ثانی، اور اول ضمیر نائب فاعل ہے۔

(۱۵۵) التَّاجِرُ دونوں صفات سے مل کر مبتدا یُحْشَرُ (محذوف) مع النبیّین الخ ظرف سے ملکر خبر۔

(۱۵۶) فُجَّارًا یُبْعَثُوْنَ کی ضمیر سے حال، اور جملہ مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ (تینوں جملے معطوفات) سے مل کر اِنَّ کی خبر۔

تشریح (۱۴۹) لفظ طیّبات کے لغوی معنی پاکیزہ ونفیس کے ہیں۔ چونکہ شریعت میں جو چیزیں حرام ہیں تو وہ پاکیزہ ہیں نہ اہلِ عقل واہلِ ایمان کے لئے نفیس ومرغوب ہیں۔ اسلئے طیّبات سے مراد حلال ومزیدار چیزیں ہیں، جو ظاہری وباطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ ونفیس ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا کہ تمام پیغمبروں کو ان کے اپنے اپنے وقت میں دو ہدایتیں دی گئیں۔ ایک یہ کہ کھانا پاکیزہ حلال کھاؤ۔ دوسری یہ کہ نیک عمل کرو۔ اور جب معصوم انبیاء علیہم السّلام کو یہ حکم ہے، تو ان کی اُمتوں کے لئے یہ حکم بدرجۂ اولیٰ زیادہ قابلِ اہتمام ہوگا۔ اور اصل مقصود یہی ہے کہ اُمتیں اس کا اہتمام کریں۔ اس حکم کی تاکید ہی کے لئے پیغمبروں کو خاص طور پر مخاطب بنایا گیا ہے۔ علماء نے دونوں حکموں کو ایک ساتھ ملانے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ حلال غذا کو عملِ صالح میں بڑا دخل ہے۔ جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ اور غذا حرام ہوتی ہے تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی مشکلات حائل ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ:۔

(۱۵۱) حضرتِ ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالےٰ پاکیزہ ہیں پاک ہی کو قبول فرماتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو بھی وہی حکم دیا ہے جو اپنے

رسولوں کو دیا ہے۔ یَآ اَیُّهَا الرُّسُلُ الآیۃ اور (مؤمنوں کے لئے) فرمایا۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا الآیۃ یعنی ہمارا دیا ہوا رزقِ حلال کھاؤ۔ یہ فرماکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غذائے حرام کی نحوست کو بیان فرمانے کے لئے اس شخص کا ذکر کیا جو طویل السفر، پریشان حال، پراگندہ اور غبار آلود ہے۔ ایسے شخص کی دُعا ضرور قبول ہونی چاہیئے تھی۔ کیونکہ سفر نیں اور پریشان حال مؤمن کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں لیکن وہ شخص آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بار بار پروردگارِ عالم کو پکارتا ہے۔ اور اسکی دُعا قبول نہیں ہوتی کیونکہ اس کا کھانا حرام، پینا حرام، لباس حرام، اور وہ حرام غذا سے پلا بڑھا ہے۔ تو اس کی دعا قبول کیسے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہیں اور پاک ہی کو قبول فرماتے ہیں۔ جس کے رگ و ریشہ میں اور ظاہر و باطن میں حرام و ناپاک کے اثرات موجود ہیں اس کے لئے قبولیت کے در کیسے کشادہ ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث میں عدمِ قبولیت کی ایک صورت کو واضح فرما دیا گیا، اگر مالِ حرام سے صدقہ دیا جائے وہ بھی قبول نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ الصَّلٰوۃَ بِغَیْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةً مِّنْ غُلُوْلٍ۔ (مشکوٰۃ ملا)

فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ میں یا تو ذٰلِكَ سے اشارہ ہے الرَّجُل کی طرف، تو لام صلہ کا ہوگا۔ اور اگر اشارہ ہے مطعم و مشرب وغیرہ کے حرام ہونے کی طرف تو لام تعلیل کے لئے ہے

فوائد

(۱) الرَّجُل مفعولیت کی بنا پر منصوب ہے۔ اور بعض نسخوں میں مرفوع ہے۔ اس صورت میں مبتدا ہوگا، اور اس کا مابعد خبر ہوگا۔ اور پورا جملہ ذَکَرَ کا مفعول بہ ہوگا۔

(۲) یَا رَبِّ یَا رَبِّ میں اشارہ ہے کہ یہ صفتی نام اجابتِ دُعا میں زیادہ مؤثر ہے۔ کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی تربیت و احسان اور جود و امتنان وغیرہ کا اعتراف و اقرار پایا جاتا ہے۔ اسی لئے نصوص میں اکثر دُعائیں اسی سے شروع ہوتی ہیں۔ جعفر صادقؒ کا قول ہے کہ جس کو کوئی مصیبت پیش آجائے اور وہ رَبَّنَا پانچ بار صدق دل سے کہے تو حق تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دیدیں گے۔ اور اس کی مُراد پوری فرمادیں گے۔ کیونکہ سورۂ آل عمران کے اخیر میں بندوں کی دُعائیں اس کو پانچ بار ذکر فرماکر فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ فرمایا اور ان کی دعا کی قبولیت کی اِطلاع کردی ہے۔

(۳) غُذِیَ۔ نصر سے فعل مجہول (بضم الغین وکسر الذال المعجمۃ المخففۃ) ہے۔ کذا اضبطہ النوویؒ۔ اور مصابیح کے نسخوں میں بتشدید الذال واقع ہوا ہے کذا ذکرہ الطیبیؒ وھو کذلك فی بعض نسخ المشکوٰۃ۔

(۴) کھانے پینے اور لباس کے حرام ہونے کا ذکر کرنے کے بعد غُذِیَ بِالْحَرَامِ کا ذکر کرکے بتا دیا کہ بچپن سے بڑھاپے تک حرام سے اس کی پرورش ہوئی، پھر مطعم کے حرام ہونے سے اس کو غذا بنالینا اور کھانا لازم نہیں۔ اس لئے بھی غذا کا ذکر مستقلاً مناسب ہوا۔ نیز صغر و کبر کے دونوں

حالوں کے برابر ہونے کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔ ای ای مُنفِقًا فی حَالِ کبرہ ومُنفقًا علیہ فی حَالِ صغرہ فی وصول الحرام الی باطنہ فیکون اشارۃ الیٰ عدمِ قبولِ دعائہ لکونہ مُصِرًّا علی الحرام۔ واللہ اعلم بالمرام۔

(۵) فَاَنّٰی یُستَجَابُ لِذٰلِکَ اس سے معلوم ہوا کہ کھانے پینے پر قبولیت وعدمِ قبولیتِ دُعا موقوف ہے اسلئے یہ مشہور ہے کہ دُعا کے دُو بازو ہیں۔ اکلِ حلال وصدقِ مقال۔ جن سے وہ اُڑکر آشیانۂ قبولیت تک پہونچتی ہے۔ (۶) علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ جس رجل کا قصہ حدیث میں بیان ہوا وہ حاجی ہوگا۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں حاجی توراہِ خدا میں تھکا ہوا، پراگندہ حال ہوتا ہے جبکہ حرام کی وجہ سے اُس کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ تو ایسے دوسرے لوگوں کی بدرجۂ اولیٰ قبول نہوگی۔ اور مجاہد فی سبیل اللہ کا بھی یہی حال ہے لقولہٖ علیہ السلام طُوبٰی لِعَبدٍ اٰخِذٍ عِنَانَ فَرَسِہٖ فِی سَبِیلِ اللہِ اَشعَثَ رَاسُہٗ مُغبَرَّۃٍ قَدَمَاہُ اھ۔

(۷) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قبولیتِ دعا وانوارِ معرفت کی استعداد کے حصول کے لئے اکلِ حلال کی بڑی زبردست اہمیت ہے۔ کم ازکم اتنے حرام سے ضرور بچنا چاہیئے جو فتویٰ کی رُو سے حرام ہو۔ گویا تقویٰ اس سے بھی بلند چیز ہے کہ اس میں شبہات اور بعض مباحات کو بھی ترک کرنا ہوتا ہے۔ عام لوگوں کا تقویٰ یہی ہے کہ وہ فتویٰ پر عمل کریں۔ وَوَرَعُ الصَّالِحِینَ تَرکُ مَالَا بَاسَ بِہٖ مَخَافَۃَ مَا فِیہِ بَاسٌ۔ لیکن ابھی زمانے میں اکثر حالات میں حلال مفقود ہے۔ تو ظاہری حرام سے بچتا رہے، اور زیادہ تحقیق وتفتیش نہ کرے، ورنہ بھوکا مرجائے گا۔ حضرت شیخ (مولانا محمد زکریا صاحبؒ) نے میرے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا کہ "اگر حلال کا رزق مطلوب ہے تو کسی جنگل میں چلے جاؤ اور خود رو درختوں کے پتے کھا کر زندگی پوری کرلو۔ دنیا میں تو اب حلال مِل نہیں سکتا، مگر یہ خیال کرلینا کہ علومِ نبوتیہ کی امانت جو تمہارے پاس ہے قیامت میں اس کا سوال ہوگا کہ کیوں نہیں پہونچائی" وقال بعض الظرفاء ؎

يَقُولُ الجَهُولُ بِغَيرِ عِلمٍ ÷ دَعِ المَالَ الحَرَامَ قُنُوعًا

جاہل بغیر علم کے مجھے فتویٰ دیتا ہے ÷ کہ حرام کو چھوڑ دے قناعت کرلے

فَلَمَّا لَم اَجِد مَالًا حَلَالًا ÷ وَلَم اٰکُل حَرَامًا مُتُّ جُوعًا

تو میں نے حلال مال نہ پایا ÷ اور کچھ نہیں کھایا تو میں بھوکا مرگیا

بہرحال اب امام ابوحنیفہؒ کے دور کا حلال طلب کرنا تو بے سود ہے، البتہ حتی الوسع احتیاط ضروری ہے۔ اور کھلے ہوئے حرام سے بچنا فرض ہے۔ اور ضرورت پر اہون کو اختیار کرلینا حکمت کی بات ہے۔

قال بعض المشائخ المضطر اذا وجد غنمًا میتًا فلا یاکل من الحمار المیّتِ واذا وجد الحمار فلا یتناول من الکلب واذا وجد الکلب لا یقرب من الخنزیر ولا ینبغی ان یساوی بین الاشیاء کسفہاء الفقہاء حیث یقولون الحلال ما حل بنا والحرام ما حرم منا۔ واللہ اعلم

نسیم احمد غازی مظاہری

(۱۵۲) اس روایت کے الفاظ مشکوٰۃ شریف میں اس طرح ہیں۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِيْ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ اَلَا وَاِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى اَلَا وَاِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ اَلَا وَاِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ۲۴۱)

حضرت نعمان بن بشیرؓ کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں جن کا صحیح حکم اکثر لوگوں کو معلوم نہیں، جو شخص ان مشتبہ باتوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین و آبرو کو پاک و صاف رکھے گا اور جو ان شبہات میں مبتلا ہوگیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہوکر رہیگا۔ اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو (اپنے جانوروں کو مخصوص) جنگل کے ارد گرد چراتا ہے قریب ہے کہ اسکے وہ جانور اسکے اندر بھی جا پڑیں۔ یاد رکھو کہ ہر بادشاہ کا ایک جنگل مخصوص ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا مخصوص جنگل اسکے محرمات ہیں، خوب سُن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے یاد رکھو کہ وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دِل ہے۔

اس کے الفاظ مشکوٰۃ الآثار کی مذکورہ روایت سے زائد اور زیادہ واضح ہیں۔ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصّہ کھُلا ہوا حلال یا کھُلا ہوا حرام ہے۔ اسپر عمل تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں، یہ تو ہر شخص کا فرض ہے۔ البتہ دین کا ایک حصّہ ایسا بھی ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص لوگ اور اونچے علماء اگرچہ اس کا حکم بھی جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ پر اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے۔ یہی حصّہ انسان کی کمزور فطرت کی امتحان گاہ ہے، جس نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا اس نے متدین طبقہ کی نظر میں اپنی دینی عظمت و محبت کا معاملہ مشتبہ بنا دیا۔ لیکن جس نے ہمت سے ان امور سے بچکر یہ ثابت کردیا کہ اس کے قلب میں دین کا بڑا احترام ہے، اس نے اپنے دین و آبرو کی صفائی پیش کردی۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ یہاں زیر بحث ہی نہیں، وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے۔ وہ علمی ذوق پیدا کرکے اشتباہ کی تاریکیوں سے نکل چکا ہے۔ اسلئے اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی تحقیق پر عمل کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں کوئی اشتباہ ہی نہیں ہے۔ تو اس کے لئے اِتقاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں، کیونکہ تقویٰ و احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان نہیں۔ یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی کارآمد نہیں۔ بلکہ قلبِ انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہے۔ اسلئے نبیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمادی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے

سلامتیِ قلب حاصل کرو۔ کیونکہ انسان کے بگاڑ اور سدھار کا دارومدار اسی قلب کے بگاڑ اور سدھار پر موقوف ہے۔

اور قلب کی سلامتی یہ ہے کہ ایک ذاتِ پاک وحدہٗ لاشریک لہٗ کی محبت کے سوا سے وہ پاک ہوجائے اور اعمالِ صالحہ اور رضائے حق کی جستجو کے سوا اس میں کوئی اور جذبہ باقی نہ رہے۔ جب دِل میں یہ صفت پیدا ہوجائے گی تو ظاہری اعضاء خود بہ خود اوامرِ شرعیہ کی بجاآوری کے لئے مضطرب ہوجائیں گے۔ اور محرماتِ شرعیہ تو درکنار امورِ مشتبہ سے بھی وہ متنفر ہوجائیں گے۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح کی سلامتی پیدا نہیں ہوئی تو وہ بدستور خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار رہیگا اور اعضائے ظاہری اس کی اتباع کریں گے۔ کیونکہ اعضائے انسانی میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی، جس طرح فوج کی صلاح وفساد کا مدار بادشاہ کی صلاح وفساد پر ہوتا ہے اسی طرح تمام اعضاء کی صلاح وفساد قلب کی صلاح وفساد پر موقوف ہے۔ تو اصل چیز اصلاحِ قلب ٹھہری۔

مسندِ احمد میں حضرت انسؓ کی روایت میں ہے "لَا یَسْتَقِیْمُ اِیْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰی یَسْتَقِیْمَ قَلْبُہٗ" (کسی بندہ کا ایمان اسوقت تک درست نہیں ہوسکتا جبتک کہ اس کا قلب درست نہوجائے) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا۔ (اے اللہ میں آپسے سلامتی والا دِل مانگتا ہوں) آیتِ ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ہ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ہ خلاصہ یہ ہے کہ اعضائے ظاہری کی سلامتی کا راز سلامتیِ قلب میں مضمر ہے۔

چند ضروری اُمور

(۱) تحقیقِ بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہوجاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے، دوسرے نہ جاننے والے۔ حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں۔ یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ غلط اور خلافِ واقع معلوم ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی نہ جاننے والوں میں شامل ہے۔

(۲) قرآن وحدیث نے اگرچہ تمام حلال وحرام کو واضح کردیا ہے تاہم وضاحت کے لحاظ سے مراتب کا تفاوت ضرور ہے۔ مثلاً بعض حلال وحرام تو ایسے ہیں کہ وہ عوام وخواص تک بتواتر پہونچ چکے ہیں ان میں کوئی اشتباہ واختلاف نہیں ہوسکتا۔ کلحمِ الخنزیرِ والخمر۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ بتواتر نہیں پہونچ سکے۔ اس حصّہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہوسکتا ہے، جیسے گھوڑے کا گوشت، اور اس نبیذ کا پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہوجائے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم کے حاصل ہونے کے باوجود اشتباہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض ہوجائے۔ مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ اشیاء میں اصل طہارت ہے

تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں، اور ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیئے۔ اور اگر غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کیجائے تو ظاہر ہے کہ برتن ناپاک ہیں، ان کو پاک کیئے بغیر استعمال نہ کرنا چاہیئے۔ ایسی صورتوں میں حدیث مذکور یہی حل پیش کرتی ہے کہ ایسے محلِ شبہ سے اجتناب ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔
(۳) گو شبہات سے محتاط رہنے کا حکم اسی کو ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن جس کے حق میں اشتباہ نہو اگر وہ بھی اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محلِ شبہ کو ترک کردے تو یہ بھی ایک صفتِ کمال ہے۔
مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے، آپکی زوجۂ مطہرہ حضرت صفیہؓ زیارت کے لئے آئیں، واپسی پر آپ چند قدم اُن کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاق سے کوئی صحابیؓ ادھر سے گذرے، آپنے ان کو ٹھہرا کر بتا دیا کہ یہ صفیہؓ ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ بھلا آپکے متعلق کوئی بدگمانی ہوسکتی ہے؟ فرمایا ٹھیک ہے، لیکن شیطان خون کی طرح انسان کے رگ وپے میں دوڑتا ہے (اسلیئے وسوسہ سے بچانے کے لئے صفائی پیش کردی گئی) اس واقعہ میں محلِ اشتباہ نہ تھا، عصمت کے بلند ترین مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود شرعی احکام میں آپنے خود کو عوام کی صف میں اُن کے برابر رکھا۔ دوسروں کو مواضعِ تہمت سے بچنا تو اور بھی زیادہ ضروری ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لیگئے تو لوگ نماز سے فارغ ہوکر گھروں کو رخصت ہوچکے تھے، آپنے نظر بچا کر ایک گوشہ میں نماز ادا فرمائی اور فرمایا جو خدا سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔
اس واقعہ سے سبق ملتا ہے کہ فرائض وواجبات کی کسی اتفاقی کوتاہی کو منظرِ عام پر لانا کمال کی بات نہیں، شرم کی بات ہے۔ بہرحال مذکورہ دونوں واقعات میں گو شبہ کا کوئی محل نہ تھا مگر عوام کی غلط فہمی اور ان کی طعن وتشنیع سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ جو ایک امرِ مستحسن ہے (ترجمان السنۃ ج۲)
فَاتَّقُوا مَوَاضِعَ التُّهَمِ۔
(۵۲) حسان بن ابی سنانؒ فرماتے ہیں کہ ورع وپرہیزگاری سب چیزوں سے زیادہ آسان ہے۔ اسمیں کچھ کرنا نہیں پڑتا، صرف اس میں اتنا کام ہے کہ تردد کی جانب سے ہٹ جاؤ، اور جس جانب تردد نہو اس کو اختیار کرلو۔ دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ (رواہ النسائی والترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح) ابن رجبؒ نے فرمایا کہ یہ کلام موقوفاً صحابہؓ کی ایک جماعت (عمرؓ وابن عمرؓ وابوالدرداءؓ وغیرہم) سے منقول ہے۔ وعن الحسن بن علی (مرفوعًا) قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دع ما یریبك الی ما لا یریبك فان الصدق طمانینۃ وان الکذب ریبۃ۔ (مشکوٰۃ ص۲۴۲)
دراصل حق تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا فرماکر ان میں حق وناحق کا احساس وامتیاز بھی اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواسِ خمسہ میں ظاہری اشیاء کا احساس رکھا ہے، جبتک

انسان صحیح فطرت پر قائم رہتا ہے تو اس کے باطنی حواس بھی ظاہری حواس کی طرح ٹھیک ٹھیک کام کرتے ہیں انسانی فطرت اوامر الٰہیہ سے مانوس اور منہیات سے متنفر ہوتی ہے۔ لیکن جب خارجی اسباب کی بنا پر فطرت انسانی خراب اور حواس فطری ماؤف ہوجاتے ہیں تو پھر اس کو حق و ناحق اور صحیح و غلط میں اسی طرح امتیاز باقی نہیں رہتا جیسے نابینا کو سرخ و سفید رنگوں میں امتیاز نہیں رہتا۔ اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ جن باتوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد نہ ملے تو یہ دیکھو کہ اللہ کے نیک بندے اُن کو اچھا سمجھتے ہیں تو وہ اچھی اور اگر اُن کو بُرا سمجھیں تو وہ بُری ہیں۔ حضرت وابصہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا تم نیکی اور گناہ کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں! آپ نے فرمایا کہ اپنے دل سے فتویٰ لے لو۔ جس بات پر تمہارا دل ٹھک جائے وہ نیکی ہے، اور جس میں کھٹک اور تردد ہو وہ گناہ ہے۔ اگرچہ لوگ تمکو کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔

مفتی کے فتوی کے مقابلہ میں قلبی فتویٰ کی ترجیح کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اسکے ظن و تخمین یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ ان دونوں شرطوں کے پائے جانے کے وقت قلب سلیم کا فتویٰ بلاشبہ ان مفتیوں کے ہزاروں فتووں سے بھاری ہے جن کے فتووں کی بنیاد ظن اور تخمین ہو۔ لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ طوعاً و کرہاً بہر صورت اسپر راضی و عمل پیرا ہو۔ حاصل یہ ہے کہ دلیل شرعی سامنے آجائے تو قلبی انشراح اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہوجاتے ہیں۔

(۱۵۴) غَرَزَۃ (غین، رار، زار تینوں مفتوح ہیں) سَمَاسِر۔ سِمسار بالکسر کی جمع ہے منتظم و قیم اور حافظ و نگراں اسکے اصل معنی ہیں۔ پھر بائع و مشتری کے بچولیا یعنی دلال پر اس کا استعمال ہونے لگا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بجائے تجارت پیشہ لوگوں کو تجار کا نام دیا۔ مشکوٰۃ میں ہے فَسَمَّانَا بِاسْمٍ هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّ الْبَيْعَ يَحْضُرُهُ اللَّغْوُ وَالْحَلْفُ فَشُوْبُوْهُ بِالصَّدَقَةِ۔ (یعنی ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سماسرہ کہا جاتا تھا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمارا نام اس سے اچھا رکھدیا اور فرمایا " اے تاجروں کی جماعت "تجارت میں بیہودہ باتوں اور قسم کھانے کی نوبت آتی ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ صدقہ کو ملالو۔) کیونکہ صدقہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ (صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ والمشھور ان صدقۃ صغیرۃ تدفع ذنوبا کثیرۃ والمدار علی القبول وفضل اللہ اوسع مما تتصورہ العقول۔ اور تاجر عرف عام میں بھی دلال سے بہتر شمار ہوتا ہے۔ یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے کہ سمسار ظلماً چنگی وصول کرنیوالوں پر بھی بولا

جاتا ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ عہدِ نبوی میں یہ نام گھٹیا لوگوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہو۔ اسی لئے لفظِ تجار کو احسن فرمایا گیا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ تجارت اور سمسرہ دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں یعنی التصرف فی راس المال طلبًا للربح لیکن قرآنِ پاک میں لفظِ تجارت کو بہت سی جگہوں پر مقامِ مدح میں ذکر فرمایا گیا، اسلئے تاجر کا لفظ سمسار سے اچھا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ لغو اصل میں چڑیوں کی آواز کو کہتے ہیں۔ اور شریعت میں اُس بیہودہ بات کو کہتے ہیں جو بغیر سوچے سمجھے منہ سے نکل جائے، جس میں نہ دنیا کا فائدہ ہو نہ آخرت کا اسی طرح باطل قول اور گالی گلوچ اور فعل باطل پر بھی لغو کا اطلاق ہوتا ہے۔ مؤمنوں کی صفت بیان فرمائی گئی ہے وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ اور وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ میں قولِ باطل گالی گلوچ اور وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا میں فعل باطل مراد ہے۔

(۱۵۵) اَلتَّاجِر خواہ وہ کسی بھی تجارت میں مشغول ہو (وَلٰكِنَّ اَفْضَلَ اَنْوَاعِ التِّجَارَةِ الْبَزُّ ثُمَّ الْعِطْرُ) اگر وہ قولًا وفعلًا صادق ہے جس میں اچھے اخلاق اور عمدہ اعمال کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ ہر نوع کی خیانت سے محفوظ و مامون ہو، ظاہر بات ہے کہ ایسا شخص جملہ صفاتِ کمال سے متصف اور اس بات کا مستحق ہوگا کہ وہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین و شہداء جیسے باکمال حضرات کے ساتھ محشور ہو جو صدق وامانت کے اعلیٰ کمالات سے متصف ہوتے ہیں۔

(۱۵۶) فُجّار، فُجُور سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنیٰ راہِ راست سے ہٹ جانے کے ہیں، اور کاذب کو بھی فاجر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ راہِ راست سے ہٹ گیا۔ اِلَّا مَنِ اتَّقٰى وَبَرَّ میں حقوق اللہ وحقوق العباد کیطرف اشارہ ہے۔ کہ وہ کبائر وصغائر سے بچنے کا اہتمام کرے، کذب وخیانت سے باز رہے۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اور عبادت واطاعتِ خداوندی سے غافل نہ ہو۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ الآیۃ میں داخل رہے۔ وَصَدَقَ تاکید ہے کہ جھوٹی قسم نہ کھائے اور کوئی بات جھوٹی نہ کہے۔ جیسا کہ عموماً دنیا دار تاجروں کی عادت ہوتی ہے۔

حضرت قیس بن ابی غرزہ رضؓ

هو قيس بن ابي غرزة الغفاري عداده في اهل الكوفة روى عنه ابو وائل شقيق بن سلمة وليس له الا حديث واحد في ذكر التجارة

غرزة بفتح الغين المعجمة وفتح الراء المهملة والزاء المعجمة۔

حضرت رفاعہ رضؓ

هو رفاعة بن رافع يكنى ابا معاذ الزرقي الانصاري شهد بدرًا واحدًا وسائر المشاهد مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وشهد مع علي الجمل وصفين مات في اول امارة مُعاوية روى عنه ابناه عبيد ومعاذ وابن اخيه يحيى بن خلاد۔

(۱۵۷) عَنْ صَخْرِنِ الْغَامِدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت صخر غامدیؓ نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا وَكَانَ صَخْرٌ رَجُلًا تَاجِرًا وَكَانَ
اے اللہ میری امت کیلئے اسکے صبح سویرے جانے میں برکت عطا فرما، اور حضرت صخرؓ تاجر آدمی تھے، اور وہ جب اپنے
اِذَا بَعَثَ تِجَارَةً بَعَثَ اَوَّلَ النَّهَارِ فَاَثْرٰى وَكَثُرَ مَالُهٗ۔ (ترمذی ص۱۴۵ ج۱ مشکوٰۃ ص۳۳۸)
تاجروں کو بھیجتے تو صبح کے وقت بھیجتے تھے۔ تو وہ مالدار ہوگئے اور ان کا مال بہت ہوگیا۔

(۱۵۸) عَنْ سُوَيْدِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ جَلَبْتُ اَنَا وَمَخْرَفَةُ الْعَبْدِيُّ بَزًّا مِّنْ
حضرت سوید بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ میں اور مخرفہ عبدی (دونوں) ہجر سے بزازہ لائے
هَجَرَ فَجَاءَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاوَمَنَا السَّرَاوِيْلَ وَ
تو ہمارے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم سے ایک پاجامہ کا سودا کیا۔ اور
عِنْدِيْ وَزَّانٌ يَزِنُ بِالْاَجْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
میرے پاس تولہا تھا جو اجرت لیکر تولتا تھا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
لِلْوَزَّانِ زِنْ وَاَرْجِحْ۔ (ترمذی ص۱۵۶ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۵۳)
تولہا سے کہا تولو: اور جھکتا تولو۔

(۱۵۹) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ
خِيَارُكُمْ اَحَاسِنُكُمْ قَضَاءً۔ (بخاری ص۳۲۲ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۳)
ہیں جو بہتر طریقہ پر ادا کردینے والے ہوں۔

(۱۶۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی
اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ لَهٗ اَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ
تنگدست کو مہلت دے یا اس کو بالکل معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے عرش کے تلے سایہ
يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّ عَرْشِهٖ۔ (ترمذی ص۱۵۶ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۵۱)
عطا فرمائیں گے جس دن عرش الٰہی کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(۱۶۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا
يَقُوْلُ مَاتَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهٗ مَا كُنْتَ تَقُوْلُ قَالَ كُنْتُ اُبَايِعُ
آپ فرماتے تھے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا تو اس سے سوال کیا گیا کہ تم کیا کرتے تھے۔ اسنے کہا لوگوں سے خرید و فروخت

النَّاسَ فَأَتَجَوَّزُ عَنِ الْمُوسِرِ وَأُخَفِّفُ عَنِ الْمُعْسِرِ فَغَفَرَ لَهُ۔ {بخاری ص۲۲۳ ج۱، مشکوٰۃ ص۲۴۳}

کرتا تھا اور مالدار سے چشم پوشی کرتا اور غریب کو معاف کردیتا تھا تو اللہ نے اس کو بخشدیا۔

(۱۶۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرَى وَإِذَا اقْتَضَى۔

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے کہ جب بیچے اور جب خریدے اور جب تقاضا کرے تو وہ نرم ہو۔

(بخاری ص۲۷۸ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۳)

(۱۶۳) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةٍ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلّہ کے ایک ڈھیر پر گذرے

مِنْ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ يَا صَاحِبَ

اور اپنا ہاتھ اس کے اندر داخل فرمایا تو آپ کی انگلیاں تر ہوگئیں آپنے فرمایا اے غلّہ والے

الطَّعَامِ مَا هٰذَا قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَفَلَا جَعَلْتَهُ

یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یا رسول اللہ اس کو بارش پہونچگئی تھی، فرمایا تو اس کو غلّہ کے اوپر

فَوْقَ الطَّعَامِ حَتّٰى يَرَاهُ النَّاسُ ثُمَّ قَالَ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔

کیوں نہ کردیا تاکہ لوگ اس کو دیکھتے پھر فرمایا جو دھوکہ دے وہ ہمارا نہیں۔

(ترمذی ص۱۵۷ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۴۸)

(۱۶۴) عَنْ أَبِي بَكْرِنِ الصِّدِّيقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص

مَلْعُوْنٌ مَنْ ضَارَّ مُؤْمِنًا أَوْ مَكَرَ بِهِ۔ (ترمذی ص۱۶ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۸)

ملعون ہے جو کسی مومن کو نقصان پہونچائے یا اس کے ساتھ دھوکہ کرے۔

(۱۶۵) عَنْ أَبِي صِرْمَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ

حضرت ابوصرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو (کسی مومن کو)

ضَارَّ ضَارَّ اللّٰهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔

نقصان پہونچائے اللہ اُسے نقصان پہونچائے اور جو (کسی مومن کو) مشقت میں ڈالے خدا اس پر مشقت ڈالے۔

(ترمذی ص۱۶ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۸)

لغات: مُبَكِّرٌ ہر چیز میں سے پہلے تیار ہونوالی، صبح سویرے۔ (ن) آگے بڑھنا، صبح کے وقت آنا۔

صبح سویرے کرنا (س) جلدی کرنا۔ باکورۃ پہلا میوہ۔ اَثریٰ بہت مالدار ہونا (ن س) بہت مال والا ہونا مالداری میں بڑھنا۔ بزّ اکتان یا روئی کے کپڑے۔ ہتھیار۔ ج بُزُوزٌ (ن) چھیننا، غالب ہونا، زبردستی لینا۔ بزّاز پارچہ فروش۔ هجر موضع قریب من المدینۃ۔ فساومنا مفاعلۃ سے سامان کا بھاؤ تاؤ کرنا۔ سام سوما سواما (ن) قیمت بتانا، فروخت کے لئے پیش کرنا۔ سراویل سروال، سروالۃ، سرویل کی جمع یہ کلمہ فارسی اور مؤنث ہے۔ گاہے مذکر بھی استعمال ہوتا ہے۔ وزّان صیغہ مبالغہ۔ وزن کرنے والا۔ بابۂ ضرب۔ اَرجح (ف ن ض) جھکنا، بوجھل ہونا، کرنا، اندازہ کرنا۔ انظر مہلت دینا افعال سے۔ معسرا تنگدست (ن ض) سخت ہونا، تنگدست ہونا، دشوار ہونا۔ تقول۔ قول کے ایک معنیٰ فعل کے بھی آتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہیں۔ اتجوز برداشت کرنا چشم پوشی کرنا، اختصار کرنا، معاف کرنا۔ (ن) چلنا، گذرجانا۔ اُخففُ تخفیف ہلکا کرنا (ض) کم ہونا، ہلکا ہونا، جلدی کرنا۔ سمحا صفت ج سماح، سمحاء مسامیح، فیاض، سخی، بابۂ کرم (ف) بخشش کرنا، دینا، تیز رفتار ہونا۔ اقتضی افتعال سے چاہنا تقاضا کرنا، طلب کرنا۔ (ض) فیصلہ کرنا، جتانا، بیان کرنا، آدا کرنا، پورا کرنا۔ صُبرۃ غلہ کا ڈھیر، سخت پتھروں کا ڈھیر۔ ج صِبار (ض) دلیری کرنا، رُک جانا، روکنا حبسُ النفسِ علیٰ ما یکرہ۔ (ن) ضامن ہونا، ضامن دینا۔ بَلّا تری (س) کامیاب ہونا، تر ہونا (ض) صحتیاب ہونا۔ (ن) تر کرنا۔ السماء بارش، بادل، آسمان، فضائے واسع، ہر وہ چیز جو تم سے اوپر ہو، گھوڑے کی پیٹھ۔ ج سمٰوٰت، سماوات (الف کو صرف کتابت میں حذف کرتے ہیں) سما یسمو سموا (ن) بلند ہونا غش (ن) خلافِ ضمیر ظاہر کرنا، دھوکا دینا، غشّ دھوکے باز ج غشون۔ غاش دھوکہ باز ج غشاش، غششۃ۔ ضارّ مفاعلۃ سے نقصان دینا، تکلیف پہونچانا۔ (ن) نقصان دینا، مجبور کرنا۔ الضارّ اسم باری تعالیٰ۔ شاقّ دشمنی کرنا، مخالفت کرنا۔ (ن) دشوار کرنا، مشقت میں ڈالنا۔

ترکیب (۱۵۷) اللّٰھمّ۔ یا اللّٰہ یا اللّٰہ اُمّ بخیر۔ مرکبۃ۔ بارک اپنے فاعل ضمیر اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ والاضافۃ فی بکورھا لادنی ملابسۃ۔ بعث اپنے فاعل ضمیر راجع الی صخر اور مفعول بہ و مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ۔ فاثریٰ ای صار ذوثروۃ۔ جملہ فعلیہ۔ وکثر مالہ جملہ فعلیہ عطف تفسیری۔

(۱۵۸) والمخرفۃ میں واو عاطفہ ہے۔ یا بمعنی مع ہے۔ یمشی جملہ فعلیہ جاء کی ضمیر سے حال ہے ای جاءنا ماشیا۔

(۱۵۹) خیارکم مبتدا احاسنکم اپنی تمیز قضاءً سے مل کر خبر۔

(۱۶۰) ترکیب ظاہر ہے۔ اور اس کے مثل گذر بھی گئی۔

(١٦٢) رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا موصوف وصفت یا ذوالحال وحال۔ اور اِذَا ظرفیہ ای وقت البیع و والشراء والتقاضی۔ سَمْحًا کا ظرف۔

(١٦٣) اَفَلَا جَعَلْتَهٗ ای اسْتَرْتَ البَلَلَ فلا جعلته فوق الصُّبْرَةِ حتّٰی یَرَاهُ النَّاسُ۔

اس میں فاء عاطفہ اور معطوف علیہ محذوف ہے۔

(١٦٤) اس میں دونوں جملے شرط و جزا ہیں۔

تشریح

(١٥٧) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی جدوجہد اور کوشش وسفر کرنے کے بارے میں اپنی اُمّت کیلئے برکت کی دُعا فرمائی۔ آپ کا معمول بھی یہی تھا کہ جب کسی لشکر کو بھیجتے تو صبح کے وقت روانہ کرتے۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے وکان اذا بعث سریۃً او جیشًا بعثھم من اوّل النّھارِ۔ اسلئے بہتر یہ ہے کہ کسب، طلب علم، تجارت یا اور کسی غرض سے جو سفر کیا جائے وہ صبح کے وقت شروع کیا جائے۔ چنانچہ راوی (حضرت صخرؓ) نے تو اس کو اپنا معمول ہی بنالیا تھا، وہ اپنے تاجروں اور نوکروں کو صبح کے وقت ہی تجارت کے سفر پر روانہ کرتے تھے جس کی برکت سے وہ بہت مالدار ہوگئے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا تو بلاشک مقبول ہے ہی حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس دُعا کو یوم الخمیس یعنی جمعرات کے دن کے ساتھ مقید بیان کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔

(١٥٨) سُوید بن قیسؓ کہتے ہیں کہ میں اور مخرفہ دونوں مقام ہجر (جو مدینہ کے قریب ایک بستی ہے) سے بزّازہ لائے (امام محمدؒ نے فرمایا کہ اہل کوفہ کے نزدیک بز کتّان اور روئی کے کپڑوں کو کہتے ہیں۔ اونی اور ریشمی کپڑوں کو نہیں کہتے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پیدل چلکر تشریف لائے۔ اور ہم سے ایک پائجامہ کا بھاؤ تاؤ کر کے خرید لیا۔ اور جو شخص وہاں ثمن کے دراہم تولتا تھا اس کو ہدایت فرمائی کہ تولو اور جھکتا تولو۔ اس حدیث سے پارچہ فروشی کا جواز ثابت ہوا۔ ہم قریب میں لکھ چکے ہیں کہ یہ تجارت میں سب سے بہتر ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں فَاَتَیْنَا بِهٖ مَکَّۃَ ہے۔ یعنی ہم وہ کپڑا مکہ لیکر آئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ مکّہ مکرمہ کا اور آپ کی حیات ظاہری کے اخیر کا ہے۔ پھر آپ پیدل چلکر تشریف لائے۔ یہ آپ کی تواضع پر دلیل ہے۔ آپ نے بھاؤ تاؤ کیا۔ اس سے خریداری کے وقت بھاؤ اور صفائی کے ساتھ معاملہ طے کرنا معلوم ہوا۔ اور زِنْ وَاَرْجِحْ کا لفظ حسنِ ادا پر دلالت کرتا ہے۔ جس کا حق ذمہ ہو اس کو کچھ زائد دینے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ اور اپنی طرف سے حق سے زائد ادا کرنا جود وکرم کی دلیل بھی ہے۔ اس حدیث سے تولنے پر اُجرت لینے کا جواز بھی معلوم ہوا۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ پائجامہ کا خریدنا تو ثابت ہی (اور آپنے اس کو پسند بھی فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس میں پردہ زائد ہے) لیکن آپنے پائجامہ زیب تن

فرمایا یا نہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جب خریدا تو پہنا بھی ہوگا۔ اور بعض نے کہا کہ آپ نے خریدا تو ہے مگر پہنا نہیں۔ اور حضرت عثمان غنیؓ نے بھی اسی دن پائجامہ پہنا تھا جس دن وہ شہید ہوتے تھے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ جب خریدا تھا تو پہنا بھی ہوگا۔ اور آپ کے زمانہ میں پائجامہ پہننے کا رواج بھی تھا۔ بعض صحابہؓ (حضرت علیؓ و حضرت ابوبکرؓ وغیرہ پائجامہ پہنتے تھے) لیکن صحیح یہ ہے کہ صرف پائجامہ خریدنا ثابت ہے۔ آپؐ کے پہننے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں۔ لیکن کیونکہ آپنے پہننے کے لئے خریدا اور اس کو پسند بھی فرمایا، اور صحابہؓ نے بھی پہنا، اسلئے پائجامہ کا پہننا سنت ہے۔ اور لنگی باندھنا بھی سنت ہے۔ اِس زمانہ میں بعض ایسے بددین لوگ ہیں (جو بظاہر علماء میں شامل ہیں) کہ وہ لنگی پہننے کو عیب سمجھتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ کسی بھی سنت کی تحقیر کفر ہے۔

(۱۵۹) اس روایت میں بھی اسی کی تاکید و ترغیب ہے کہ دوسروں کے مطالبوں کو عمدہ طریقے سے ادا کیا جائے چنانچہ سب سے بہتر وہی لوگ ہیں جو دوسروں کے حقوق و مطالبات کی ادائیگی بہت اچھی طرح کر دیں۔ کہ ٹال مٹول نہ کریں۔ حق میں کمی نہ کریں، بلکہ جود و کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ زائد ہی ادا کر دیں۔

(۱۶۰) مشکوٰۃ میں ابوالیسرؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ وَضَعَ عَنْهُ اَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهٖ۔ (رواہ مسلم) اس حدیث پاک میں تنگدست مدیون کو مہلت دینے یا اس سے دَین کا جزء یا کل معاف کر دینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت ابوقتادہؓ کی روایت میں ہے مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّنْجِيَهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُّعْسِرٍ اَوْ يَضَعْ عَنْهُ۔ قرآن پاک میں ہے وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (بقرۃ) اور اگر مدیون تنگدست ہے تو اس کو فراخدستی تک مہلت دینی چاہیئے۔ اور اگر تم اس کا قرض معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔) مدیونِ مفلس کے ساتھ نرمی و مساہلت کا معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اس آیت کے علاوہ اَحادیثِ کثیرۂ صحیحہ وارد ہوئی ہیں۔ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ جو کسی مدیونِ مفلس کو مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اتنی ہی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملیگا جتنی اس مقروض کے ذمہ واجب ہے۔ اور یہ ثواب میعادِ قرض پورا ہونے تک مہلت دینے کا ہے۔ اور اس کے بعد اگر مہلت دیگا تو اس میں ثواب دوگنا ہو جائیگا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دُعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دور ہو۔ تو اس کو چاہیئے کہ تنگدست مدیون کو مہلت دیدے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فرض نفل سے ستّر درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ مگر چند مسائل ایسے ہیں کہ ان میں نوافل فرائض سے بڑھی ہوئی ہیں۔

(۱) تنگدست مدیون کو مہلت دینا واجب و فرض ہے۔ اور معاف کر دینا مندوب و نفل ہے۔ مگر معاف کرنا مہلت دینے سے افضل ہے۔ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔

(۲) ابتداء بالسّلام سُنت ہے اور جواب واجب، مگر اول افضل ہے۔

(۳) وقت سے پہلے وضو مستحب ہے۔ اور نماز کا وقت ہو جانے پر فرض ہے۔ مگر وقت سے پہلے وضو کرنا افضل ہے۔ (مرقاۃ ص ۲۳۵ ج ۲)

(۱۶۱) اس حدیث میں بھی مسامحت و نرمی اور تنگدست کو مہلت دینے اور معاف کرنے کی ترغیب و تاکید ہے۔ جو بندگانِ خدا کیساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرتا ہے تو خدا کریموں کا کریم ہے وہ ضرور اس رحم کرنیوالے کے ساتھ رحم و کرم اور بخشش و مغفرت کا معاملہ فرمائیگا۔

(۱۶۲) رَحِمَ اللّٰہُ دعا ہے یا خبر ہے سَمْحًا ای سَہْلًا اس میں معاملات میں نرمی کی تاکید ہے، خرید و فروخت میں اور مطالبات میں بھی۔ ثواب اور آخرت کے اعتبار سے تو یہ خصلت محمود و مفید ہے ہی۔ لیکن تجارت اور کاروبار کی ترقی اور عزّت و دولت کی بڑھوتری کے لئے بھی یہ بنیادی اصول ہے جو آج مسلمانوں سے عموماً چھوٹ چکا ہے۔

(۱۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بازار کے ذمہ دار منتظم و محتسب کو حق ہے، بلکہ اسکی ذمہ داری ہے کہ بازار میں فروخت ہونیوالی چیزوں کی جانچ پڑتال کیا کرے۔ اور ان کی بے راہ روی پر اُن کو مناسب تنبیہ کرتا رہے۔ غش کا مطلب ہے خیانت کرنا، دھوکہ دینا۔ اور یہ حرکت خیرخواہی کے خلاف ہے۔ جس کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ دین خیرخواہی کا نام ہے۔ جب پوچھا گیا کس کی خیرخواہی مراد ہے؟ تو فرمایا: اللہ کی، اس کے رسول کی، اس کی کتاب کی اور مسلمانوں کے پیشواؤں اور ان کے عوام کی۔ تو یہ فعل دین کے خلاف اور اس سے کھلی بغاوت ہے۔ اسلئے فرمایا مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا ای لیس علی سنتنا وطریقتنا ودیننا۔

طبرانی کی روایت میں مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا ہے۔

(۱۶۴ و ۱۶۵) جو مسلمانوں کو نقصان پہونچائے یا ناحق تکلیف دے وہ حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق نہیں یعنی حق تعالیٰ اس سے ناراض ہیں۔ اور وہ اپنے اس شیطانی عمل کیوجہ سے لعنت کا مستحق ہو گیا۔ کیونکہ یہ مؤمن سے دشمنی ہے۔ اور اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ۔

مَنْ ضَارَّ ضَارَّ اللّٰہُ الخ یہ بددعا بھی ہو سکتی ہے اور خبر بھی۔ اور جو بھی ہو انتہائی خطرناک ہے۔

الضر والمشقۃ متقاربان لکن الضر یستعمل فی اتلاف المال والمشقۃ فی ایصال الاذیۃ الی البدن کتکلیف عمل الشاق۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ضرر جانی و مالی، دنیوی و اُخروی تمام نقصانات کو عام ہے۔ اور مشاقّہ اس مخالفت کو کہتے ہیں جو منازعت و محاربہ یعنی جنگ و جدل تک نوبت پہونچادے۔ حدیث کے الفاظ میں صنعتِ مشاکلہ ہے۔ جیسا کہ جَزٰٓءُ سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُہَا میں ہے۔

حضرتِ صخر الغامدیؓ	ھو صخر بن وداعۃ الغامدی۔ من الازد۔ سکن الطائف

وھو معدود فی اھل الحجاز۔ (الاکمال لِوَلِیّ الدّین)

حضرت سوید بن قیسؓ ھو سوید بن قیس یکنی ابو صفوان، روی عنه سماك بن حرب وعدادهٗ فی الکوفیین۔ (ایضاً)

حضرت مخرفۃ العبدیؓ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ ایک قول کے مطابق مخرفۃ العبدی بالفاء ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بالمیم ہے۔ شیخ ولی الدین فرماتے ہیں۔ والاوّل اکثر۔ روی عنه سوید بن قیس المذکور۔ وله ذکر فی حدیث سوید فی کتاب اللباس کذا فی جامع الاصول وذکر الشیخ ولی الدّین حدث سوید بن قیس الذی فیه ذکر مخرفۃ فی باب الافلاس والانظار المذکور فی (۱۵۸) ھٰھنا مات سنۃ اربع وخمسین ذکرهٗ الشیخ عبد الحق المحدث الدھلویؒ۔

حضرت حذیفہؓ یہ حضرت حذیفہ بن الیمان مشہور صحابی ہیں۔ یمان کا نام حُسَیل (مصغراً) ہے اور یمان لقب ہے۔ حضرت حذیفہ کی کنیت ابو عبداللہ اور العَبْسی بفتح العین وسکون الباء نسبت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبُ السِّر (راز دار) تھے۔ ان سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ وغیرہ بہت سے صحابہؓ نے اور بہت سے تابعینؒ نے احادیث روایت کیں۔ مدائن میں ۳۵ھ میں وفات ہوئی، اور وہیں ان کی قبر ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت سے چالیس دن بعد ۳۶ھ میں وفات ہوئی۔ واللہ اعلم۔
تراجم الاحبار میں ہے کہ نسبت العبسی بالموحدہ ہے۔ یہ جلیل القدر صحابی سابقینِ اولین میں سے ہیں۔ اور ان کے والد یمان بھی صحابی تھے۔ جو غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ اور حضرت حذیفہ کی خلافتِ علیؓ کے ابتدائی دور میں وفات ہوئی۔

حضرت ابو بکر الصدّیقؓ آپ کا اسم گرامی عبداللہ، لقب صدّیق وعتیق، کنیت ابو بکر، والد کا نام عثمان کنیت ابو قحافہ (بضم القاف) آپ کی والدہ کا نام اُمّ الخیر سلمٰی بنت صخر تھا۔ ساتویں پشت پر آپ کا سلسلۂ نسب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب سے ملجاتا ہے۔ آپ کی والدہ آپ کے والد کی چچازاد بہن تھیں۔ صدیق اکبرؓ مردوں میں سب سے پہلے مسلمان، یارِ غار، سفرِ ہجرت کے رفیق، خلیفۂ اوّل اور تمام صحابۂ کرامؓ میں سب سے افضل تھے۔ قبل البعثت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق و دوست رہے۔ بعثت کے بعد بھی ہمہ وقت ساتھ رہے۔ تمام غزوات ومشاہد میں شریک ہوئے۔ سب سے پہلے حج ۹ھ میں آپ امیر حج بنائے گئے۔ آخری غزوہ (تبوک) میں صاحب الرایہ آپ ہی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں آپؐ کے حکم سے امام المسلمین قرار پائے۔ وفات کے بعد بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اور حشر میں بھی آپ کے ساتھ

اٹھیں گے۔ آپ گورے رنگ کے دُبلے پتلے تھے۔ ہلکے ہلکے رخسار، ستواں چہرہ، آنکھیں گہری، پیشانی بلند، اور مبارک ڈاڑھی مہندی سے رنگین تھی۔ آپ کی خصوصیت تھی کہ آپکے ساتھ آپکے والدین اور بیٹوں، پوتوں کو بھی صحابیت کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے علاوہ یہ شرف کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہ ہو سکا۔ آپ تمام صحابہؓ سے افضل، ان کے امام و شیخ تھے۔ خلفائے ثلاثہ اور بہت سے جلیل القدر صحابہؓ نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت مکہ مکرمہ میں واقعۂ فیل سے دو سال اور کچھ کم چار ماہ بعد ہوئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا کہ دو سال چھ ماہ بعد ہوئی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبیِ اکرم و صدیقِ اکبر صلی اللہ علیہما وسلم نے اپنی ولادتوں کا ذکر فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت حضرتِ صدیقؓ سے پہلے ثابت ہوئی۔

قرآن پاک میں آپ کے لئے صاحب، اتقیٰ اور اکرم کے الفاظ نازل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے ساتھ جس نے احسان کیا میں نے اس کا بدلہ چکادیا، مگر ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکا۔ امام عجلی کہتے ہیں کہ انساب عرب کے سب سے بڑے عالم صدیق اکبرؓ ہی تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ اپنی قوم سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور قوم کے دلوں میں بھی آپ کی عظمت و محبت تھی۔ بہت نرم اخلاق، نہایت بُردبار، انساب اور بھلائی برائی کو سب سے زیادہ جاننے والے، تاجر اور تجربہ کار تھے۔ آپ کے علم اور تجربات کی وجہ سے لوگ آپ سے بہت مانوس تھے۔ سب سے پہلے آپ مسلمان ہوئے، اور اسلام کی دعوت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ حضرتِ عثمانؓ، حضرت طلحہ، حضرتِ زبیر، حضرت سعد، حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم آپ کے دستِ حق پرست پر ایمان لائے۔ یعقوب بن اسحاق نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب صدیقِ اکبر مسلمان ہوئے تو آپکے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ جن کو آپنے راہ خدا میں خرچ کردیا۔ اور سات ان غلام باندیوں کو آزاد فرمایا جو ایمان لانے کی وجہ سے ستائے جارہے تھے۔

(۱) حضرت بلالؓ (۲) حضرت عامر بن فہیرہؓ (۳) حضرتِ زنیرہ رومیہؓ (۴) حضرت نہدیہؓ (۵) بنتِ نہدیہؓ (۶) بنی مؤمل کی باندی (۷) ام عُبیس۔ امام دارقطنی نے ابو اسحاق کی سند سے نقل کیا کہ ابو یحییٰ نے فرمایا میں نے اتنی بار حضرت علیؓ سے منبر پر یہ بات سنی کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ابوبکرؓ کا نام صدیق رکھا ہے۔

حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کے مناقب بے شمار ہیں۔ بہت سے علماء نے اُن کے فضائل و مناقب میں مستقل تصنیفات فرمائی ہیں۔ ابن عساکر نے آپ کا ترجمہ مکمل ایک جلد میں تحریر فرمایا ہے۔ اور تاریخُ الشام میں آپ کا تذکرہ ڈیڑھ جلد میں ہے۔

آپ سے صرف (۱۴۲) احادیث مروی ہیں۔ چھ احادیث کو بخاری و مسلم دونوں نے باتفاق لیا ہے۔ اور گیارہ حدیثوں میں امام بخاری منفرد ہیں۔ اور ایک حدیث میں امام مسلم۔ آپ بہت قلیل الروایۃ اور محتاط تھے۔

پھر بے حد مصروفیات کے ساتھ وقت بھی زیادہ نہ مل سکا۔ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات جمادی الاولیٰ ۱۳ھ میں پیر کے دن ہوئی۔ آپ کی کل عمر شریف (۶۳) سال ہوئی۔ مدت خلافت دو سال سے کچھ زائد رہی ایک قول بیس ماہ کا بھی ہے۔ شیخ ولی الدین اکمال میں لکھتے ہیں کہ آپ کی وفات مدینہ میں ۱۳ھ شب سہ شنبہ میں بین المغرب والعشاء ہوئی جبکہ جمادی الاخریٰ کے ختم میں صرف آٹھ دن باقی تھے۔ آپ کی عمر (۶۳) سال ہوئی۔ آپنے وصیت فرمائی تھی کہ آپ کو آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ غسل دیں چنانچہ انہوں نے ہی غسل دیا۔ اور حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپکا زمانہ خلافت دو سال چار ماہ ہے۔

حضرت ابو صرمہؓ هو ابو صرمة مالك بن قيس المازني وقيل قيس بن مالك وقيل قيس بن صرمة وهو مشهور بكنيته شهد بدرًا وما بعدها من المشاهد روى عنه جماعة، ولم اطلع على ميلاده ووفاته. صِرمة بكسر الصاد المهملة وسكون الراء.

---

(۱۶۶) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور تم پیمانہ کو پورا کرو جب ناپو اور سیدھی ترازو سے تولو۔
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ○ (بنی اسراءیل آیت ۳۴)
یہ بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔

(۱۶۷) قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى
اللہ عزّ وجل نے فرمایا! بربادی ہے اُن ناپ تول کم کرنے والوں کیلئے کہ جب وہ ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں
النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ○ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ○
تو پورا وصول کرتے ہیں۔ اور جب ناپ کر ان کو دیتے ہیں یا تول کر ان کو دیتے ہیں تو کم کرتے ہیں۔
اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ○ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ يَوْمَ يَقُوْمُ
کیا ان کو اس بات کا یقین نہیں کہ وہ ایسے بڑے دن میں زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے جس دن لوگ
النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ التطفیف)
پروردگارِ عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

(۱۶۸) عَنِ الْمِقْدَامِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَكَلَ
حضرت مقدامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کسی نے ہرگز
اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِّنْ اَنْ يَّاْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ وَاَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ
کوئی کھانا اس سے بہتر نہیں کھایا کہ وہ اپنے ہاتھ کی محنت سے کھائے۔ اور اللہ کے نبی حضرت
دَاوٗدَ كَانَ يَاْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ۔ (بخاری ص۲۷۸ ج۱، مشکوٰۃ ص۲۴۱)
داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت سے کھاتے تھے۔

(١٦٩) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا اَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَاْكُلُ مِنْهُ طَيْرٌ اَوْ اِنْسَانٌ

کہ جو مسلمان بھی کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیتی بوتا ہے پھر اس سے کوئی پرندہ یا کوئی انسان یا کوئی

اَوْ بَهِيْمَةٌ اِلَّا كَانَتْ لَهُ بِهٖ صَدَقَةٌ۔ (بخاری ج۱ ص۳۱۲ مشکوٰۃ ص۱۶۸)

جانور کھاتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ ہوتا ہے۔

(١٧٠) عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت رافع بن خدیجؓ نے فرمایا کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے کام

عَنْ اَمْرٍ كَانَ لَنَا نَافِعًا اِذَا كَانَتْ لِاَحَدِنَا اَرْضٌ اَنْ يُّعْطِيَهَا بِبَعْضِ

سے منع فرمادیا جو ہمارے لئے مفید تھا۔ یعنی اگر ہم میں سے کسی کے پاس زمین ہو تو اس کو وہ بٹائی پر

خَرَاجِهَا وَبِدَرَاهِمَ وَقَالَ اِذَا كَانَتْ لِاَحَدِكُمْ اَرْضٌ فَلْيَمْنَحْهَا

دے یا کچھ دراہم کے عوض (اُجرت پر) دے۔ اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس کچھ زمین ہو تو اپنے بھائی

اَخَاهُ اَوْ لِيَزْرَعْهَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

کو بطور عطیہ دیدے یا وہ خود کھیتی کرے۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ لَمْ يُحَرِّمِ الْمُزَارَعَةَ وَلٰكِنْ اَمَرَ اَنْ يَّرْفُقَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ۔

(ترمذی ج۱ ص۱۶۷ بخاری ج۱ ص۳۱۵)

نے (بٹائی پر) کھیتی باڑی کو حرام نہیں فرمایا لیکن آپ نے اس بات کا حکم دیا کہ ایکدوسرے کیساتھ نرمی و مہربانی کا برتاؤ کریں۔

(١٧١) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَنْ يَّاْخُذَ اَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَحْتَطِبَ عَلٰى

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے یقیناً یہ بات کہ تم میں کا ایک شخص اپنی رسی لے اور لکڑیاں کاٹ

ظَهْرِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّاْتِيَ رَجُلًا فَيَسْاَلُهٗ اَعْطَاهُ اَوْ مَنَعَهٗ۔

کر اپنی پشت پر لاد کر لائے اس کے لئے بہت بہتر ہے اس سے کہ وہ کسی شخص کے پاس پہونچے اور اس سے مانگے وہ اسکو

دیدے یا اس کو منع کردے۔ (بخاری ج۱ ص۱۹۹ مشکوٰۃ ص۱۶۳ عن الزبیر بن العوام باختلاف)

لغات اَلْكَيْلُ غلہ ناپنے کا پیمانہ۔ ج اَكْيَالٌ۔ كَالَ كَيْلًا مَكِيْلًا مَكَالًا (ض) ناپنا۔ کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ جیسے كِلْتُ الطَّعَامَ۔ کبھی دو مفعولوں کی طرف

جیسے کِلْتُ زَیْدًا الطَّعَامَ اور کبھی مفعولِ اول پر لام آتا ہے جیسے کِلْتُ لِزَیْدٍ الطَّعَامَ۔ قِسْطَاس ترازو بضمّ القاف وکسرھا۔ تَاْوِیْلًا انجام، واپس کرانا۔ اٰل اَوْلًا مَاٰلًا (ن) لوٹنا وَیْلٌ شر، برائی کا نزول، ہلاکت، جہنم کی ایک وادی کا نام۔ اَلْمُطَفِّفِیْنَ (تفعیل سے) کم ناپنا، بخل کرنا، طَفَّ طفًا (ن ض) قریب ہونا یُخْسِرُوْنَ گھٹانا (س) نقصان اٹھانا، گمراہ ہونا، ہلاک ہونا۔ (ض) کم کرنا، گھٹانا، ضائع کرنا۔ قَطُّ ظرفِ زمان ہے۔ استغراقِ ماضی کے لئے آتا ہے۔ اور نفی کے ساتھ خاص ہے۔ اکثر طاء مشدّد ومضموم کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی قَطُ طائے مضموم غیر مشدد اور کبھی بضم القاف وسکون الطاء قُطْ بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور قَطْ بفتح القاف وسکون الطاء بمعنی حسب ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ قَطُّ مبنی ہوتا ہے اور حسب معرب۔ اور اسم فعل ہو کر بمعنی یَکْفِی بھی مستعمل ہوتا ہے۔ اس صورت میں نون وقایہ لاکر حفاظتِ سکونِ طاء کیلئے قَطْنِی بولتے ہیں۔ اور تقلیل کا ارادہ ہو تو ساکن رکھتے ہیں۔ جیسے مَاعِنْدِیْ اِلَّا ھٰذَا قَطْ، اور ہمزۂ وصل کے ساتھ ملے تو طاء کو کسرہ دیتے ہیں۔ جیسے ماعلمت الّا ھٰذا قطِ الدھر اور کبھی تحسینِ لفظ کے لئے شروع میں فاء کا اضافہ کر دیتے ہیں جیسے رأیتہ مرّۃً فَقَطْ۔ (ن) قلم پر قط لگانا۔ (س) بال چھوٹے اور گھنگریالے ہونا۔ یَغْرِسُ (ض) پودا لگانا۔ اَلْغَرْسُ مص پودا لگایا ہوا۔ ج غِرَاس واَغْرَاس، اَلْغِرْسُ ایضًا پودا۔ یَزْرَعُ (ف) بونا، بیج ڈالنا۔ زَرْعٌ مص کھیت، اولاد ج زُرُوْعٌ۔ خِرَاجٌ مثلث الخاء پیداوار، زمین کا محصول، جزیہ۔ ج اَخْرَاج، اَخْرِجَۃ ج اَخَارِیْج (ن) نکلنا، فائق ہونا (ض) نکالنا، فائق ہونا۔ یَمْنَحُ (ف ض) دینا، عطا کرنا۔ مُزَارَعَۃ بونا، بٹائی پر معاملہ کرنا۔ یرفق (ن ک س) مہربانی کا برتاؤ کرنا (ک) ساتھی ہونا۔ افعال سے مہربانی کا برتاؤ کرنا۔ نفع پہونچانا۔

ترکیب (۱۶۶) اَوْفُوا الْکَیْلَ فعل، فاعل مفعول بہ۔ اِذَا ظرفیہ ای وقتَ کَیْلِکُمْ مفعول فیہ۔ اگر شرطیہ مانو تو جزا محذوف ای اذا کِلْتُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ۔ وَزِنُوْا اپنے فاعل ومتعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ ذٰلِکَ مبتدا خَیْرٌ معطوف علیہ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا معطوف (تاویلًا تمیز ہے)۔ معطوفین خبر جملہ اسمیہ۔

(۱۶۷) وَیْلٌ مبتدا تنوین تعظیم کی ہے۔ جس سے تخصیص ہوگئی۔ ای وَیْلٌ عَظِیْمٌ یا یہ عَلَم ہے دوزخ کے ایک طبقہ کا۔ یا یہ مصدر ہے فعل محذوف کا۔ ای تعسًا ویلًا اس کو بقصدِ استمرار مرفوع کر دیا گیا۔ جیسے سَلَامٌ عَلَیْکَ میں۔ اور بعض نحویوں نے نکرہ کا مبتدا بننا بھی صحیح کہا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ (یخسرون تک دونوں جملے معطوفین مل کر) اَلْمُطَفِّفِیْنَ کی صفت، مرکب توصیفی مجرور۔ متعلق ثابتٌ کے ہو کر خبر۔ اَلَا یَظُنُّ کا فاعل اُولٰئِکَ ہے۔ اَنَّ اپنے اسم ھُمْ خبر مَبْعُوْثُوْنَ سے مل کر جملہ اَلَا یَظُنُّ کے دو مفعولوں کے قائمقام ہوا۔ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ۔ مَبْعُوْثُوْنَ کا متعلق ہے۔ اور یَوْمَ یَقُوْمُ الخ ظرف۔

(۱۶۸) قَطُّ تاکید ماضی منفی کے لئے۔ خَیْرًا اپنے متعلق سے مِل کر طَعَامًا کی صفت۔ مَا اَکَلَ کا مفعول بہ جملہ۔ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ مبدل منہ دَاوٗدَ بدل اسم اَنَّ جملہ فعلیہ خبر۔ یَغْرِسُ الخ اور یَزْرَعُ الخ دونوں جملے مِل کر خبر مَا۔ طَیْرٌ دونوں معطوفوں سے مِل کر فاعل مِنْہُ متعلق جملہ مستثنیٰ منہ۔ اگلا جملہ مستثنیٰ۔

(۱۷۰) رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ نَہٰی کا فاعل نَا مفعول بہ اَمْرًا اپنی صفت کَانَ لَنَا نَافِعًا (جملہ) سے مِل کر مجرور متعلق لِاَحَدِنَا۔ کَانَتْ کی خبر۔ اَرْضٌ اسم جملہ مضاف الیہ اِذَا کا ہو کر ظرف۔ اَنْ یُّعْطِیَہَا فاعل ضمیر مفعول بہ اور متعلق سے مِل کر مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ۔ آگے شرط وجزا۔ لَمْ یُحَرِّمِ الْمُزَارَعَۃَ جملہ فعلیہ اَنَّ کی خبر۔ آگے جملہ فعلیہ

(۱۷۱) لَاَنْ یَّاْخُذَ اَحَدُکُمْ حَبْلَہٗ فعل، فاعل، مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ فَیَحْتَطِبَ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ معطوف، معطوفین بتاویل مفرد مبتدا۔ خَیْرٌ اپنے دونوں متعلقوں سے مِل کر خبر، جملہ اسمیہ۔ اَنْ یَّاْتِیَ رَجُلًا فعل، فاعل، مفعول بہ جملہ معطوف علیہ۔ فَیَسْاَلُہٗ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین بتاویل مفرد مجرور متعلق ثانی۔ اول لَہٗ تھا۔ اَعْطَاہُ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ ایسے ہی مَنَعَہٗ جملہ فعلیہ معطوفین ھُوَ مبتدا محذوف کی خبر۔ یا اِستیناف۔

تشریح (۱۶۶و۱۶۷) ان آیتوں میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور لوگوں کی حق تلفی اور ان کے حقوق میں کمی کرنے کی ممانعت ہے۔ ناپ تول کو پورا کرنا معاملات میں اہم ترین چیز ہے جن انبیاء علیہم السلام کی قوموں کے واقعات قرآن مقدس میں مذکور ہیں۔ اُن میں سے صرف دو قومیں ایسی ہیں جن پر عذاب نازل ہونے میں کفر وشرک کے ساتھ ان کے خبیث اعمال کو بھی زیادہ دخل رہا ہے۔ قوم لوط کہ انکی بستیاں اُلٹ دینے اور پتھر برسائے جانے کا سبب ان کے عمل خبیث (لواطت) کو ذکر کیا گیا۔ اور قوم شعیب جنکے عذاب کا سبب کفر وشرک کے ساتھ ناپ تول کی کمی کو قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں گناہ (لواطت اور تطفیف) سب گناہوں سے زائد سخت اور دنیا میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں سے نسلِ انسانی کو سب سے زیادہ نقصان پہونچتا اور اس سے پورے عالم کا نظام خراب ہوتا ہے۔

سورۂ تطفیف کی آیات میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو دوسروں سے تو اپنا حق پورا پورا وصول کر لیتے ہیں، لیکن دوسروں کے حق میں کمی کر دیتے ہیں، خود نقصان نہیں اُٹھاتے، دوسروں کو نقصان پہونچاتے ہیں، اگرچہ اپنا حق پورا پورا وصول کر لینا کوئی عیب کی بات نہیں۔ لیکن یہ بات اِنتہائی بے شرمی کی ہے کہ آدمی اپنا حق تو پورا وصول کرے، اس میں رعایت و مروّت نہ کرے، اور دوسروں کا حق پورا نہ دے۔ اور عموماً جو دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے وہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ اور جو اپنا حق وصول کرنے میں بھی رعایت کرتا ہو وہ اتنا مجرم شمار نہیں ہوتا۔ اور چونکہ یہاں اصل مقصو

کم دینے کی مذمت بیان کرنا ہے۔ اسلئے ناپ اور تول دونوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاکہ اس بات کی خوب وضاحت ہو جائے کہ ایسے لوگ ناپ اور تول دونوں ہی میں کمی کرتے ہیں۔ اور چونکہ اپنا حق پورا لے لینا قابلِ مذمت نہ تھا اسلئے وہاں صرف ناپ کا ذکر ہی کافی ہوا۔ اور ناپ کو اسلئے اختیار کیا گیا کہ عرب میں اسی کا رواج زائد تھا خصوصاً مدینہ منورہ میں (جہاں ان آیات کا نزول ہوا) مکہ سے بھی زیادہ کیل کا رواج تھا۔

ہر حق تلفی تطفیف و تخسیر ہے

اِن آیات سے دوسروں کے حقوق میں کمی کی حرمت معلوم ہوتی چونکہ معاملات اور لین دین میں وزن و پیمائش کو زیادہ دخل ہے۔ اسلئے نصوصِ قرآنیہ و حدیثیہ میں ایسے موقع کے لئے وزن و کیل دونوں کو ذکر فرما دیا گیا۔ ورنہ تطفیف و تخسیر کا مفہوم ہر حق تلفی کو عام ہے۔ محققین علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ یہ الفاظ ایسے وسیع المعنیٰ ہیں کہ ہر قسم کی خیانت و خسّت اس میں داخل ہے۔ مثلاً ناپ تول میں کمی، اپنے عیبوں کو چھپانا، دوسروں کے عیوب کو ظاہر کرنا، اپنے لئے انصاف چاہنا، دوسروں کے ساتھ ناانصافی کرنا، اپنے عیبوں کو نظرانداز کرنا اور دوسروں کی عیب جوئی کرنا، اپنی تعظیم چاہنا، دوسروں کی نہ کرنا، خادموں، نوکروں، ملازموں اور مزدوروں سے خدمت اور کام خوب ٹھوک بجا کر لینا، اور حق الخدمت دینے میں کمی کرنا، ڈیوٹی کم انجام دینا یا وقت اور کام میں کمی و سستی کرنا۔ اور اجرت و تنخواہ پوری وصول کرنا، اللہ سے عزّت، راحت اور عافیت چاہنا اور اس کی عبادت و اطاعت میں کوتاہی کرنا۔ اللہ کے لئے دوسروں سے سوال کرنا اور خود اللہ کے لئے نہ دینا، دوسروں کو نصیحت کرنا، منکرات سے روکنا، خود گناہوں میں ملوّث رہنا یعنی قال درست اور حال خراب رکھنا، بزرگانہ صورت بنانا اور باطن کو خراب رکھنا، یا مکّاری و ریاکاری کرنا۔ یہ سب چیزیں تطفیف و تخسیر میں داخل ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہماری کتاب خلاصۂ تورات اور درسی تفسیر پ۳۰ میں ملاحظہ فرمائیے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا کا مطلب یہ ہے کہ پورا ناپنا اور تولنا بہتر ہے، اور انجام کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے۔ یعنی یہ عمل اپنی ذات کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ کیونکہ انسانیت اور عقل صحیح کا تقاضا یہی ہے کہ انصاف کیا جائے۔ اسی لئے طبعی طور پر کوئی شریف آدمی ناپ تول میں کمی کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اور شرعی حکم بھی یہی ہے کہ انصاف کے ساتھ صاحبِ حق کو پورا حق پہونچایا جائے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ مآل اور انجام بھی اس کا بہت عمدہ ہے جسمیں آخرت کا اچھا انجام، حصولِ ثواب رضائے الٰہی اور جنت کا داخلہ تو ہے ہی۔ لیکن ان فائدوں کے علاوہ دنیا میں بھی شرافت و مروت اور انسانیت و ہمدردی کے علاوہ لوگوں کا اعتماد و اعتبار حاصل ہو کر عزّت اور تجارت کو بھی اس سے چار چاند لگیں گے۔ کیونکہ تجارت میں اسوقت تک ترقی و فروغ حاصل نہیں ہوتا جبتک

اس کی ساکھ اور گاہکوں اور تاجروں میں اس کا اعتبار قائم نہ ہو۔

مسئلہ تفسیر بحر محیط میں حضرت ابو حیانؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ مبیع کی ناپ تول پورا کرنے کی ذمہ داری بائع پر ہے۔ (خلاصۂ تورات ص۱۴۱)

(۱۶۸) خَيْرًا ای اَفْضَلُ وَاَحَلُّ وَاَطْيَبُ۔ عَمَلِ الْيَدِ سے مراد محنت ہے۔ کیونکہ زیادہ کام ہاتھوں ہی سے صادر ہوتے ہیں اسلئے عمل کی اضافت ید کی طرف کردی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زرہ بنانے کا علم عطا فرمایا تھا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ۔ اسی خصوصی شرف کی وجہ سے اس موقع پر حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا۔ اس حدیث پاک میں کسب حلال کی تحریض و ترغیب ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سے منافع ہیں۔ مثلاً (۱) مکتسب کا نفع ہے دوسرے کا کام ہے تو اجرت سے اور اپنی تجارت ہے تو راس المال (پونجی) پر اضافہ حاصل کرکے (۲) دوسرے لوگوں کو فائدہ پہونچانا مثلاً تجارت سے دوسروں کی ضروریات مہیا کرنا۔ صنعت سے دوسروں کے کام بنانا (جیسے درزی کپڑے سی کر، موچی جوتے بنا کر، نورباف کپڑے بُن کر وغیرہ)۔

(۳) کمانے والے کے عمل سے بقائے انسانیت اور راحت و آرام ہے۔ مثلاً زراعت سے بقاء ہے۔ اور باغات لگانے سے اُن کے پھل اور سایہ وغیرہ سے لوگوں کو راحت ہے۔

(۴) کمانیوالا کام میں لگ کر بیہودگیوں اور فضولیات سے بچا رہتا ہے۔

(۵) نفس سرکشی اور کبر و غرور جیسی لعنتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ کیونکہ فراغت ہی ان چیزوں کا سبب بنتی ہے۔

(۶) ذلتِ سوال اور دوسروں کی محتاجی سے پاکدامنی اور نجات میسر آتی ہے۔

(۷) دنیا کا نظام اور اس کی رونق کسب ہی سے قائم ہے۔ اگر کسب نہ ہو دنیا ویران ہوجائے۔

(۸) ساری دنیا کے ایکدوسرے سے تعلقات بیشتر اسی لائن سے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو کسی کا کسی سے تعلق بھی نہ ہو۔ (۹) حکومت و عزت، عظمت و انصاف اسی سے قائم ہے۔ اگر کاروبار نہ ہو تو کسی سے کسی کو سروکار نہ ہو۔ (۱۰) انسان کا شرف کسب سے ہے ورنہ اس کا وجود بیکار ہے۔ عبادت تو فرشتے بھی کرتے تھے۔ اسی بنا پر اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کا ذکر فرماکر آپنے اس بات پر تنبیہ فرمادی کہ اکتساب سُننِ انبیاء میں سے ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام اپنے دورِ خلافت میں اپنے بارے میں لوگوں سے تجسس کرتے اور اجنبی بنکر ان سے پوچھتے کہ تمہارے بادشاہ داؤد کیسے آدمی ہیں؟ ایک دن اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فرشتہ کو انسانی صورت میں بھیجا، جو داؤد علیہ السلام کے سامنے آکھڑا ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے اس سے بھی یہی سوال کیا کہ تمہارے بادشاہ داؤد کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ آدمی تو بہت بھلے ہیں مگر بیت المال سے کھاتے (اور اپنی ضروریات پوری کرتے) ہیں اسکے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار (گذران کی کوئی ایسی راہ نکال دیجئے

کہ میں بیت المال کا محتاج نہ رہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زرہ سازی سکھادی، اور لوہے کو اُن کے ہاتھوں میں نرم کردیا۔ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام روزانہ ایک زرہ تیار کرتے اور چار ہزار یا چھ ہزار دراہم میں فروخت کرکے دو ہزار اپنے اوپر اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے اور باقی فقرائے بنی اسرائیل پر صدقہ کر دیتے تھے۔ واضح رہے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے موافق کمانا فرض ہے۔ طلبُ الحلالِ فریضۃٌ بعد الفریضۃِ۔ (بخاری) اور اس سے زائد کمانا مباح ہے بشرطیکہ تفاخر و تکاثر مقصود نہ ہو۔ اسی طرح جوازِ کسب کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ اعتقاد نہ کرے کہ رزق کسب سے ہے۔ بلکہ یہ اعتقاد فرض ہے کہ رزق تو وہ رزاق ذوالقوۃ المتین ہی دیتا ہے، اور بقدرِ تقدیر ملتا ہے، مگر کسب ایک سبب ہے جسکا ہمیں حکم ہے۔ اسی بنا پر کسب عبادت ہے۔ اور مقصدِ حیاتِ انسانی کے خلاف نہیں۔

(۱۶۹) غارس و زارع کو صدقہ کا اجر سبب بننے کی وجہ سے ملتا ہے۔ اور مؤمن کا کوئی عمل کسی حال میں ضائع نہیں کیا جاتا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ مسلم شریف میں حضرت جابرؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں فَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهٗ صَدَقَةٌ۔

(۱۷۰) حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک نفع بخش کام سے منع فرمادیا۔ وہ یہ کہ ہم میں سے کسی کے پاس زمین ہوتی تو وہ پیداوار میں سے ایک معین حصہ (ربع، ثلث یا نصف) طے کرکے (بٹائی پر) زمین کسی کاشتکار کو دیدیتا تھا۔ یا کچھ روپے (بطورِ کرایہ) لیکر دیدیتا تھا، تو آپ نے اس سے منع فرمادیا اور حکم دیا کہ جس کسی کے پاس زمین ہو۔ تو اپنے بھائی کو یوں ہی بطورِ عطیہ دیدیا کرے۔ یا خود کاشت کرے۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

مَنْ كَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْلِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْيُمْسِكْ اَرْضَهٗ۔

(مشکوٰۃ ص۲۵۷)

جس کی ملک میں زمین ہو وہ اس میں کھیتی کرے یا اپنے بھائی کو بطورِ عطیہ دیدے۔ اور نہ مانے تو اپنی زمین کو روکے رہے۔

آخری جملہ میں نہ دینے پر اظہارِ ناراضگی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا خیال ہے کہ اس قسم کے ارشادات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا مزارعت کو حرام قرار دینا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ایثار و ہمدردی اور مہربانی کرنے کی تاکید کرنا مقصود ہے۔

مساقاۃ اور مزارعۃ کا مسئلہ

مساقاۃ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنا باغ دوسرے کے حوالہ کردے کہ وہ اس کی (کھاد پانی وغیرہ کیذریعہ) خدمت و حفاظت کرتا رہے۔ اور پھلوں کا ایک معین حصہ (ربع، ثلث، یا نصف) لے لیا کرے۔ اور مزارعت کا مطلب ہے بٹائی پر زمین میں کاشت کرنا۔ کہ ایک کی زمین اور دوسرے کا عمل، اور پیداوار میں دونوں شریک ہوں۔

اس سلسلہ میں اَحادیث مختلف وارد ہوئی ہیں بعض سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض سے عدمِ جواز۔
حضرت رافع بن خدیج کی حدیث مذکور سے عدمِ جواز معلوم ہوتا ہے۔ مگر ان کی حدیث میں بھی اختلافات ہیں
بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، اور بعض سے معلوم
ہوتا ہے کہ ان سے اُن کے چچاؤں نے بیان کیا۔ اسی بنا پر علماء کا ان کے حکم میں اختلاف ہو گیا۔
چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ مزارعۃ و مساقاۃ دونوں کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت عمرؓ حضرت
علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت سعد بن مالکؓ وغیرہم بہت سے صحابہؓ اور سعید
ابن المسیبؒ، قاسم بن محمدؒ، محمد بن سیرینؒ، طاؤسؒ، زہریؒ، عمر بن عبد العزیزؒ، ابن ابی لیلیٰؒ وغیرہم تابعین
(رحمہم اللہ) میں سے اور امام احمدؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ، اسحٰق بن راہویہ ائمہ میں سے ان کے مطلقاً جواز
کے قائل ہیں۔ اور فتویٰ اَحناف کے یہاں صاحبینؒ ہی کے قول پر ہے۔ ان حضرات نے نہی کی احادیث میں
وہ تاویل فرمائی جو ابن عباسؓ کی تاویل بیان ہوئی۔ نیز ممانعت کی صورت یہ قرار دی ہے کہ مقدار
مخصوص طے کر لی جائے۔ مثلاً کل پیداوار میں سے ایک کوئنٹل یا زمین کے ایک خاص حصّہ کی
پیداوار ایک کے لئے مقرر کر لی جائے۔ یا بعض مخصوص درختوں کے پھل ایک کے لیے متعین ہو جائیں
باقی تفصیلی مباحث و دلائل بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔
(۱۷) اس حدیث میں ذلتِ سوال اور عزتِ اکتساب کو بیان فرمایا گیا۔ سوال کی دُنیاوی و اُخروی
ذلت سے آدمی کی محنت و مشقت اور چھوٹے سے چھوٹا کام کر کے حلال کا رزق حاصل کرنا بہت
بہتر ہے ؎

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی ٭ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

ایک حدیث میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِاَجْلِ غِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ (جو کسی مالدار کیلئے
تواضع محض اس کی مالداری کی وجہ سے اختیار کرے تو اس کا دو تہائی دین برباد ہو گیا)

حضرت رافع بن خدیجؓ

رافع بن خدیج بن رافع بن عدی الحارثی الانصاری۔ ان کی کنیت
ابو عبد اللہ ہے۔ بعض نے کہا کہ ان کی کنیت ابو رافع ہے، تیسرا قول
ہے کہ ابو خدیج ہے۔ غزوۂ احد میں صغر سنی کی بنا پر شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ احد اور اس کے بعد کے تمام
غزوات میں شریک ہوئے۔ اور جامع الاصول میں اکثر المشاہد کا لفظ ہے یعنی اکثر غزوات میں شریک
ہوئے۔ غزوۂ اُحد میں جب اُن کے تیر آکر لگا تو اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا شَهِيْدٌ
لَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (میں روزِ قیامت تمہارا گواہ ہوں گا۔) اسی تیر کا زخم عبد الملک بن مروان کے
زمانۂ خلافت میں ہرا ہو گیا۔ اور ان کی وفات کا سبب بن گیا۔ ۷۳ھ میں چھیاسی برس کی عمر
میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے چچاؤں (ظہیر بن رافع

وابو رافع) سے اور علی وعمار بن یاسر وغیرہ صحابہؓ سے احادیث نقل کیں۔ اور آپ سے آپ کی اولاد (بیٹوں پوتوں) اور بیشمار تابعین نے احادیث روایت کیں۔ (خدیج بفتح الخاء المعجمۃ وکسر الدال والجیم المعجمۃ)

وَمِنْ اَبْوَابِ الْبِرِّ حِفَاظَۃُ النَّفْسِ وَالْاَھْلِ وَالْمَالِ وَالدِّفَاعُ عَنْھُمْ

"ابواب برمیں سے اپنی، گھر والوں کی اور مال کی حفاظت اور ان سے دفاع بھی ہے"

(۱۷۲) قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ (البقرہ آیت ۱۹۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور تم ان لوگوں سے راہِ خدا میں جہاد کرو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتے۔

(۱۷۳) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَھُمُ الْبَغْیُ ھُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِہٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَیْھِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ○ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَی الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ (شوریٰ آیات ۳۹ تا ۴۳)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور وہ لوگ (اہل ایمان) ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی۔ پھر جو معاف کردے اور صلح کرے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتے۔ اور جو شخص اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لیلے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو انسانوں پر ظلم کرتے ہیں اور دنیا میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب طے ہے۔ اور جو صبر کرے اور معاف کردے تو بیشک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

(۱۷۴) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بُری بات ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتے۔ مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔ (وہ کر سکتا ہے)

لغات لَا تَعْتَدُوْا اعتداء، تجاوز کرنا، ظلم کرنا (ن)، دوڑنا، تجاوز کرنا، حملہ کرنا، ظلم کرنا (س)، بغض رکھنا ظلم کیا جانا۔ اَلْبَغْیُ ظلم، جنایت، گناہ، فساد، بہت بارش۔ (ض)، طلب کرنا، ظلم کرنا، نافرمانی کرنا۔ (ن) زیادتی کرنا، ظلم کرنا۔ اِنْتِصَار ظلم سے بچنا، کامیاب ہونا، غالب ہونا، بدلہ لینا، برابر کا بدلہ لینا۔

ترکیب حِفَاظَةُ النَّفْسِ اپنے معطوف سے مل کر مبتدا موخر مِنْ اَبْوَابِ الْبِرِّ خبر مقدم۔

(۱۷۲) اَلَّذِيْنَ اپنے صلہ سے مل کر قاتِلُوْا کا مفعول ہے۔

(۱۷۳) اَلَّذِيْنَ اپنے صلہ سے مل کر مبتدائے اول۔ اِذَا ظرفیہ هُمْ مبتدائے ثانی۔ يَنْتَصِرُوْنَ جملہ خبر۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ مبتدا۔ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا مرکب توصیفی خبر۔ مَنْ شرطیہ۔ جملے فعلیے معطوفین شرط۔ جملہ اسمیہ جزا، اگلا جملہ بھی اسی طرح۔ مِنْ سَبِيْلٍ اسم مَا موخر۔ عَلَيْهِمْ متعلق محذوف خبر مقدم۔ السَّبِيْلُ مبتدا۔ دونوں جملے فعلیے معطوفین صلہ۔ موصول وصلہ مجرور متعلق محذوف خبر۔ اگلا جملہ شرط وجزا۔

تشریح (۱۷۲) باتفاقِ امت جہاد کا حکم ہجرتِ مدینہ کے بعد نازل ہوا۔ ہجرت سے پہلے صبر اور عفو ودرگذر کا حکم تھا۔ صدیقِ اکبرؓ کی ایک روایت کے مطابق جہاد کی سب سے پہلی آیت اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا الخ (پ ۱۷ ع ۱۳) ہے۔ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذیؒ نے اس کو حسن فرمایا ہے۔ روایت یہ ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے جو کفار سے قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے ستّر سے زیادہ آیات میں قتال کی ممانعت کی گئی تھی، مگر اکثر صحابہؓ وتابعینؒ کے نزدیک حکمِ جہاد کی سب سے پہلی آیت سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیت ہی ہے۔ اور صدیقِ اکبرؓ وابن عباسؓ نے جس کو پہلی آیت فرمایا وہ ابتدائی آیتوں میں ہونے کی وجہ سے پہلی کہی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اولیت اضافی امور میں سے ہے۔ اس آیت میں یہ حکم ہے کہ مسلمان اُن کافروں سے لڑیں جو مقابلہ پر لڑنے کے لئے آئیں۔ یعنی عورتوں، بچوں، بوڑھوں، معذوروں، عبادت گذاروں مزدوروں، مذہبی کاموں میں مصروف پنڈتوں، سادھوؤں اور پادریوں وغیرہ کو جو مقابلہ پر نہیں آتے اور جنگ میں شریک نہیں ہوتے ان کو قتل نہ کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو جو ہدایات دی ہیں ان میں اس کی واضح تشریحات احادیث میں مذکور ہیں۔

(۱۷۳) یہ آیات صفاتِ مؤمنین کے سلسلہ کی ہیں۔ ان مذکورہ آیات میں اہلِ ایمان کی ساتویں صفت کو بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ کبھی بجائے درگذر کرنے کے مصلحت کے پیشِ نظر انتقام بھی لے لیتے ہیں۔ اور وہ انتقام میں بھی عدل وانصاف پر قائم رہتے ہیں، زیادتی نہیں کرتے۔ اور قانونِ خداوندی میں جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ہے۔ یعنی برابر کا بدلہ جانی، مالی نقصان کا لیا جاسکتا ہے۔ زیادتی کی اجازت نہیں۔ اور ایک اہم شرط یہ بھی ہے کہ وہ بدلہ فی نفسہٖ گناہ نہ ہو۔ مثلاً کسی نے کسی کی بیوی سے زنا کرلیا یا اس کو جبراً شراب پلادی، تو اس کا بدلہ زنا کرنے اور شراب پلادینے سے جائز نہ ہوگا۔

بدلہ کی اجازت کے بعد فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ الخ ہدایت فرمادی کہ معاف کردینا بدلہ سے بہتر اور باعث ثواب ہے۔

عفو و انتقام میں معتدل فیصلہ

حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ سلف صالحین یہ پسند نہ کرتے تھے کہ مومنین اپنے آپ کو فساق و فجار کے سامنے ذلیل کریں۔ اور ان کو اپنے اوپر جری بنادیں۔ اسلئے جہاں یہ خطرہ ہو کہ معاف کرنے سے فساق و فجار کی جرأت بڑھے گی، اور وہ نیک لوگوں کو زیادہ ستائیں گے۔ وہاں انتقام لے لینا بہتر ہوگا۔ اور معافی کا افضل ہونا اس صورت میں ہے جبکہ ظلم کرنیوالا اپنے فعل پر نادم ہو، اور ظلم و زیادتی پر اس کی جرأت بڑھ جانیکا خطرہ نہ ہو۔ قاضی ابوبکر بن عربیؒ نے احکام القرآن میں اور قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔ عفو و انتقام کے دونوں حکم مختلف حالات کے اعتبار سے ہیں۔ جو ظلم کرنے کے بعد شرمندہ ہوجائے اس سے عفو افضل ہے اور جو اپنی ضد اور ظلم پر اڑا رہے اس سے انتقام افضل ہے۔

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مومنوں کی دو خصوصیات کا ذکر ہے۔ هُمْ يَغْفِرُونَ میں یہ ہے کہ وہ غصہ سے مغلوب نہیں ہوتے، اور ان کے مزاج میں رحم و کرم غالب رہتا ہے۔ اسلئے معاف کردیتے ہیں ــــ اور هُمْ يَنْتَصِرُونَ میں ان کے انتقام لینے کا ذکر ہے کہ اگر کبھی ان کی طبیعت میں انتقام کا داعیہ پیدا ہوتا ہے تو بھی وہ عدل و انصاف پر قائم رہتے ہیں۔ حد سے نہیں گذرتے، گو معاف کردینا اکثر حالات میں بہتر ہوتا ہے۔ (معارف القرآن ج ۷)

(۱۷۴) جس شخص پر کوئی ظلم کرے تو وہ مظلوم اس کے ظلم کی شکایت یا کسی عدالت میں چارہ جوئی کرسکتا ہے۔ اور یہی عدل و انصاف کا تقاضا اور انسداد جرائم کا ایک ذریعہ ہے۔ مظلوم کی شکایت و حکایت غیبت حرام میں داخل نہیں، کیونکہ ظالم نے خود اس کو شکایت کا موقع دیا ہے۔ لیکن اس میں بھی مساوات و عدل کی تعلیم ہے۔ دوسری آیت میں ہے کہ

فَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ط وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ٥ (نحل)	اگر تم پر ظلم کیا جائے تو تم اس کا بدلہ برابری کیساتھ لے سکتے ہو اور اگر صبر کرلو تو یہ صبر کرنیوالوں کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اس میں مظلوم کو عدل کیساتھ بدلہ کی اجازت دیگئی۔ اور عفو و درگذر اور اعلیٰ اخلاق کے مظاہرہ کو بہتر فرمایا گیا ہے۔

---

(۱۷۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ
کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار نگراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اسکی نگرانی کے بارے میں سوال ہوگا۔ اور امام نگراں ہے

رَعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ فِيْ اَهْلِهٖ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالْمَرْأَةُ فِيْ

اور اس سے اس کی نگرانی کے بارے میں پوچھا جائیگا اور ہر آدمی اپنے گھر والوں کا حاکم ہے اور اسکی ذمہ داری کی بازپرس

بَيْتِ زَوْجِهَا رَاعِيَةٌ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ فِيْ مَالِ

ہوگی۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اسکی ذمہ داری کا سوال ہوگا۔ اور خادم اپنے آقا کے مال

سَيِّدِهٖ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ

کا نگراں ہے۔ اور اس سے اسکی نگرانی کی بازپرس ہوگی۔ غرض تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے۔ اور اس کی ذمہ داری

عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (بخاری ص۳۴۷ ج۱ مشکوۃ ص۳۲۰)

کی اس سے بازپرس ہوگی۔

(۱۷۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا

يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (بخاری ص۳۳۶ ج۱ مشکوۃ ص۳۰۵)

کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کردیا جائے وہ شہید ہے۔

(۱۷۷) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت سعید بن زیدؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ

يَقُوْلُ مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دَمِهٖ فَهُوَ

فرماتے تھے کہ جو اپنے مال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے وہ

شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ دِيْنِهٖ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَهْلِهٖ

شہید ہے۔ اور جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے بال بچوں کی حفاظت میں

فَهُوَ شَهِيْدٌ۔ (ترمذی ص۱۷۱ ج۱ مشکوۃ ص۳۰۶)

مارا جائے وہ شہید ہے۔

(۱۷۸) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

اپنے (مسلمان) بھائی کی آبرو کا دفاع کیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آگ سے اس کے چہرہ کی حفاظت فرمائیں گے۔

(ترمذی ص۱۵ ج۲ مشکوۃ ص۴۲۴)

ترکیب	دُوْنَ سب جگہ قُتِلَ کا ظرف ہے۔ اور تمام جملے شرط و جزا ہیں۔

تشریح (۱۷۵) اس کی لغات ترکیب وتشریح نمبر ۱۳۵ پر گذر چکی ہیں۔ گو الفاظ کا کچھ فرق ہے۔ اور یہاں اس کی بہ نسبت قدرے مفصل ہے۔

(۱۷۶) اس سے مالِ مؤمن کی عظمت معلوم ہوئی کہ اگر اس کی حفاظت میں مارا بھی جائے تو شہادت کا درجہ نصیب ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص مجھ سے (زبردستی) مال لینے کا ارادہ کرے، تو بتایئے میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو مال نہ دو۔ اس نے کہا اگر وہ مجھ سے لڑنے لگے، فرمایا تم بھی اس سے لڑو۔ اس نے کہا اگر وہ مجھے قتل کردے تو بتایئے کیا ہوگا؟ فرمایا تم شہید ہوجاؤگے۔ اس نے کہا اگر میں اس کو قتل کردوں، تو بتایئے کیا ہوگا فرمایا وہ جہنم رسید ہوجائیگا۔ (مشکوٰۃ ص۱۰۱)

(۱۷۷) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مال جان یا اہل وعیال کے درپے ہو تو احسن طریقے سے دفع کرے۔ اور اپنے مال وجان اور اہل وعیال کی حفاظت کرے۔ لیکن بغیر مقاتلہ کے اگر دفاع ممکن نہ ہو تو اگر اس کو قتل کرڈالے تو نہ اسپر کوئی گناہ ہے نہ دیت وقصاص۔ ابن ہمام اور عام علمائے اسلام کا فتویٰ یہی ہے۔ اِس حدیث میں جان ومال، اہل وعیال اور دین کو یکسانیت کے ساتھ بیان کرکے مؤمن کے مال وجان، آبرو کی اہمیت کو بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱۷۸) اس حدیث میں مسلمان کی آبرو سے دفاع کا حکم اور ترغیب ہے۔ مثلاً اس کی ناحق غیبت ہورہی ہے تو اس سے دفاع کرنے والے کے لئے اللہ پر (اس کے وعدہ کی بنا پر) واجب اور ضروری ہے کہ وہ اس کی آتشِ دوزخ سے حفاظت فرمائیں۔ حضرت اسماء بنت یزیدؓ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ اَنْ يُعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ (یعنی کسی ناحق غیبت کرنیوالے کی تردید کردے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو جہنم سے آزاد فرمادیں گے۔) حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت میں یہ بھی ہے ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "ہم پر ایمان والوں کی مدد لازم ہے" معلوم ہوا کہ اہل ایمان سے دفاع ایمان کی علامت ودلیل ہے۔ اور کیوں نہو اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ اور بھائی کی محبت فطری چیز ہے۔ اور یہی اصل محرکِ دفاع ہے۔

حضرتِ سعید بن زیدؓ حضرت سعید بن زید کی کنیت ابو الاعور ہے، العدوی القرشی نسبت ہے۔ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں، شروع زمانہ میں اسلام لائے۔ اور بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ بدر میں یہ اور حضرت طلحہ بن عبداللہ ملک شام سے آنیوالے مشرکوں کے قافلہ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے مال غنیمت میں سے ان کو حصہ عطاء فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ کی ہمشیر حضرت فاطمہ بنت خطابؓ

ان کے نکاح میں تھیں جو حضرت عمرؓ کے اسلام کا سبب بنیں (اور ان کا قصہ مشہور ہے) ان کا رنگ کھلا ہوا گندمی تھا طویل القد تھے۔ بدن پر بال بہت تھے۔ مقام عتیق میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ جنازہ مبارکہ مدینہ لایا گیا۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ستر سال سے زائد عمر پائی۔ آپ سے ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کیں۔

وَمِنْهَا عِزَّةُ النَّفْسِ

اور ابواب بر میں سے عزت نفس بھی ہے۔

(۱۷۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَنْبَغِي

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کے لئے مناسب (اور جائز) نہیں

لِلْمُؤْمِنِ اَنْ يُذِلَّ نَفْسَهٗ قَالُوْا كَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهٗ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيْقُ (ج۲ ص۲۲)

کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ (کوئی) خود کو ذلیل کیسے کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ ایسی آزمائش کیلئے پیش ہو جائے جس کی اس میں طاقت نہو۔

(۱۸۰) قَالَ اِبْرَاهِيْمُ النَّخَعِيُّ كَانُوْا (اَيِ الصَّحَابَةُ) يَكْرَهُوْنَ اَنْ يَسْتَذِلُّوْا

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ وہ ذلیل ہوں۔

فَاِذَا قَدَرُوْا عَفَوْا۔ (ترمذی ص۲۲ ج۲)

پھر جب ان کو قدرت حاصل ہوتی تو معاف کر دیتے تھے۔

لغات لَا يَنْبَغِي اِنْفِعَال سے اِنْبِغَاء سہل ہونا، آسان ہونا، کہا جاتا ہے لا ینبغی لك ان تفعل ذلك۔ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ ایسا کرو؛ مجرد میں (ض) سے طلب کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ يُذِلُّ افعال سے ذلیل کرنا۔ (ض) ذلیل ہونا۔ يَتَعَرَّضُ تفعل سے درپے ہونا، طلب کرنا، فاسد ہونا (ض س) ظاہر ہونا، ہمیشہ رہنا۔ (ض ن) چوڑائی میں رکھنا۔ (ك) چوڑا ہونا۔ اَلْبَلَاءُ آزمائش، جسم کو گھلا دینے والا غم۔ (س) پرانا اور بوسیدہ ہونا۔ يُطِيْقُ افعال سے قادر ہونا۔ مجرد میں نصر سے اسی معنی میں۔

ترکیب جملہ اَنْ يُذِلَّ بتاویل مفرد لَا يَنْبَغِي کا فاعل۔ آگے دونوں جملے فعلیہ ہیں۔ اور مَا موصولہ اپنے صلہ جملہ فعلیہ سے مل کر مجرور لام ہو کر يَتَعَرَّضُ کے متعلق ہوگا۔ فَاِذَا قَدَرُوْا عَفَوْا شرط و جزا۔

تشریح (۱۷۹) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ حضرات صحابہ کرام کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کیونکہ وہ فطری طور پر ذلت سے دُور ونفور تھے۔ اور اسلام نے تو ان کو احساس پستی و کمتری سے اور بھی دُور ونفور کر دیا تھا۔ اسلئے سوال کیا کہ آدمی کس طرح خود کو ذلیل کر سکتا ہے۔ تو آپنے بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑجاتا ہے۔ براہِ راست ذلت کے کاموں سے بچنا تو سب جانتے ہیں۔ لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں پھنسنا جنکا انجام ذلت وخواری ہو یہ بھی مومن کا کام نہیں۔ تکبر اور عزتِ نفس (خودداری) میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ متکبر ہی حرصِ جاہ میں بڑائی کی خاطر ایسے امور میں خود کو پھنساتا ہے۔ کہ کچھ دور چل کر اس کی خواہش کے خلاف ذلت اسکے سامنے آجاتی ہے۔ اور مومن متواضع بھی ہوتا ہے، اور ذلت کی راہوں سے دُور رہکر زندگی گذارتا ہے۔ نہ وہ بلندی پر چڑھ کر قعرِ ذلت میں گرتا ہے، اور نہ وہ پستیوں میں خود کو ہلاک کرتا ہے، کبر وذلت کے درمیان خودی، خودداری اور عزتِ نفس کا مقام اور افراط وتفریط کے درمیان صراطِ مستقیم ہے۔

(۱۸۰) حضرتِ ابراہیم نخعیؒ نے بھی اسی حقیقت کو بیان فرمایا کہ صحابہؓ جس طرح اپنے آپ کو ذلت وپستی سے محفوظ رکھتے تھے اسی طرح وہ کبر وغرور سے بھی پاک وصاف تھے۔ چنانچہ اپنے دشمن اور مخالف پر قابو یافتہ ہو کر بھی اس پر رحم کرتے، اور انتقام کی قدرت پاکر بھی مجرم کو معاف کر دیتے تھے۔

وَمِنْهَا اِحْتِسَابُ النَّفْسِ

اور ابواب بر میں سے محاسبۂ نفس بھی ہے۔

(۱۸۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ

حضرتِ ابن مسعودؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپنے ارشاد فرمایا: انسان کے قدم

قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ حَتّٰى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ

اپنی جگہ سے، نہ ہٹیں گے جبتک کہ اُس سے پانچ باتوں کا سوال نہ کرلیا جائے۔ اسکی زندگی کے بارے میں کہ اُسنے وہ کس چیز میں ختم کی

شَبَابِهٖ فِيْمَا اَبْلَاهُ وَعَنْ مَالِهٖ مِنْ اَيْنَ اكْتَسَبَهٗ وَفِيْمَا اَنْفَقَهٗ وَ

اور اسکی جوانی کے بارے میں کہ کس چیز میں گنوائی۔ اور اسکے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کس چیز میں خرچ کیا۔

مَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ۔ (ترمذی ص ۶۴ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۴۴۳)

اور جو علم سیکھا اس پر کیا عمل کیا۔

(۱۸۲) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ حَاسِبُوْا اَنْفُسَكُمْ قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ تم اپنے نفسوں سے اس سے پہلے محاسبہ کرو کہ تم سے حساب لیا جائے

وَتَزَيَّنُوا لِلْعَرْضِ الْأَكْبَرِ وَإِنَّمَا يَخِفُّ الْحِسَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى مَنْ

اور تیار ہو جاؤ بڑی پیشی کے لئے قیامت کے دن حساب تو اسی پر آسان ہوگا

حَاسَبَ نَفْسَهُ فِي الدُّنْيَا وَيُرْوٰى عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ مِهْرَانَ قَالَ لَا يَكُوْنُ

جو دنیا میں اپنے نفس سے حساب لیگا۔ اور حضرت میمون بن مہرانؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ بندہ

الْعَبْدُ تَقِيًّا حَتّٰى يُحَاسِبَ نَفْسَهُ كَمَا يُحَاسِبُ شَرِيْكَهُ مِنْ أَيْنَ

اسوقت تک متقی نہیں بن سکتا جبتک کہ وہ اپنے نفس سے اس طرح محاسبہ نہ کرے جس طرح وہ اپنے شریک سے

مَطْعَمُهُ وَمَلْبَسُهُ۔ (ترمذی ص۶۹ ج۲)

محاسبہ کرتا ہے کہ اسکا کھانا اور لباس کہاں سے آیا۔

تشریح (۸۱) عَنْ خَمْسٍ اى خمس خصال. عَنْ عُمُرِهٖ بضمتين ويسكن الميم. اى مدة اجله وحياته كلها. أَفْنَاهُ اى صرفه. عَنْ شَبَابِهٖ اى قوته فى وسط عمره. أَبْلَاهُ اى ضيعه. وفيه تخصيص بعد تعميم. واشارة الى المسامحة فى طرفيه من حال صغره وكبره۔

زندگی میں گو جوانی کا وقت بھی ہے۔ لیکن زندگی کا اصل سرمایہ اور دونوں جہان کی کامیابی کی محنت کا وقت جوانی ہی ہوتا ہے۔ حالت صغر نادانی، لہو ولعب اور کمزوری کا وقت ہے۔ اور بڑھاپا کمزوریوں اور معذوریوں کا زمانہ ہے۔ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ کا مطلب یہ ہے کہ حلال طریقوں سے حاصل کیا یا حرام راستوں سے؟ اور فِيْمَا أَنْفَقَهُ کا مطلب یہ ہے کہ طاعت میں خرچ ہوا یا معصیت میں۔ وَمَاذَا عَمِلَ فِيْمَا عَلِمَ میں اسلوب بیان، عبارت میں تفنن وجدت کے لئے بدل دیا گیا۔ ورنہ تو ماقبل کا طرز چاہتا تھا کہ فرماتے وَعَنْ عِلْمِهٖ مَاذَا عَمِلَ بِهٖ۔ لیکن علم تو مومن کے لئے فرض ہے ہی۔ وہ لازمی طور پر اس کو حاصل کریگا۔ تو اسپر عمل کرنے کے متعلق سوال ہوگا۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ علم عمل کی بنیاد اور اس کا موقوف علیہ ہے۔ اور علم وعمل دو فریضے الگ الگ ہیں۔ اگر کسی نے علم حاصل کیا تو ایک فرض ادا کر لیا، عمل بھی کر لیا تو دونوں فرض ادا ہو گئے۔ اور اگر علم نہیں سیکھا تو دونوں فرض ضائع ہوئے، کیونکہ عمل بھی نہیں کیا، تو ظاہر ہے۔ اور اگر عمل کیا تو بغیر علم کے عمل غیر معتبر ہے۔ حضرت ابو الدرداءؓ کی حدیث میں ہے۔ فرمایا اے عویمر! تم کیا جواب دوگے جب قیامت کے دن تم سے پوچھا جائیگا کہ تم نے علم حاصل کیا یا جاہل رہے؟ اگر تم نے کہا کہ میں نے علم حاصل کیا تھا تو سوال ہوگا کہ تم نے اپنے علم پر کیا عمل کیا۔ اور اگر تم نے کہا کہ میں نے علم نہیں سیکھا تھا تو پوچھا جائیگا، کہ تم اپنے جاہل رہنے کا عذر بیان کرو۔ تم نے علم کیوں نہیں سیکھا؟ (جبکہ تمکو اس کا حکم تھا)۔ (اس سے معلوم ہوا کہ عالم بے عمل بھی جاہل مطلق سے بہتر ہے کہ اس نے

کم ازکم ایک فرض تو ادا کرلیا۔ ومع ھذا اُروی وَیْلٌ لِّلْجَاھِلِ مَرَّۃً وَّوَیْلٌ لِّلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔
وفی حدیث صحیح اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَالِمٌ لَمْ یَنْفَعْہُ اللّٰہُ بِعِلْمِہٖ۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ پانچ سوالات ہوں گے، اس دنیا میں ان کے جوابات کی تیاری ضروری ہے۔ چنانچہ

(۱۸۲) حضرت عمر بن الخطابؓ نے اسی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آج اس دنیا میں خود سے اپنے اعمال کا محاسبہ کرلو، اس سے پہلے ہی کہ تم سے خدا حساب کرے۔ کیونکہ جس کو حساب دینا ہوتا ہے پہلے اس کی خود ہی جانچ کرلیتا ہے، ورنہ حساب دینا مشکل ہوتا ہے۔ اسی طرح جب آدمی مہمان بنکر جاتا ہے یا کسی بڑی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے تو اپنے بدن ولباس کو صاف ستھرا کر کے خود کو اس میزبان یا اس بارگاہ کے لائق بنالیتا ہے جہاں اس کو جانا ہے۔ اور جانے سے پہلے مکمل اہتمام کرتا ہے۔ گندہ لباس پہنکر اور سڑا ہوا بدن لیکر نہیں جاتا۔ تو سب سے بڑے میزبان، سب سے بڑی بارگاہ اور شہنشاہ کے حضور میں حاضری سے پہلے پہلے اپنے ظاہر وباطن کو گندگیوں اور آلائشوں سے پاک صاف کرلو۔ اور اس عالی بارگاہ میں پیشی کے لئے مزین ہوجاؤ۔ دنیا کا بھی اصول ہے کہ اگر پہلے حساب درست کرلیا ہے اور اچھی طرح جانچ کرلی ہے تو حساب دینا آسان ہوتا ہے۔ اسی طرح اس دنیا میں اگر اپنے نفس سے محاسبہ کیا ہے تو قیامت کے دن حساب دینا سہل ہوگا۔ اسی لئے حضرت میمون بن مہرانؒ نے فرمایا کہ آدمی متقی (اور جنتی کیونکہ جنت انہیں کے لئے ہے اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ) اسوقت تک نہیں بن سکتا جبتک اپنے نفس سے اس طرح حساب نہ لے جس طرح اپنے شریک سے لیتا ہے۔ اور اس کی ہر ہر چیز پر پوری نظر رکھتا ہے کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا اور لباس کہاں سے بنایا ہے۔

محاسبہ کی ترکیب

تاجر دن بھر ہر چیز کے لین دین میں نقصان سے بچنے اور نفع کمانے کا اہتمام رکھتا ہے۔ اور شام کو کاروبار بند کر کے آمد وصرف، پونجی اور نفع کا حساب کرتا ہے۔ اگر خوب نفع ہوتا ہے تو خوش ہوتا ہے۔ کم نفع ہوتا ہے یا نقصان ہوجاتا ہے تو افسوس کرتا ہے۔ اور اگلے دن نفع کو بڑھانے اور گذشتہ نقصان کی تلافی کی کوشش کرتا ہے۔

بس اسی طرح ہر شخص کو چاہیئے کہ سونے سے پہلے پورے دن کا حساب جوڑے، کتنا وقت کام میں لگا کتنا ضائع ہوا۔ کتنی نیکیاں کیں، کتنے گناہ ہوئے۔ نیکیوں پر خوش ہو۔ اور اللہ کا شکر ادا کرے۔ اور وقت برباد ہونے یا گناہ کے سرزد ہوجانے پر افسوس کرے۔ اور نادم ہوکر اللہ تعالےٰ سے توبہ کرے اور اس نقصان کی تلافی کی دعا اور کوشش کرے۔ اگر اس محاسبہ کو اپنا وظیفہ بنالیا جائے تو بہت جلد تقویٰ والی زندگی نصیب ہوگی۔ اور اہلِ تقویٰ کا حساب قیامت کے دن آسان ہوگا۔ جیساکہ نصوص میں وارد ہے۔

حضرت میمون بن مہرانؒ

حضرت میمون بن مہران الجزری نام ہے، کنیت ابوایوب ہے۔ آپ کوفی الاصل تھے۔ رقہ میں رہے، ثقہ، فقیہ اور جلیل القدر تابعی تھے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں جزیرہ کے والی بنائے گئے۔ حضرت عمرؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت صفیہ بنت شیبہؓ وغیرہم بہت صحابہ نیز تابعین سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور آپ سے ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کیں۔ ابوعروبہؒ نے ان کو تابعین کے طبقۂ اولیٰ میں ذکر کیا ہے۔ عبداللہ بن احمد کا قول ہے کہ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ میمون بن مہرانؒ ثقہ ہیں۔ عکرمہؒ سے اوثق ہیں۔ اور ان کی تعریف کرتے تھے۔ امام عجلیؒ، امام ابوزرعہؒ اور امام نسائیؒ نے کہا کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن سعدؒ نے کہا کہ ثقہ اور قلیل الحدیث تھے۔ سعید بن عبدالعزیز نے اسماعیل بن عبداللہ سے نقل کیا میمون بن مہرانؒ نے بیان کیا کہ میں حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ پر فضیلت دیتا تھا تو مجھ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا کہ دونوں میں تم کو کون زیادہ محبوب ہیں۔ وہ شخص جس نے مال میں جلدی کی یا وہ جس نے خونوں میں کوشش کی؟ میمونؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اس خیال سے رجوع کر لیا۔ آپ کی پیدائش سنہ ۴۰ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۱۶ھ یا ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ۔

مِنْهَا نَصْرُ الْمَظْلُوْمِ وَإِعَانَةُ الْمَلْهُوْفِ

"ابواب بر میں سے ستم زدہ کی مدد اور پریشان حال کی فریاد رسی بھی ہے۔"

(۱۸۳) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا

بِسَبْعٍ بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَ

بیمار کی مزاج پرسی کرنے اور جنازوں کے پیچھے چلنے اور چھینکنے والے کو جواب دینے اور

نَصْرِ الضَّعِيْفِ وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ وَإِفْشَاءِ السَّلَامِ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ

کمزور کی مدد کرنے اور مظلوم کی اعانت کرنے اور سلام کو پھیلانے اور قسم کھانیوالے کی قسم کو پورا کرنے

وَنَهٰى عَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّهَبِ وَعَنْ رُكُوْبِ

کا اور (سات چیزوں سے) منع فرمایا چاندی (کے برتن) میں پینے سے اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے اور ریشم کی زینوں پر

الْمَيَاسِرِ وَعَنْ لُبْسِ الْحَرِيْرِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْقَسِّيِّ وَالْإِسْتَبْرَقِ۔

سوار ہونے سے اور نرم ریشم اور باریک ریشم اور کتان وریشم کے ملے ہوئے کپڑے اور موٹے ریشم کے پہننے سے۔

(بخاری ص ۹۲۱ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۱۳۲)

(۱۸۴) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا نَنْصُرُہٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ نَنْصُرُہٗ ظَالِمًا قَالَ تَاْخُذُ فَوْقَ یَدَیْہِ۔ (بخاری ۲۳۱ مشکوٰۃ ۴۲۲)

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے بھائی کی (ہر حال میں) مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے رسولِ خدا یہ بات تو ٹھیک ہے کہ ہم اپنے بھائی کی مدد کریں گے جبکہ وہ مظلوم ہو۔ مگر ہم ایسی حالت میں اسکی کیسے مدد کرسکتے ہیں جبکہ وہ ظالم ہو۔ ارشاد فرمایا کہ اسکے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لو اور ظلم نہ کرنے دو۔

(۱۸۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ وَمَنْ یَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ فِی الدُّنْیَا یَسَّرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ فِی الدُّنْیَا سَتَرَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ۔

حضرت ابو ہریرہؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو کسی مؤمن سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی معمولی مصیبت دور کردیگا تو اللہ تعالیٰ اس سے آخرت کی مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمادیں گے۔ اور جو دنیا میں کسی تنگدست کو سہولت دیگا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں سہولت عطا فرمائیں گے۔ اور جو دنیا میں کسی مسلمان کو چھپائیگا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا اور آخرت میں چھپائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اسوقت تک بندہ کی مدد میں رہتے ہیں جبتک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

(ترمذی ۱۵/۲ مشکوٰۃ ۳۲)

لغات اِغَاثَۃ۔ اعانت کرنا، مدد کرنا، نَصَرَ سے اسی معنیٰ ہیں۔ اَلْمَلْھُوْف (س) ظلم کیا جانا، غمگین ہونا۔ افسوس کرنا۔ العِیَادَۃ (ن) بیمار پرسی کرنا۔ مَرِیْضٌ بیمار ج مَرْضیٰ (س) بیمار ہونا اَلْجَنَائِز جمع جَنَازَۃ کی میت۔ میت کا تابوت۔ میت کے دفن میں جانے والے۔ شراب کی مشک (ض) چھپانا، جمع کرنا۔ تَشْمِیْت یرحمک اللہ کہہ کر دعا کرنا۔ یا یہ دعا کرنا کہ ایسی حالت میں مبتلا نہو کہ جس پر کسی کو شماتت کا موقع ملے۔ شَمِتَ شَمْتًا شَمَاتَۃً (س) کسی کی مصیبت پر خوش ہونا۔ اَلْعَاطِس چھینکنے والا، صبح، سامنے آنیوالا ہرن۔ (ن ض) چھینکنا، پوپھٹنا۔ روشن ہونا۔ اِفْشَاءُ پھیلانا۔ ظاہر کرنا۔ فَشْوًا فُشُوًّا (ن) ظاہر ہونا۔ پھیل جانا۔ اِبْرَار قسم پوری کرنا، فائق ہونا غالب ہونا۔ (س ض) سچ بولنا، اطاعت کرنا، قسم پوری ہونا۔ (ن ض) اطاعت کرنا، خدمت کرنا۔ حسنِ سلوک کرنا۔

التَّخَتُّمُ انگوٹھی پہننا۔ (ض) ختم کرنا، مہر لگانا۔ المَیَاثِرُ جمع مِیْثَرَۃٌ زین یا زین پوش جو ریشمی ہو۔ الحریر یعنی نرم ریشم سے بنا ہوا کپڑا۔ الدِّیْبَاجُ الرقیق وقیل الحریر المرکب من الابریسم وغیرہ مع غلبۃ الابریسم۔ والقَسِّیُّ بفتح القاف وتشدید السین والیاء ضرب من ثیاب کتان مخلوط بحریر یؤتی بہ من مصر نسب الی قریۃ علی ساحل البحر یقال لہا القس وقیل القس القز وھی ردیٔ الحریر ابدلت الزاء سینا۔ اِسْتَبْرَقٌ المنسوج من الدیباج الغلیظ۔ نَفَّسَ باب تفعیل سے غم دور کرنا، ترغیب دینا۔ نَفِسَ نَفَسًا نَفَاسَۃً (س) بخل کرنا، حسد کرنا، نااہل سمجھنا، زچہ ہونا، بچہ جننا۔ (ك) نفیس اور مرغوب ہونا۔

ترکیب

(۱۸۳) بِعِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ معطوفات سے مل کر بِسَبْعٍ سے بدل اَمَرَ کے متعلق۔

(۱۸۴) ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا معطوفین اَخَاكَ سے حال۔ مفعول بہ اُنْصُرْ کا۔

(۱۸۵) مَنْ نَفَّسَ الخ شرط نَفَّسَ اللّٰہُ الخ جزا۔ اسی طرح اگلے دونوں جملے شرط و جزا ہیں۔ وَاللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ جملہ مستانفہ کلام سابق کی تذییل و تکمیل کے لئے ہے۔ اور مَا کَانَ میں مَا بمعنی مَادَامَ ہے۔ ظرف متعلق۔

تشریح

(۱۸۳) مشکوٰۃ شریف باب عیادۃ المریض میں ہے اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ۔ سات چیزوں کا حکم دیا۔ (۱) بیمار کی مزاج پرسی مسنون ہے۔ خواہ ایک ہی بار ہو۔ بعض جگہوں میں یہ مشہور ہے کہ بعض ایام میں عیادت نہ کرنی چاہیئے۔ یہ غلط ہے۔ مثلاً بعض کا خیال ہے کہ سنیچر کے دن مزاج پرسی نہ کیجائے۔ تو یہ یہود کا خیال تھا، جو انہوں نے مسلمانوں میں داخل کردیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ہمارے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ جاڑوں کے موسم میں رات کو اور گرمیوں میں دن کو عیادت مستحب ہے تعجب خیز ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں ممکن ہے کہ اس قول کی توجیہ کرلیجائے اور اس میں حکمت یہ ہو کہ اصل مقصود عیادت سے مریض کو تسلی دینا، اس کا خیال بٹانا اور اس کے لئے دعائے خیر کرنا ہے۔ فان لقاء الخلیل شفاء العلیل۔ اور جاڑوں کی رات بڑی ہوتی ہے۔ اور گرمیوں کا دن دراز ہوتا ہے۔ اسلئے مناسب ہے کہ مریض کو ملاقاتوں میں مشغول رکھکر اس کے طول شب و روز کو اسپر آسان کردیا جائے۔ (۲) اِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ کا مطلب یہ ہے کہ دفن کے لئے جنازوں کے پیچھے پیچھے چلنا، امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ان روایات کی بنا پر جنازوں کے آگے چلنا مکروہ ہے۔

(۳) تَشْمِیْتُ الْعَاطِسِ چھینکنے والا مسلمان اگر الحمد للہ کہے تو جواب میں "یَرْحَمُكَ اللّٰہُ" کہنا چاہیئے۔

چھینک اگر زکام کی وجہ سے نہو تو صحت و خفتِ بدن کی علامت ہے۔ اسلئے بطورِ شکر چھینکنے والا الحمد للہ کہتا ہے۔ بخلاف جمہائی کے کہ وہ ثقل و سستی اور کاہلی کی علامت ہے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انّ اللہ یحبّ العطاس ویکرہ التثاؤب۔ اور سننے والا اپنے بھائی کے لیے جوابًا رحمت کی دعا کر کے اظہارِ محبت وہمدردی کرتا ہے۔ اور اگر چھینکنے والا الحمد للہ نہیں کہتا تو جوابًا یرحمک اللہ کہنا مستحب نہیں ہے۔ (۴) کمزور کی مدد کرنا بعض مرتبہ فرض وواجب اور بعض اوقات مستحب ہوتی ہے۔

(۵) وَعَوْنِ الْمَظْلُوْمِ مظلوم کی مدد حسبِ طاقت واجب ہے۔ مظلوم خواہ مسلم ہو یا ذمّی۔ ہاں مدد کبھی زبانی ہوتی ہے، کبھی عملی، اور کبھی خود اسپر زیادتی سے باز آجانے میں، کبھی دُعا اور توجہ سے۔ غرض نصرتِ مظلوم کی بہت سی صورتیں ہیں۔ مشکوٰۃ میں عون المظلوم کی بجائے نصر المظلوم ہے۔

(۶) اِفْشَاءُ السَّلَامِ۔ اور مشکوٰۃ میں ردّ السَّلَام ہے۔ اِفشاء السّلام کا مطلب ہے سلام کو پھیلانا یعنی سب مسلمانوں کو بکثرت سلام کرنا۔ اور یہ مستحب ومسنون ہے۔ اور ردّ السّلام کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان سلام کرے اس کا جواب دیا جائے۔ اور یہ واجب ہے۔

(۷) وَاِبْرَارُ الْمُقْسِمِ۔ قسم کھانیوالے کی قسم کو پورا کرنیکا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان قسم کھا کر کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کی جائے۔ یا اس کی قسم کے خلاف اس کو مجبور نہ کیا جائے۔ یہ اسکی ہمدردی ہے۔ اور اخوت کا حق ہے۔ مشکوٰۃ کی روایت میں نصرُ الضَّعِیف نہیں ہے اس کی بجائے اِجابۃ الدَّاعی ہے۔ یعنی دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول کرنا۔ بلائے تو چلا جائے۔ کھانے کی دعوت کرے اور کوئی شرعی حرج نہو تو قبول کرلے۔ بھوک ہو تو کھالے۔ اور اگر روزہ دار ہے یا بھوک نہیں ہے تو دُعا کر کے چلا آئے۔ یہ سات چیزیں تو وہ ہیں جنکا آپ نے حکم فرمایا۔ اور جن سات چیزوں سے منع فرمایا وہ یہ ہیں۔

(۱) چاندی کے برتن میں پینا۔ مشکوٰۃ میں اس کو ساتویں نمبر میں بیان فرمایا ہے۔ اور اس میں نھٰی عن الشرب فی الفضّۃ کی بجائے ہے وآنیۃ الفضّۃ وفی روایۃ وعن الشرب فی الفضّۃ فانہ من شرب فیھا فی الدّنیا لم یشرب فیھا فی الأخرۃ (یعنی آپنے چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی کے برتن میں پینے سے منع فرمایا۔ کیونکہ جو چاندی کے برتن میں دنیا میں پیئے گا وہ آخرت یعنی جنت میں چاندی کے برتن میں نہ پیئے گا) یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ پینے کے حکم میں کھانا اور دیگر استعمالات بھی ہیں۔ اور جو چاندی کا حکم ہے وہی سونے کا بھی ہے۔ اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا اور انکا استعمال مردوں اور عورتوں سب کے لیے حرام ہے۔ کیونکہ چاندی سونے کے برتنوں کے استعمال میں اِسراف وکبر پایا جاتا ہے۔

مظہری فرماتے ہیں کہ جو ان کی حِلّت کا اعتقاد کریگا تو وہ کافر ہوگا۔ اور آخرت میں جنت سے محروم ہوگا۔ البتہ اگر توبہ کرلی تو توبہ کے بعد مؤمن شمار ہوگا۔ اور آخرت میں جنت اور اسکے برتنوں سے

محروم نہ ہوگا۔ ہاں جو شخص ان کو حرام سمجھنے کے باوجود استعمال کریگا تو وہ گناہِ صغیرہ کا مرتکب ہوگا۔
البتہ باز رکھنے کے لئے تغلیظ و تشدید کی جائیگی۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لم یشرب فیھا فی الاٰخرۃ
کنایہ ہے اس کے جہنمی ہونے سے۔ کیونکہ اہلِ جنت تو چاندی سونے ہی کے برتنوں کو استعمال کریں گے۔
جیساکہ قرآن پاک میں قَوَارِیْرَ مِنْ فِضَّۃٍ اور بِصِحَافٍ مِّنْ ذَھَبٍ وارد ہوا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جس کو
یہ برتن نہ ملیں گے وہ جنتی ہی نہ ہوگا۔ بلکہ دوزخی ہوگا۔ والاظھر ان یقال انہ لم یشرب مدۃ عذابہ
اووقت وقوفہ وحسابہ اوفی الجنۃ مدۃ شرابہ فی الدنیا ونظیر ذلک ماصح فی الحریر
من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ فی الاٰخرۃ وفی الخمر من شربھا فی الدنیا لم یشربھا فی الاٰخرۃ
ویمکن ان یخلق اللہ اٰنیۃ ولباسًا وشرابًا غیر ماذکر لمن حرمہ ویکون نقصًا فی مرتبتہ
لاعقابًا فی حقہ۔ واللہ اعلم (مرقاۃ ص ۲۹۵ / ج ۴)
البتہ مرد کو چاندی کی ایک انگوٹھی ایک مثقال کی جائز ہے۔ اور عورت کیلئے چاندی اور سونے کے زیورات
کی اجازت ہے۔ بٹن کیونکہ کپڑوں کے تابع ہوتے ہیں اسلئے سونے چاندی کے بٹن بھی مرد استعمال
کرسکتے ہیں۔

(۲) وَعَنْ تَخَتُّمِ الذَّھَبِ۔ سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا یعنی مرد کو منع فرمایا۔ کیونکہ عورت کیلئے
سونے کا زیور جائز ہے۔

(۳) وَعَنْ رُکُوْبِ الْمَیَاسِرِ۔ مشکوٰۃ میں ہے والمیثرۃ الحمراء ملا علی قاریؒ نے اس کی تفسیر اَلْوِطَاۃُ عَلَی
السَّرْجِ سے کی ہے۔ یعنی وہ گدّا یا تکیہ یا زین پوش جو زینوں پر رکھا جاتا ہے، کیونکہ وہ ریشمی ہوتا تھا۔
اور اہلِ عجم اس کو زین پر رکھتے تھے۔ اگر وہ حریر و دیباج کا ہے تو وہ کسی بھی رنگ کا ہو حرام ہوگا۔ ورنہ صرف
سُرخ رنگ علتِ رعونت کی وجہ سے مکروہ ہوسکتا ہے۔ بعض نے میثرہ کے معنی زین پوش بیان
کئے ہیں جو ریشم سے بنایا جاتا تھا۔ بعض نے کہا کہ ریشم کی زین کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس تکیہ کو
کہتے ہیں جو زین میں ہوتا ہے۔ یا اس کے اوپر رکھا جاتا ہے، اگر ریشم کا ہو تو وہ مکروہ ہوگا۔ ایک قول
یہ بھی ہے کہ میثرہ ریشم کے اس نرم گدّے کو کہتے ہیں جس کے اندر روئی یا اُون بھردی جائے۔ جس کو سوار
اپنے نیچے اور زین کے اوپر رکھکر بیٹھتا ہے۔
وقال الطیبی والقاضی وصفھا بالحمراء لانھا کانت الاغلب فی مراکب الاعاجم یتخذونھا
رعونۃ۔

(۴) وعن لبس الحریر الحریر، دیباج، استبرق اور قسّی یہ چاروں ریشم ہی کی انواع ہیں۔ اور
انواع کی تفصیل محض تاکیدِ تحریم اور بیانِ حکم کے اہتمام کے لئے ذکر فرمائی گئی۔ اور اس وہم کا
دفعیہ بھی مقصود ہے کہ عرفًا مستقل علیحدہ نام ہوجانے سے حکمِ تحریم میں کوئی فرق نہ پڑیگا۔ واللہ اعلم

(۱۸۴) اُنْصُرْ اَخَاكَ اي مُسْلِماً مشکوٰۃ میں ہے فقال رجلٌ یا رسُول الله انصرهٗ مظلوماً فکیف انصرهٗ ظالماً قال تمنعه من الظلم فذلك نصرك ایاه۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظالم کے ہاتھوں پر قبضہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظلم سے اس کو روک دیا جائے۔ خواہ ہاتھ پکڑ کر یا زبان سے یا اور کسی طرح۔ اور ظلم سے روک دینا ہی ظالم کی مدد ہے، اس کے نفس وشیطان کے مقابلہ میں جو اس کے بدترین دشمن ہیں۔ اسی طرح ظالم کو ظلم سے روکنے میں ظلم کے دنیوی اور اُخروی بُرے نتائج سے اس کی حفاظت کرنا ہے۔ یہ بھی اسکی مدد ہے۔

(۱۸۵) نَفَّسَ کے معنی ہیں اَزَالَ وَاَذْهَبَ یعنی جس نے کسی مؤمن کی کوئی معمولی سی دنیاوی مصیبت دُور کر دی مؤمن سے مراد صاحب ایمان ہے۔ خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہو۔ اس میں اول کُرْبَةً پر تنوین تحقیر کیلئے ہے۔ اور دوسرے نمبر پر تعظیم کے لئے ہے۔ یعنی جس نے کسی مؤمن کی معمولی سی دنیاوی مصیبت دور کردی تو اللہ تعالیٰ اُخروی مصیبتوں میں سے اس کی عظیم مصیبت دُور فرما دیں گے۔ لہٰذا اب یہ اشکال پیش نہ آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بیان فرمایا ہے۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مصیبت دُور کرنے کی وجہ سے دس مصائب دُور ہونی چاہئیں۔ وجہ یہ ہے کہ عشر امثال کی دو صورتیں ہیں (۱) فی الکمیۃ (۲) فی الکیفیۃ۔ یہاں صورت ثانی ہے۔

ومن یسر علیٰ معسر۔ یہاں معسر سے عام معنیٰ مراد ہیں۔ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اور تنگدست محتاج کو سہولت دینے کا مطلب یہ ہے کہ دَین کا کل یا بعض اس سے معاف کر دے۔ یا مہلت دیدی جائے۔ یا اور کسی طرح امداد واعانت سے اس کو سہولت وآسانی دیدی جائے۔

وَمَنْ سَتَرَ۔ چھپانے کا مطلب اسکے عیبوں کو چھپانا بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کو کپڑا پہنانا بھی۔ ستر کے وسیع مفہوم میں دونوں داخل ہیں۔ وفی شرح مسلم ای ستر بدنهٗ بالالباس او عُیوبهٗ بعدم الغیبة له والذب عن معایبه وهٰذا علیٰ من لیس بمعروف بالفساد واما المعروف بالفساد فیستحب ان ترفع قصته الی الوالی الخ

وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ الخ اس میں مسلمان بھائی کی مدد واعانت کی فضیلت ہے۔ اور عون واعانت بھی عام ہے۔ دل سے ہو یا بدن سے۔ اسکے لئے جلب منفعت ہو یا اس سے دفع مضرت ہو۔ دراصل مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ جو اُن کے ساتھ جس نوع کا احسان کریگا، اس کو اسی کے مناسب بدلہ دیا جائے۔

وَهَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔

مشکوٰۃ میں اس کے بعد اس روایت میں یہ بھی ہے

وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقاً يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْماً سَهَّلَ اللهُ لَهٗ بِهٖ طَرِيقاً اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ

اور جو کسی ایسے راستہ میں چلیگا جسمیں وہ (علوم دینیہ میں سے) کوئی علم تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے اسکے سبب سے ایک ایسا راستہ آسان فرما دیں گے جو جنت تک پہنچتا ہے

يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ۔

(مشکوٰۃ ص ٣٢)

اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور اسکو آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں تو ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے۔ اور انکو رحمت اپنے اندر ڈھک لیتی ہے۔ اور فرشتے انکو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والے لوگوں (خاص فرشتوں) میں اسکا ذکر فرماتے ہیں اور جسکے عمل نے اسکو پیچھے ڈالدیا اسکا نسب اسکو آگے نہیں بڑھا سکتا۔

حدیث کے اس حصہ میں جو مشکوٰۃ الآثار میں مذکور ہے مخلوق پر شفقت و رحمت کا ذکر ہے، اور غیر مذکور حصہ میں تعظیم لِامرِ اللہ کا ذکر ہے۔ کیونکہ علم وسیلہ اور موقوف علیہ ہے عمل کے لئے۔ اور اس غیر مذکور حصہ میں تعلیم و تلاوتِ قرآن کی فضیلت اور عمل کی ترغیب مذکور ہے۔

حضرت براء بن عازبؓ

البراء بن عازب بن الحارث بن عدی الانصاری الاوسی الحارثی۔ صحابی ہیں اور ان کے والد عازبؓ بھی صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو عُمارہ (بضم العین وتخفیف المیم) یا ابو عمرو یا ابو الطفیل تھی۔ غزوۂ بدر میں ان کو کمسن بچہ قرار دیا گیا تھا، اس لئے اس میں شرکت نہ ہو سکی۔ یہ اور عبد اللہ بن عمر دونوں ہم سن اور کمسن تھے۔ حافظ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد میں ان کی سب سے پہلی شرکت ہوئی۔ عسکریؒ نے کہا کہ سب سے پہلی شرکت ان کی غزوۂ خندق میں ہوئی۔ ابن قانعؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ پندرہ (١٥) غزوات میں شرکت کی۔ اور جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان میں حضرت علیؓ کے ہمراہ رہے۔ ٢٤ھ میں انہوں نے رَی کو فتح کیا۔ مصعب بن الزبیر کے دور میں ٧٢ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، ابو ایوبؓ اور بلالؓ وغیرہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ایک خلقِ کثیر روایت کرتی ہے۔

(تراجم ص ١٦٣/١٧)

وَمِنْ أَبْوَابِ الْبِرِّ أَدَاءُ الْأَمَانَةِ وَحُسْنُ الْقَضَاءِ

اور ابوابِ بِرّ میں سے امانت کا پہونچانا اور ادائیگی کی عمدگی بھی ہے۔

(١٨٦) قَالَ اللهُ تَعَالٰى. إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ تمکو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہلِ حقوق کو انکے حقوق پہنچا دیا کرو۔ (النساء آیت ٥٨)

(١٨٧) عَنْ أَنَسٍؓ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمکو خطبہ دیتے تو اکثر ارشاد فرماتے تھے

اِلَّا قَالَ لَآ اِیْمَانَ لِمَنْ لَّآ اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ۔ (مشکوٰۃ ص۱۵)

کہ جس میں امانتداری نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اور جس میں عہد کی پابندی نہیں اس میں دین نہیں۔

(۱۸۸) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِیْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَھِیَ اَمَانَۃٌ وَلِاَجْلِ ذٰلِکَ یُقَالُ اِنَّ الْمَجَالِسَ بِالْاَمَانَۃِ۔ (ترمذی ص۱۸ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۳)

حضرت جابر بن عبد اللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص بات کرے اور اِدھر اُدھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ مجلسیں امانتداری کے ساتھ ہونی چاہئیں۔

(۱۸۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ۔ (ترمذی ص۱۸ ج۲ مشکوٰۃ ص۳۲)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہے۔

لغات تُؤَدُّوْا تفعیل سے مجرد میں ضرب سے پہنچانا، ادا کرنا۔ خَطَبَ (ن) بضم الخاء خطبہ دینا، وعظ کہنا، اور بکسر الخاء پیغام نکاح دینا۔ اِلْتَفَتَ چہرہ پھیرنا، دائیں بائیں موڑنا۔ لَفَتَ لَفْتًا (ض) موڑنا، پھیرنا۔ اَلْمُسْتَشَارُ۔ مفعم جس سے مشورہ طلب کیا جائے۔ استفعال سے عمدہ لباس پہننا۔ مشورہ طلب کرنا (ن) شَوْرًا شِیَارًا نکالنا، سدھانا وغیرہ۔

ترکیب اَنْ تُؤَدُّوْا اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے ملکر بتاویل مفرد یَاْمُرُ کا مفعول بہ، اور جملہ فعلیہ اِنَّ کی خبر۔ قَلَّمَا میں مَا مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور مَا کافہ بھی۔ اِذَا حَدَّثَ اپنے معطوف سے ملکر شرط۔ فھی الخ جملہ جزائیہ۔

تشریح (۱۸۶) آیت شریفہ کا نزول ایک خاص واقعہ میں ہوا۔ وہ یہ کہ کعبہ کی خدمت اسلام سے پہلے بھی بڑی عزت کی چیز تھی۔ خدام کعبہ پوری قوم میں معزز و محترم اور ممتاز شمار ہوتے تھے۔ ایام حج میں سقایہ (پانی پلانا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباسؓ کے سپرد تھا۔ بعض دوسری خدمات آپ کے دوسرے چچا ابوطالب کے حوالہ تھیں۔ اسی طرح بیت اللہ کی کلید برداری کی خدمت عثمان بن طلحہؓ کے متعلق تھی۔ وہ کعبۃ اللہ کو پیر اور جمعرات کے دن کھولتے تھے۔ اور ان دونوں

دنوں میں لوگ بیت اللہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ہجرت سے پہلے ایکدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہؓ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے تشریف لائے۔ عثمان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت ترشی کے ساتھ اندر جانے سے روکدیا۔ آپنے بڑی بردباری کے ساتھ ان کے سخت کلمات کو برداشت کیا۔ اور فرمایا عثمان! شاید تم ایک روز بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھوگے۔ جبکہ مجھے اختیار ہوگا کہ میں وہ کنجی جس کو چاہوں دوں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ نہیں، اسوقت قریش آباد اور عزت والے ہو جائیں گے۔ آپ یہ کہتے ہوئے بیت اللہ میں تشریف لے گئے۔ عثمان کہتے ہیں کہ اس کے بعد جو میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین ہوگیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہو کر رہیگا۔ میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا۔ لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے۔ وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے۔ اسلئے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی میں نے پیش کردی۔

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لیکر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے۔ آپنے حضرت علیؓ کو حکم فرمایا کہ ان سے کنجی لے لو چنانچہ حضرت علیؓ نے ان سے کنجی چھین کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی۔ آپ نے تالا کھولا۔ بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ اور وہاں سے نماز و دُعا کے بعد باہر تشریف لائے۔ تو پھر کنجی عثمان کو واپس فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان میں رہیگی جو تم سے کنجی لیگا وہ ظالم ہوگا۔ یعنی اب کسی کو کلید کعبہ تم سے لینے کا حق نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ ہدایت بھی فرمائی کہ کلید برداری کی خدمت کے صلہ میں تم کو جو مال ملجائے اسکو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرنا۔

عثمان بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ جب میں بیت اللہ کی کنجی خوشی خوشی لیکر چلنے لگا تو آپنے مجھے آواز دی اور فرمایا وکیوں عثمان جو بات ہمنے تم سے کہی تھی پوری ہوئی یا نہیں۔ تب مجھے وہ بات یاد آگئی جو آپنے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی۔ کہ ایک روز یہ کنجی تم میرے ہاتھ میں دیکھوگے۔ میں نے عرض کیا بیشک آپکا ارشاد پورا ہوا۔ اور اسوقت میں کلمہ پڑھکر مسلمان ہوگیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس دن جب آپ کعبۃ اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ آپ کی زبان پر تھی، اس سے پہلے میں نے کبھی یہ آیت آپ سے نہ سنی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت اسی وقت جوف کعبہ میں نازل ہوئی تھی جس کی تعمیل میں آپنے کلید کعبہ عثمان کے حوالہ فرمائی۔ کیونکہ عثمان نے کلید دیتے وقت یہ کہا تھا کہ "میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں" گو ضابطہ میں انکا یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل اختیارات حاصل تھے۔ کہ جو چاہیں کریں۔ لیکن قرآن کریم نے صورت امانت کی بھی رعایت فرمائی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو مامور فرمایا کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرما دیں۔ حالانکہ اسوقت حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ نے بھی آپ سے درخواست کی تھی کہ جس طرح سقایہ (حجاج کو پانی پلانا) اور سدانہ (بیت اللہ کی دیگر خدمات) ہمارے سپرد ہیں اسی طرح کلید برداری کی خدمت بھی ہمیں عطا فرما دیجئے۔ مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آپ نے ان کی یہ درخواست منظور نہیں فرمائی۔ بلکہ کلید عثمان بن طلحہؓ کو عنایت فرمائی۔

آیت کا مطلب

یہ تو آیت کا شانِ نزول تھا۔ اسپر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ کسی آیت کے سببِ نزول کے خاص ہونے کے باوجود الفاظ کے عموم کی وجہ سے حکم عام ہوتا ہے۔ اسلئے آیت شریفہ میں یہ حکم ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو پہنچاؤ۔ اس حکم کے مخاطب امراء و حکام ہیں۔ جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے۔ یا ہر شخص مخاطب ہے۔ جیسا کہ بعض دوسرے علماء کا قول ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم سب کو عام ہے جس میں عوام بھی داخل ہیں۔ اور حکام بھی، سب کو امانتداری کا اور امانت اس کے مستحق کو پہونچانے کا حکم ہے۔ حقوق اللہ (عبادت) اللہ کو پہنچائے جائیں۔ اور بندوں کے حقوق (خواہ وہ جانی حقوق ہوں یا مالی) بندوں کو ادا کیے جائیں۔ لہٰذا یہ حکم پورے دین کا خلاصہ و حاصل ہے۔ اور اس سے پہلے سورۂ نساء کی ستاون آیات میں جو حقوق بیان ہوئے۔ یہ آیت اُن سب کا لُبِّ لباب ہے۔ اور اجمالی طور پر یہ تمام تفصیلاتِ سابقہ کی تاکید بھی ہے۔

(۸۷) اس روایت میں بھی اَدائے امانت کی زبردست تاکیدیں ہیں۔ اول تو اَدائے امانت کو مُرادِف ایمان قرار دیا گیا۔ دوم یہ فرمایا گیا کہ اکثر و بیشتر آپ اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ تیسرے الفاظِ حدیث میں ایمان اور دین تحت النفی ہونے کی وجہ سے استغراق کے لئے مفید اور مفہوم کے لحاظ سے حصر کا مظہر ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں خیانت و عہد شکنی کو نفاق کی علامتیں قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں دونوں جگہ لائے نفی، نفیِ کمال کے لئے بھی ہوسکتی ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ اس کا ایمان کامل نہیں۔ جو امانتدار نہیں۔ اور اس کا دین کامل نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔ اور نفی اصلی و حقیقی بھی ہوسکتی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ جو خیانت و غدّاری کا عادی ہو جاتا ہے، رفتہ رفتہ وہ دین و ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہ مشہور ہے۔ المعاصی بَرِیدُ الکفرِ (گناہ کفر کا ایلچی یعنی ذریعہ، سبب اور پیش خیمہ ہے) لیکن اگر بطورِ عمومِ مجاز یہ کہا جائے کہ بعض امانتیں اور عہد تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں خیانت و غدّاری سے ایمان و دین ہی سے محرومی ہو جاتی ہے۔ اور بعض میں خیانت و غدّاری سے کمالِ ایمان و کمالِ دین باقی نہیں رہتا، تو بہتر ہوگا۔

کیونکہ امانتوں اور عہدوں کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جن کے اجمال کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے تفصیلات کو خود ہی سمجھ لیں۔

اَمانت و عہد کی قسمیں

(۱) وہ امانت تکلیف یا عشق و معرفتِ خداوندی کی امانت ہے۔ جس کا

تذکرہ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ الآیۃ میں کیا گیا۔ (۲) دین وایمان کی امانت ہے۔ کہ دین کی تصدیق وترویج کیجائے اور کفر وشرک سے بچا جائے۔ (۳) جان کی امانت۔ کہ اپنی اور دوسروں کی جان کی حفاظت کیجائے۔
(۴) آبرو کی امانت۔ اپنی اور دوسرے ایمان والوں کی آبرو ریزی نہ کیجائے۔ (۵) مال کی امانت۔ کہ اپنا اور دوسروں کا مال ضائع نہ کیا جائے۔ اور مستحق کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے۔ (۶) جاہ کی حفاظت کہ خود کو ذلیل نہ کیا جائے۔ اور دوسروں کا مرتبہ نہ گھٹایا جائے۔ اس میں مناصب اور عہدے بھی داخل ہیں۔ کہ اہل کو عہدہ ومنصب حوالہ کیا جائے۔ زیادہ اہل کو چھوڑ کر کم اہل کو یا اہل کو چھوڑ کر نااہل کو منصب سپرد کرنا خیانت وحق تلفی اور نظامِ عالم کی تباہی کا سبب ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسکو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو، پھر اس نے کسی شخص کو محض تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیئے کوئی عہدہ دیدیا ہو تو اسپر اللہ کی لعنت ہے۔ نہ اس کا کوئی فرض مقبول ہے نہ نفل۔ یہانتک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے۔ (جمع الفوائد ص۳۲۵)
ایک حدیث میں ہے کہ جس نے کسی شخص کو عہدہ سپرد کیا حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل آدمی موجود ہے۔ تو اس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور سب مسلمانوں کی خیانت کی۔ دورِ حاضر میں تمام ممالک میں نظامِ حکومت کی ابتری کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تعلقات، سفارشات، اور رشوتوں کی بنیاد پر عہدوں کی تقسیم کیجارہی ہے۔ جس کیوجہ سے نالائق لوگ عہدوں پر قابض ہوکر خلقِ خدا پر مظالم کرتے ہیں۔ اور نظامِ حکومت برباد ہوتا ہے۔ اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔
(۷) زوجین کا آپسی راز بھی امانت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَۃِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الرَّجُلَ یُفْضِیْ اِلٰی امْرَأَتِہٖ وَتُفْضِیْ اِلَیْہِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّھَا۔ (مشکوٰۃ ص۲۷۶) یعنی میاں بیوی کی مخصوص (ہمبستری وغیرہ) کی باتیں بڑی امانت ہیں جن کا افشاء سخت گناہ ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے قیامت کے دن بدترین آدمی وہ ہے جو اپنی بیوی کے پاس جائے اور بیوی اس سے ملے، اور پھر وہ اس بیوی کا راز فاش کرے۔
(۸) مجلس کی امانت تمام اہلِ مجلس کی آبرو وغیرہ کی حفاظت، اور مجلس کی مخصوص باتوں کو مجلس سے باہر نہ کہنا۔ (۹) بات کی حفاظت وراز داری جس کے متعلق بتادیا گیا کہ یہ راز ہے۔ یا قرائن سے معلوم ہوگیا کہ یہ بات ظاہر کرنے کی نہیں۔ مثلاً بات کرتے ہوئے متکلم کا ادھر اُدھر التفات کرنا کہ کوئی اس بات کو سن تو نہیں رہا۔
(۱۰) مشورہ میں امانتداری۔ کہ جو مشورہ طلب کرے اس کو صحیح مشورہ دیا جائے۔ آئندہ کی دونوں حدیثوں میں ان اقسام کی طرف اشارہ ہے۔ آیت مذکورہ میں بھی اَمَانَات بصیغۂ جمع لاکر ان تمام اقسام

کی امانتوں کی طرف اشارہ اور ان کا حق ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح عہد کی بھی قسمیں ہیں، عہد اور اس کی اقسام کی تفصیلات "وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا" کے تحت جزء اول میں گذر چکی ہیں۔

(۱۸۸) اِذَا حَدَّثَ: جب کوئی آدمی بات کرے تیرے پاس یا کسی اور کے پاس اور اس کو چھپانا چاہے جو اس کی صراحت یا کسی قرینہ سے معلوم ہو مثلاً اس کے یمیناً و شمالاً التفات سے ثُمَّ الْتَفَتَ کے بظاہر یہی معنیٰ ہیں۔ بعض نے اس کے معنیٰ غاب کیے ہیں۔ یعنی بات کر کے چلا جائے فَهِيَ اَمَانَةٌ ای حکمہ حکم الامانۃ لایجوز اضاعتہا باشاعتہا۔ اس حدیث کا حاصل ہے المجالس بالامانۃ۔ چنانچہ مصنف نے ولاجل ذلک یقال المجالس بالامانۃ۔ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور یہ جملہ حضرت جابرؓ کی روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْكُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٌ حَرَامٌ اَوِ اقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ۔ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص۴۳۲)

مجلسیں امانتداری کیساتھ ہونی چاہئیں سوائے تین مجلسوں کے، ناحق خون بہانے کی مجلس، فرج حرام کی مجلس اور ناحق مال کاٹ لینے کی مجلس۔

یعنی کسی مجلس میں کوئی منکر پیش آجائے تو اس کو راز میں رکھا جائے۔ ہاں کسی کو ناحق قتل کرنے، یا زنا کاری کے منصوبے یا کسی کو ناحق مالی نقصان پہونچانے کے لئے مشورے ہوئے ہوں۔ تو اس مجلس کی بات ان لوگوں تک پہونچا سکتے ہیں جن کی جان، مال یا آبرو کو خطرہ ہے تاکہ احتیاط و حفاظت کی جائے۔

(۱۸۹) پوری حدیث کا مضمون یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالہیثم بن تیہانؓ سے پوچھا کہ آپ کا کوئی خادم ہے؟ (جو آپ کی خدمت کرتا ہو) تو انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب ہمارے پاس قیدی (غلام یا ندیاں) آئیں تو آپ ہمارے پاس آئیے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو غلام آئے۔ تو ابوالہیثمؓ (غلاموں کی خبر پاکر) حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں میں سے ایک کو پسند کر لو۔ ابوالہیثم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی میرے لئے منتخب فرمادیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ (تم نے مجھ کو اپنا مشیر بنایا ہے۔ اور مشیر کو امانتدار ہونا چاہئے یعنی صحیح مشورہ دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ اسلئے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ) اس کو لے لیجئے۔ کیونکہ میں نے اس کو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اور میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنا (کیونکہ یہ نمازی ہے) رواہ الترمذی۔ (مشکوٰۃ ص۳۲۱)

(۱۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ یَتَقَاضَاهُ
حضرتِ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جو آپ سے اپنے مطالبہ کا تقاضا کر رہا تھا
فَاَغْلَظَ لَهٗ فَهَمَّ بِهٖ اَصْحَابُهٗ قَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا۔
اس نے آپ سے سخت کلامی کی تو آپکے صحابہؓ نے اس کو (جواب دینے کا) ارادہ کیا آپنے فرمایا چھوڑو حق والے کو کہنے سننے کی گنجائش ہے۔ (بخاری ص۳۲۲ ج۱ مشکوٰۃ ص۲۵۱)

(۱۹۱) وَعَنْهُ قَالَ كَانَ عَلَیْهِ لِرَجُلٍ سِنٌّ مِّنَ الْاِبِلِ فَجَاءَهٗ یَتَقَاضَاهُ
اور انہیں سے روایت ہے کہ آپکے ذمہ ایک شخص کا پوری عمر کا اونٹ تھا تو وہ آپ کے پاس تقاضا کرنے آیا
فَقَالَ اَعْطُوْهُ فَطَلَبُوْا سِنَّهٗ فَلَمْ یَجِدُوْا لَهٗ اِلَّا سِنًّا فَوْقَهَا فَقَالَ
آپنے صحابہؓ سے فرمایا اسکو اس کا اونٹ دیدو تو انہوں نے اس جیسا پوری عمر کا اونٹ تلاش کیا تو نہ پایا ہاں اس سے
اَعْطُوْهُ فَقَالَ اَوْفَیْتَنِیْ اَوْفَی اللّٰهُ لَكَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
بڑھیا پوری عمر کا پایا آپنے فرمایا اس کو وہی دیدو تو اس شخص نے کہا آپنے مجھ کو میرا حق پورا پورا دیدیا اللہ آپکو بھی
اِنَّ خِیَارَكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً وَقَدْ مَرَّ فِیْ حَدِیْثِ سُوَیْدِ بْنِ قَیْسٍ....
(ثواب واجر) پورا پورا عطا فرمائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں بہتر وہ ہے جو ادائیگی کے اعتبار سے بہتر ہو۔ اور
(۱۵۸) اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْوَزَّانِ وَهُوَ یَقْضِیْ ثَمَنَ
سوید بن قیس کی حدیث (۱۵۸) میں گذر چکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وزّان سے فرمایا تھا جبکہ آپ پائجامہ کا
السَّرَاوِیْلِ زِنْ وَارْجِحْ وَیَسْتَحِبُّ لِلدَّائِنِ اِذَا اسْتَوْفٰی دَیْنَهٗ اَنْ
ثمن ادا کر رہے تھے کہ تولو اور جھکتا تولو۔ اور قرضخواہ کے لئے مستحب ہے کہ جب وہ اپنا دین وصول کرلے تو
یَّدْعُوَ لِلْمَدْیُوْنِ وَیَقُوْلُ اَوْفَیْتَنِیْ اَوْفَی اللّٰهُ لَكَ۔ (بخاری ص۳۲۲ مشکوٰۃ ص۲۵۱)
مدیون کے لئے دعا کرے اور کہے کہ تونے مجھ کو میرا حق پورا دیدیا اللہ تجھ کو بھی خوب دے۔

(۱۹۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
اور حضرتِ ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
مَطْلُ الْغَنِیِّ ظُلْمٌ۔ (بخاری ص۳۲۳ مشکوٰۃ ص۲۵۱)
کہ مالدار کی ٹال مٹول ظلم ہے۔

لغات اَغْلَظَ سخت کلامی کرنا، سختی سے جھڑکنا۔ (ن ض) سخت ہونا۔ هَمَّ (ن) غمگین ہونا، ارادہ کرنا۔ سِنٌّ ای ذاتَ سِنٍّ۔ اونٹنی کے بچہ کو حوار کہتے ہیں۔ پھر فصیل۔ پھر جب سال بھر کا ہوجائے تو دو سال تک ابنِ مخاض و بنتِ مخاض کہتے ہیں۔ تیسرے سال میں لگ جائے تو ابنِ لبون

وبنتِ لبون کہتے ہیں۔ جب چوتھے میں لگ جائے تو حِقٌّ اور حِقَّۃٌ کہتے ہیں۔ کیونکہ اُس پر سوار ہونے کا یا اس کو حمل کرنے یا کروانے کا حق ہوگیا۔ اِسی لئے حِقہ کو طروقۃ الفحل بھی کہتے ہیں۔ پھر جب پانچویں سال میں لگ جائے تو اس کو جذعۃ کہتے ہیں۔ پھر چھٹے سال میں جبکہ وہ دو اگلے دانت توڑلے تو ثنی اور ثنیہ کہلاتا ہے۔ پھر جب ساتویں سال میں لگ جائے تو رَبَاعی اور رَبَاعِیۃ کہلاتا ہے۔ جب آٹھویں سال میں لگ جائے اور بقیہ چھ دانت بھی توڑلے تو سدیس اور سدس کہلاتا ہے۔ پھر نویں سال میں جب اس کی کچلیاں نکل آتی ہیں بازِل کہلاتا ہے ای بَزَل نابہٗ یعنی طَلَعَ۔ پھر دسویں سال میں مخلف کہلاتا ہے۔ اسکے بعد اونٹ کا کوئی اور نام نہیں ہوتا پھر بازلُ عامٍ، بازلُ عامَین اور مخلفُ عامٍ، مخلفُ عامَین اور مخلف ثلاثۃِ اَعوامٍ کہلاتا ہے۔ والخِلفۃ الحامل۔ (ابوداؤد باب تفسیر اسنان الابل ص ۲۲۴، ۲۲۵/۱۶)

مَطل (ن) ٹال مٹول کرنا، رسی کو تاننا، لوہے کو کوٹ کر بڑھانا۔

ترکیب

(۱۹۰) اَتیٰ اپنے مفعول بہ وفاعل سے مل کر جملہ فعلیہ۔ یتقاضاہٗ جملہ فعلیہ رَجُلٌ سے حال آگے دونوں جملے فعلیے دَعُوْہٗ جملہ فعلیہ انشائیہ۔ فانّ الخ۔ جملہ اسمیہ تعلیل ماسبق۔

(۱۹۱) سِنّ من الابل موصوف صفت یا ذوالحال وحال۔ آئندہ کی تراکیب بالکل ظاہر ہیں۔

تشریح

(۱۹۰) جس شخص نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دَین کا مطالبہ کرنے میں سختی کی ہوسکتا ہے کہ یہ شخص یہودی ہو۔ جیساکہ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ یا کوئی سنگدل گنوار ہو یا ایسا نومسلم ہو جس کے دِل میں ایمان اچھی طرح رچا بسا نہو۔ اور آداب بارگاہِ نبویؐ سے پورے طور پر واقف نہوا ہو۔ فَھَمَّ بِہٖ اصحابُہٗ کا مطلب یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ نے اس کی سختی کا جواب قولاً یا عملاً (ڈانٹ ڈپٹ کر یا مار پیٹ کرکے) اس کو ۔۔ دینا چاہا۔ تو آپ نے جوابی کارروائی سے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا کہ جس کا دَین کسی کے ذمہ ہو اس کو تقاضا کرنے اور کچھ کہنے سننے کا بھی حق ہے جبکہ مدیون ٹال مٹول کرتا ہو۔ مَقَالاً میں شکوہ وشکایت، سختی وعتاب اور حاکم کی طرف مرافعہ جیسی کارروائیاں سب داخل ہیں۔ فانّ مَطل الغنیّ ظلمٌ وقال تعالیٰ لَایُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ۔ ولا یخفی انّ ھٰذا یتصوّر فی حقّ غیرہٖ صلی اللہ علیہ وسلم لانّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم من الظلم والعصیان۔

(۱۹۱) (۱) اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص کسی سے قرض لے یا کسی کا دَین اس کے ذمہ ہو تو اس سے بہتر یا زائد ادا کردینا سنت ہے۔ اور مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔ اور قرضخواہ کو اس کو لینا بھی جائز ہے اور یہ کل قرضٍ جرّ نفعًا فھو رِبوا میں داخل نہیں۔ کیونکہ قرض سے وہی منفعت سود میں داخل

ہوتی ہے جو عقد میں مشروط ہو، اور قرضخواہ نے اس کو طے کرلیا ہو۔ اور یہ زیادتی جو مقروض صرف اپنی خوشی سے دے رہا ہے احسان کا بدلہ اور شکریہ ہے۔ البتہ حضرت امام مالکؒ اس زیادتی کو بھی جائز قرار نہیں دیتے لیکن ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے اِنَّ خِیَارَکُمْ اَحْسَنُکُمْ قَضَاءً اور فَاِنَّ خَیْرَ النَّاسِ اَحْسَنُہُمْ قَضَاءً اور پھر آپؐ کے اس عمل نے (کہ اس اونٹ سے بہتر قیمتی اونٹ آپنے ادا فرمایا جو آپ کے ذمہ تھا۔ اور پائجامہ کا ثمن کچھ زیادہ کرکے عطا فرمایا) اس ارشاد کی وضاحت کردی کہ مقدار میں یا صفت میں بڑھاکر ادائیگی بھی بہترین ادائیگی ہے۔ اور اچھی ادائیگی یہ بھی ہے کہ قرضخواہ کو پریشان نہ کیا جائے۔ ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کی جائے۔ اس کے حق میں کمی نہ کی جائے۔ وغیرہ

(۲) دوسرا مسئلہ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح ذوات الامثال کو قرض لے سکتے ہیں اسی طرح ذوات القیم میں بھی استقراض کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ آپنے اونٹ قرض لیا جو ذوات القیم میں سے ہے۔ حضرتِ امام شافعیؒ وحضرتِ امام مالکؒ اور جمہور علماء اسی کے قائل ہیں کہ حیوانات میں معاملہٴ قرض جائز ہے۔ البتہ باندی کو وطی کے لئے بطورِ قرض نہیں لے سکتے۔ اور حضرتِ امام ابوحنیفہؒ نے حیوانات میں استقراض کو احادیثِ صحیحہ کثیرہ کی روشنی میں منع فرمایا ہے۔ نیز اس میں اندیشہٴ نزاع بھی ظاہر ہے، جو ممانعت وفسادِ معاملہ کی علتِ ظاہرہ ہے۔ اور ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اونٹ کو بطور قیمت لیا گیا تھا۔ اور اس سے بہتر قیمت والا اونٹ دیکر اس دَین کی ادائیگی کی گئی تھی۔ اور لفظِ قرض صورتِ معاملہ کے اعتبار سے بولدیا گیا۔ واللہ اعلم

(۳) اس سلسلہ کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپنے اونٹ فقراء کے لئے لیا تھا۔ اور مالِ صدقہ کے اونٹوں میں سے اس کی ادائیگی فرمائی تھی۔ اس میں اشکال یہ ہے کہ صدقات کے نگراں اور ذمہ دار کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ بطورِ تبرع صدقہ کسی کو دیدے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کہ واجب الاداء سے زائد قیمت کا بطور تبرع عنایت فرمایا۔ جواب یہ ہے کہ آپ نے فقراء کے لئے جو قرض لیا تھا اپنے ذمہ وہ قرض رکھا تھا۔ اور صدقات کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ خریدکر اس کی ادائیگی فرمائی تھی یعنی اپنے مال میں آپنے تبرع کیا نہ کہ صدقات کے مال میں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس کو اونٹ دیا گیا وہ بھی صدقات کے مستحقین میں سے ہو۔ واللہ اعلم

(۱۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ادائیگی کی وسعت وقدرت کے باوجود ادائیگی میں تاخیر کرنا حرام ہے۔ لیکن اگر وسعت نہیں یا ادائیگی کی قدرت نہیں تو یہ عذر ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص باوجودِ قدرت ووسعت ادائیگیٔ حق میں ٹال مٹول کرتا ہے تو وہ فاسق ومردود الشہادۃ ہوجائیگا۔ خواہ ایسا عمل ایک بار ہی کیا ہو۔ دوسرے علماء فرماتے ہیں کہ اگر ادائیگیٔ حق میں ٹال مٹول اسکی عادت بنگئی ہو تو اسپر فسق وردِ شہادت کا حکم لگایا جائیگا۔ ورنہ نہیں اور یہی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

وَمِنْهَا الْحُكْمُ بِالْقِسْطِ وَالْعَدْلِ

اور ابواب بر میں سے عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی ہے۔

(۱۹۳) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمکو اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ تم امانتیں انکے حقداروں کو پہونچا دیا کرو۔
وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ
اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کیساتھ فیصلہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمکو بہت اچھی نصیحت
بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝۔ (نساء آیت ۵۸)
فرماتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور سب چیزوں کو دیکھنے والے ہیں۔

(۱۹۴) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُمْ
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد ہمنے آپ کو دنیا میں (اپنا) خلیفہ بنایا ہے لہٰذا لوگوں کے درمیان انصاف
بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمکو راہ خدا سے بھلا دے گی۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا
بیشک وہ لوگ جو راہ خدا سے ہٹ جاتے ہیں ان کو سخت سزا ہوگی اسوجہ سے
نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ۔ (صٓ آیت ۲۶)
کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا تھا۔

لغات حَكَمْتُمْ (ن) لوٹنا، واپس ہونا، حلم کرنا، فیصلہ کرنا۔ (ک) دانا ہونا۔ عَدْل (ض) سیدھا کرنا برابر کرنا۔ (ك) عادل ہونا۔ (س) ظلم کرنا۔ خَلِيْفَة جانشین، قائمقام، بڑا بادشاہ۔ یہ مذکر ہے اور کبھی لفظی رعایت سے مؤنث استعمال کرتے ہیں ج خُلَفَاء وخَلَائِف۔ پہلے کے لحاظ سے عدد مذکر لاتے ہیں۔ کہتے ہیں ثَلٰثَة خُلَفَاء۔ اور دوسرے کے لحاظ سے مذکر و مؤنث دونوں لانا جائز ہیں۔ تم کہو گے ثَلٰثَة اور ثَلٰث خَلَائِف (ن) جانشین ہونا، بنانا، قائمقام ہونا۔ يَوْمُ الْحِسَاب روز قیامت۔

ترکیب پہلا جملہ (۱۸۲) میں گذرچکا۔ اَنْ تَحْكُمُوْا کا عطف اَنْ تُؤَدُّوْا پر ہے۔ اور اِذَا حَكَمْتُمْ اَنْ تَحْكُمُوْا کا ظرف ہے۔ اور اگر اِذَا کو شرطیہ مانو تو جزا محذوف ہے ای فاحكموا

بِالْعَدْلِ اور دال علی الجزاء لفظاً موجود ہے۔ ان تحکموا الخ نِعِمَّا ای نعم شئ یعظکم بہٖ۔ اگلی آیت کی ترکیب ظاہر ہے۔

تشریح (۱۹۳) آیت کا سببِ نزول اور جزءِ اول کی تشریح (۱۸۶) کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ وَاِذَا حَکَمْتُمْ کا خطاب بظاہر ان حکام وامراء کو ہے، جو خصومات ومقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ اسی قرینہ سے بعض علماء نے پہلے جملہ (اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ الخ) کا مخاطب بھی حکام ہی کو قرار دیا ہے۔ اگرچہ پہلے جملہ کی طرح اس دوسرے جملہ میں بھی اس کی گنجائش ہے کہ حکام وعوام دونوں ہی کو یہ خطاب شامل وعام ہو۔ کیونکہ عوام میں اکثر فریقین کسی کو ثالث بناکر فیصلہ کرا لیا کرتے ہیں۔ اس طرح فیصلہ کرنا صرف حکام کی خصوصیت نہیں رہ جاتا۔ بلکہ عوام میں بھی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا پایا جاتا ہے۔ اسلئے عمومِ خطاب میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اول نظر میں دونوں جملوں کے مخاطب حکام وامراء معلوم ہوتے ہیں۔ اسلئے یہ کہنا اپنی جگہ پر درست ہے کہ اس کے مخاطب حکام واُمراء ہیں۔ ثانیاً یہ خطاب ہر اس شخص کو ہے جس کے پاس کسی کی کوئی امانت یا حق ہو۔ یا جس کو کسی معاملہ میں ثالث بنایا گیا ہو، یا اس پر کسی نوع کے فیصلہ کی ذمہ داری آپڑی ہو۔ اس جملہ میں بَیْنَ النَّاسِ فرمایا گیا بَیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ یا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ نہیں فرمایا گیا جس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ عدل وانصاف اور صحیح فیصلوں کے استحقاق میں سارے انسان برابر ہیں، وہ مسلم ہوں یا کافر، دوست ہوں یا دشمن، یگانے ہوں یا بیگانے، ہم وطن، ہم مسلک، ہم رنگ، ہم زبان ہوں یا ان کے علاوہ۔ فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے ان سب تعلقات سے بالاتر ہو کر حق وانصاف کے تقاضوں پر فیصلہ کریں۔

عدل وانصاف امن وامان کا ضامن ہے

اس آیت گرامی میں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے دو حکم ہیں ایک اَدائے امانات کا دوسرا حکم بالعدل کا۔ لیکن اَدائے اَمانات کے حکم کو قیامِ انصاف کے حکم پر شاید اس لئے مقدم فرمایا گیا ہے کہ عدل وانصاف کا قیام ادائے امانات ہی پر موقوف ہے۔ جن کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے۔ وہ پہلے ادائے امانات کا فریضہ صحیح طور پر انجام دیں گے تو عدل کا قیام ممکن ہوگا۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ حکومت کے مناصب اور عہدے بھی امانتیں ہیں۔ جو اہلِ اقتدار کے ہاتھوں میں دی گئی ہیں۔ کہ وہ لوگ عہدوں اور منصبوں کو ان کے حقداروں کے حوالہ کریں۔ اور جو لوگ عہدوں کے اہل ہوں انہیں کو وہ عہدے عطا کریں، تعلقات، دوستی، سفارش، رشتہ داری، رشوت، وطنیت، قومیت یا اور کسی اپنائیت کی بنیاد پر عہدوں کو تقسیم نہ کیا جائے۔ اور نااہلوں کو لائق لوگوں پر اور کم اہلوں کو زیادہ اہلیت رکھنے والوں پر ترجیح نہ دی جائے۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ خائن وظالم اور نااہل لوگ عہدوں پر قابض

ہوکر ظلم وستم کریں گے۔ اور اربابِ اقتدار کی کوششوں کے باوجود عدل وانصاف کا قیام ناممکن ہو جائیگا۔ کیونکہ عہدہ دارانِ حکومت ہی حکومت کے ہاتھ پیر اور اعضاء ہوتے ہیں۔ جب اعضاء ہی غلط ہیں تو انکا عمل بھی غلط ہی ہوگا جس طرح مفلوج ہاتھ سے پکڑا نہیں جا سکتا، بے نور نظر سے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح خائن وظالم اعضائے حکومت سے انصاف قائم نہیں کیا جا سکتا۔ انصاف قائم کرنے کے لئے عہدوں کی امانت کو قابلیت واستعداد اور لیاقت واہلیت کی بنیاد ہی پر تقسیم کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر عدل وانصاف ناممکن ہے۔

تقسیمِ مناصب میں بنیادی غلطی

اکثر ممالک دورِ حاضر میں اس غلطی کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ وہ عہدوں کو باشندگانِ ملک یا علاقائی شخصیتوں یا اکثریت کے افراد کا حق قرار دیتے ہیں اور انہیں غلط بنیادوں پر عہدوں کی تقسیم کرتے ہیں۔ اسی بنیادی غلطی کیوجہ سے یہ اصول بنالیا گیا ہے کہ حکومت کے عہدے تناسب آبادی کے اعتبار سے ہوں ہر صوبے کے کوٹے مقرر ہوں، ایک صوبہ کے کوٹے میں دوسرے صوبہ کا کوئی آدمی نہ رکھا جائے۔ خواہ وہ کتنا ہی قابل وامین کیوں نہ ہو۔ اور اس صوبہ کا تجویز کردہ کنڈیڈیٹ کتنا ہی نااہل، غلط کار، اور ناکارہ کیوں نہ ہو۔ وہی عہدہ کے لئے متعین ہے۔ پھر خاص علاقوں کے عہدوں کی سیٹیں خاص برادریوں اور قوموں کے لئے رزرو (اور مقرر) ہیں۔ مثلاً فلاں سیٹ سے ہریجن ہی ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے اس آیت میں صاف اعلان فرمادیا ہے کہ یہ عہدے کسی کا حق نہیں ہیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جو اس نے اربابِ اقتدار کے ہاتھ میں اسلئے دی ہیں کہ وہ ان امانتوں کو حقداروں تک پہونچادیں۔ خواہ وہ حقدار کسی خطۂ زمین کے رہنے والے ہوں، کسی قوم اور برادری سے تعلق رکھتے ہوں۔ البتہ صلاحیت واہلیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مصالح کی بنیاد پر اگر کسی خاص علاقہ یا برادری کے آدمی کو ترجیح دی جائے تو یہ بھی حسنِ ادائے امانت میں داخل ہے۔

آیت میں چند زریں اصول

اس مختصر سی آیت میں دستورِ مملکت کے چند بنیادی، اور کار آمد اصول آگئے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ سے بتایا گیا کہ اصل امر اور حکم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ سلاطینِ دنیا، اور ذمہ دارانِ مملکت منجانب اللہ مامور ومحکوم ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ "اقتدارِ اعلیٰ" صرف اللہ کا ہے۔ "إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ"

(۲) مناصبِ حکومت باشندگانِ ملک کے حقوق نہیں ہیں، جن کو تناسب آبادی وغیرہ کی بنیادوں پر تقسیم کیا جائے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانتیں ہیں جو صرف اہل اور لائق لوگوں کو دیئے جا سکتے ہیں۔

(۳) زمین پر انسان کی حکمرانی نائب و امین اور خلیفہ کی حیثیت سے ہو سکتی ہے۔ وہ ملک کی قانون سازی میں ان اصولوں کا پابند رہیگا جو حاکمِ مطلق کی طرف سے عطاء کیئے گئے ہیں۔

(۴) حکام اور امراء کا فرض ہے کہ وہ ہر مقدمہ کا رنگ ونسل وغیرہ سے بالاتر ہو کر حتیٰ کہ مذہب و مسلک کے امتیاز کو بھی نظر انداز کر کے صحیح اور عدل و انصاف کیساتھ فیصلہ کریں۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی دو صفات (سمیع و بصیر) بیان فرما کر ماننے والوں کے لیئے وعدہ اور نہ ماننے والوں کے لیئے وعید کی تشریح فرمادی ہے۔

(۱۹۴) حضرتِ داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ حکومت و سلطنت بھی عطاء فرمائی تھی۔ چنانچہ اس آیت میں ان کو حکومت و سیاست کے لیئے ایک بنیادی ہدایت نامہ عطاء فرمایا گیا ہے۔ اس ہدایت نامہ میں تین بنیادی اصول ارشاد فرمائے گئے ہیں۔

(۱) ہم نے آپ کو اس زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

(۲) اس حیثیت سے آپکا بنیادی کام اور فرضِ منصبی حق کے مطابق اور امرِ خداوندی کے موافق فیصلہ کرنا ہے۔

(۳) اور اس سلسلہ میں خواہشِ نفسانی کی پیروی سے بچنا شرطِ لازم ہے۔ اس سے اسلامی حکومت کا یہ اصل الاصول واضح ہو جاتا ہے کہ "اقتدارِ اعلیٰ" اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ زمین کے حکمران اسی کے احکام کے مطابق عمل درآمد کرنے کے مجاز ہیں۔ اور اس کی خلاف ورزی کرنے میں وہ حق تعالیٰ کے مجرم ہیں۔ لہٰذا مسلمان حاکم یا ان کی شوریٰ اور اسمبلی قانونِ الٰہی کی تشریح و تدوین تو کر سکتی ہے لیکن وضعِ قانون کا ان کو کوئی حق نہیں۔ یہ سب لوگ قانونِ خداوندی کو خلقِ خدا کے سامنے پیش کرنے اور اس کو نافذ کرنے کے مجاز و ذمہ دار ہیں۔ بہر حال اقامتِ حق، اوامرِ الٰہیہ کی تنفیذ، عدل و انصاف کا بپا کرنا ذمہ دارانِ حکومت کا فریضہ ہے۔ جن کے لیئے شریعت میں ایسے ہمہ گیر اصول اور ایسی واضح ہدایات موجود ہیں کہ قیامت تک پیش آنے والے حادثات اور تمام مقدمات کے لیئے وہ کافی و شافی ہیں۔ انہیں کی روشنی میں ہر دور میں پورے عالم میں امن و امان اور عدل و انصاف قائم کیا جا سکتا ہے۔

اہلیت کی بنیادی شرط

یہ مسئلہ کہ عدلیہ اور انتظامیہ دونوں الگ رہیں یا یکجا۔ اسمیں کوئی ایسا اصول مقرر نہیں جو ناقابلِ تبدیل ہو۔ اگر کسی دور میں حکمرانوں کی امانت و دیانت پر مکمل اعتماد ہو تو عدلیہ اور انتظامیہ کی دوئی کو مٹایا بھی جا سکتا ہے۔ ورنہ عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد بھی رکھا جا سکتا ہے۔ خلفائے راشدین کی فرمانروائی میں دونوں طریقے ملتے ہیں۔ سب سے زائد اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ معصوم

حضرتِ داؤد علیہ السلام کو بڑی اہمیت کے ساتھ یہ مفصل ہدایت فرمائی کہ آپ خواہشِ نفس کی پیروی نہ کریں۔ اور روزِ حساب کو ہمہ وقت پیشِ نظر رکھیں۔ معلوم ہوا کہ یہی بنیادی چیز ہے جس سے اقامتِ حق کا کام انجام پا سکتا ہے۔ جس قاضی وحاکم کے دل میں خوفِ خدا وفکرِ آخرت نہو وہ عدل وانصاف کو قائم نہیں کر سکتا۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو حاکم، قاضی یا کسی محکمہ کا ذمّہ دار اور افسر بنانے کے لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کے دل میں خوفِ خدا وفکرِ آخرت ہے یا نہیں؟ اور اس کے اخلاق وکردار سے یہ بات خوب واضح ہو سکتی ہے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ اس کے دل پر خواہشاتِ نفسانی کی حکمرانی ہے تو وہ تمام ڈگریوں اور اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود نااہل ہے۔ اور اسلام کی نظر میں وہ کسی ذمہ داری اور عہدہ کا مستحق نہیں۔ اور اسی چیز کو نظر انداز کر دینے نے آج دنیا کو عدل وانصاف اور امن وامان سے محروم کر دیا ہے۔

---

(۱۹۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرتِ عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا حَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰى هَلَكَتِهٖ فِي

حسد جائز نہیں مگر دو آدمیوں میں ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرما کر اس کو حق میں بے تحاشا خرچ

الْحَقِّ وَاٰخَرُ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً فَهُوَ يَقْضِيْ بِهَا وَيُعَلِّمُهَا (بخاری ج ۱ ص ۱۰۵، مشکوٰۃ ص ۳۲)

کرنے کی توفیق دیدی ہو۔ اور دوسرا وہ کہ جسکو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا اور وہ اسکے ذریعہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو اسکی تعلیم دیتا ہے۔

(۱۹۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَنِ ابْتَغَى الْقَضَاءَ وَسَأَلَ فِيْهِ شُفَعَاءَ وُكِلَ اِلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اُكْرِهَ

جو شخص (عہدۂ) قضا کو طلب کرے اور اسکے بارے میں سفارشیوں کو تلاش کرے تو اسکو اسی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ اور

عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُسَدِّدُهٗ (ترمذی ج ۱ ص ۱۵۸، مشکوٰۃ ص ۳۲۴)

جسکو عہدۂ قضا پر مجبور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ نازل فرماتے ہیں جو اس (کے کاموں) کو ٹھیک کرتا رہتا ہے۔

(۱۹۷) وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاَخْطَأَ فَلَهٗ

کہ جب حاکم فیصلہ کرے اور کوشش کر کے فیصلہ درست کرے تو اسکے لئے دو اجر ہیں۔ اور جب فیصلہ کرے اور غلط

اَجْرٌ وَاحِدٌ (ترمذی ج ۱ ص ۱۵۸، مشکوٰۃ ص ۳۲۴)

کرے تو بھی اسکے لئے ایک اجر ہے۔

(۱۹۸) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَقَاضَا
حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس دو آدمی کوئی معاملہ
إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَسَوْفَ تَدْرِيْ
لیکر آئیں تو اول یعنی مدعی کے لئے فیصلہ نہ کرنا تا وقتیکہ تم دوسرے یعنی مدعیٰ علیہ کی بات نہ سن لو۔ (اس سے) تم کو
كَيْفَ تَقْضِيْ قَالَ عَلِيٌّ فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ۔ (ترمذی ص ۱۵۹ ج ۱، مشکوٰۃ ص ۳۲۵)
معلوم ہو جائیگا کہ تم کیسے فیصلہ کروگے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد میں ہمیشہ قاضی رہا۔

لغات حَسَدَ (ن ض) جلنا۔ تمنائے زوالِ نعمتِ غیر کرنا۔ سَلَّطَ تفعیل سے غالب بنانا۔ (س ك) زبان دراز ہونا۔ يُسَدِّدُهٗ تفعیل سے درست کرنا، سیدھا کرنا۔ (س ض) درست ہونا۔ ٹھیک بات کہنا۔

ترکیب (۱۹۵) لَا اپنے اسم حَسَدَ اور خبر محذوف جَائِزٌ یا فِيْ شَيْءٍ وغیرہ اِلَّا فِي اِثْنَتَيْنِ۔ ای فی شان رجلین وفی روایۃ اثنتین ای فی خصلتین۔ رجل ای احدھما رَجُلٌ مبتدا و خبر۔ یا رجلٍ (مجرور) تو اثنتین سے بدل ہوگا۔ وقال علی القاری فی المجرور ھو اوثق الرّوایات۔ اور قاعدہ کے لحاظ سے رجلاً منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ ای اعنی رجلاً۔ ولم یثبت روایۃً۔ رَجُل کے بعد کا جملہ فعلیہ اس کی صفت ہوگا۔ اور مشکوٰۃ میں آخر کے بجائے بھی رَجُل ہے۔ (۱۹۶) مَنْ شرطیہ وَكِلَ جملہ جزا ہے۔ اسی طرح اگلا جملہ شرط و جزا ہے۔
(۱۹۷) اِذَا شرطیہ تینوں معطوفات شرط۔ فَلَهٗ اَجْرَانِ جزا۔ اسی طرح اگلے دو جملے ملکر شرط۔ فَلَهٗ اَجْرٌ وَاحِدٌ جملہ اسمیہ جزا۔ (۱۹۸) شرط و جزا ہے۔ حَتّٰى اپنے مجرور سے مل کر لَا تَقْضِ کے متعلق ہے۔ فَسَوْفَ پورے جملہ کا عطف تَسْمَعَ پر ہے۔ اور فا فصیحیہ مان لو تو اذا سمعت کلام الآخر شرط محذوف کی جزا ہو جائیگا۔

تشریح (۱۹۵) تمنائے زوالِ نعمتِ غیر کو حسد اور تمنائے حصولِ مثلِ نعمتِ غیر کو غبطہ کہتے ہیں۔ حسد ناجائز ہے اور غبطہ (رشک) جائز ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حسد اگر قلب میں غیر اختیاری طور پر ہے تو وہ حرام نہیں ہاں اگر اس کے مقتضیٰ پر عمل کیا جائے قلباً یا لساناً یا عملاً تو وہ حرام ہے۔ ولہذا قال تعالیٰ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ یعنی اِذَا حَسَدَ کی قید سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر حسد کے مقتضیٰ پر عمل نہ ہو تو وہ مذموم نہیں۔

بعض علماء نے کافر یا فاسق کی نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کو مستثنیٰ کیا ہے۔ کہ یہ جائز ہے جبکہ وہ اس نعمت کو معصیت پر صرف کرتا ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ ہے۔ اور مجازاً غبطہ پر حسد کا اطلاق کر دیا گیا۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسد میں جواز و رخصت نہیں۔ اگر حسد جائز ہوتا تو ان دو میں ہوتا۔ مَالًا ای مالاً کثیرًا او نوعًا من المال ولابدّ ان یکون حلالًا۔

فسلّطہٗ ای وکّلہٗ، وَوَفّقہٗ عَلٰی ھَلَکَتِہٖ بفتحتین ای علی انفاقہ واھلاکہ۔ اس طرح تعبیر کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ بے تحاشا و بے حساب حق پر اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اور فی الحقِ کی قید سے اسراف و تبذیر اور ریاء سے احتراز ہے۔ ولا اسراف فی الخیر کما لا خیر فی الاسراف۔

حکمت سے مراد علمِ دین ہے یا اِصابۃ الحق بالعلم والعمل ہے۔ یقضِی ای یعمل ویحکم۔

(۱۹۶) جس نے عہدۂ قضا اور امارت و ریاست کو خود طلب کیا، اور لوگوں سے درخواست کی کہ میرے اِس مقصد کو کہہ سُنکر اور کوشش و سفارش کر کے پورا کرا دو، تو حق تعالیٰ کی مدد و نصرت اسکے شاملِ حال نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ حریص و متکبر ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محبت نہیں فرماتے۔ ہاں جن کو عہدہ قبول کرنے پر مجبور کیا گیا اور وہ اس کے طلبگار نہ تھے، کیونکہ وہ کبر و حرص سے بری ہیں ان میں عجز و انکساری و شانِ عبدیت ہے۔ اسلئے حق تعالیٰ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ ہوتی ہے کہ ایک فرشتہ ان کے کاموں کو درست رکھنے کیلئے مقرر فرما دیا جاتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ مَنِ ابْتَغٰی اور سَاَلَ دونوں کو اسلئے جمع فرمایا کہ اس کی عہدہ کے لئے شدتِ حرص ظاہر ہو۔

(۱۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاضی کو صحیح فیصلہ کرنے پر دو اجر ملیں گے۔ اور خطاء پر بھی ایک اجر ملیگا۔ صحیح فیصلہ کرنے پر ایک اجر تو کوشش کرنے کا ہے۔ اور دوسرا صحیح فیصلہ کرنے کا۔ اور دوسری صورت میں صرف کوشش کا اجر ملیگا۔ اور مخطی کو اجر اسلئے ملیگا کہ اجتہاد عبادت ہے، اس کا اجر مل جائیگا۔ ہاں خطاء پر مؤاخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ معاف ہوگی۔ لیکن معافی کی خوشخبری اور اجتہاد پر اجر اسی کے لئے ہے جس میں اجتہاد کی اہلیت موجود ہو، اور وہ اصولِ شرع سے واقف ہو۔ اور وجوہِ قیاس و استنباط سے باخبر ہو۔ لیکن جس میں شانِ اجتہاد نہ ہو اور اصولِ شرع و فقہِ دین میں مہارت نہ رکھتا ہو اُس کی خطاء معاف نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ سخت گنہگار ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اَلْقُضَاۃُ ثَلٰثَۃٌ وَاحِدٌ فِی الْجَنَّۃِ وَاثْنَانِ فِی النَّارِ فَاَمَّا الَّذِیْ فِی الْجَنَّۃِ فَرَجُلٌ عَرَفَ

قاضیوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو جو جنت میں جائیگا۔ اور دو دوزخ میں جائیں گے، بہرحال وہ قاضی

اَلْحَقَّ فَقَضٰى بِهٖ وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ وَرَجُلٌ قَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ مشکوٰۃ ۳۲۴)

جو جنت میں جائیگا وہ شخص ہے جو حق سے واقف ہے اور اس نے حق کے مطابق فیصلہ کیا اور جس شخص نے حق کو پہچان کر بھی فیصلہ میں ظلم کیا تو وہ جہنم میں جائیگا (اسی طرح) وہ شخص بھی جس نے جہالت سے لوگوں کا فیصلہ کیا جہنم میں جائے گا۔

یہ بات واضح رہے کہ یہ بحث فروعی مسائل کی ہے۔ اصول میں خطا کسی حال میں کسی کی بھی معاف نہیں ہو سکتی۔ نہ ان میں تأویل و تبدیل کا احتمال ہو سکتا ہے۔

حضرتِ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ہر مجتہد مُصیب ہے یا مُصیب صرف ایک وہی مجتہد ہے جس کا حکم منشاءِ خداوندی کے موافق ہے۔ اور دوسرا جو ایسا نہیں مخطی ہے۔ شوافع نے ثانی کو اختیار فرمایا ہے کیونکہ حدیث بالا میں مجتہد کی دو قسمیں کی گئی ہیں۔ مُصیب اور مخطی۔ اگر ہر مجتہد مُصیب ہوتا تو اس کو مخطی نہ کہا جاتا۔ اور دوسرے بعض لوگوں نے اول کو اختیار کیا ہے۔ کہ ہر مجتہد مُصیب ہوتا ہے۔ اور دلیل یہی حدیث ہے۔ کہ مخطی کے لئے ایک اجر ہے۔ اگر وہ مُصیب نہ ہوتا تو اجر کیوں ملتا۔ اور یہ تفصیل جب ہے کہ وہ اجتہاد کا اہل بھی ہو۔ لیکن اگر اجتہاد کا اہل نہیں تو اسکے لئے حکم اور فیصلہ حلال نہیں اور اس کا حکم نافذ بھی نہ ہوگا۔ خواہ صحیح ہو یا غلط۔ ایسا شخص تمام احکام اور فیصلوں میں گنہگار ہوگا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ جس معاملہ کا حکم کتاب و سُنت اور اجماع میں نہیں پایا جاتا تو لازمی طور پر قیاس کی جانب رُجوع کرنا پڑیگا لہٰذا وہ اس میں قبلہ کی تحری کرنیوالے کے مثل ہوگا۔ یعنی وہ مخطی ہونے کے باوجود مُصیب قرار پائیگا۔ اور اجر کا مستحق ہوگا۔

(۱۹۸) یہاں اس حدیث کو مختصرًا بیان کیا گیا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُرْسِلُنِيْ وَأَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ وَلَا عِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ إِذَا تَقَاضٰى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَإِنَّهٗ أَحْرٰى أَنْ يَّتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ۔

(مشکوٰۃ ص ۳۲۵)

حضرتِ علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی بنا کر یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے قاضی بنا کر بھیج رہے ہیں اور میں نوجوان ہوں اور مجھکو فیصلہ کرنیکا علم بھی نہیں تو آپنے فرمایا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو ہدایت دیگا۔ اور تمہاری زبان کو ثابت رکھیگا (دیکھو) جب دو آدمی تمہارے پاس کوئی معاملہ لیکر آئیں تو اول کیلئے فیصلہ نہ کرنا۔ تاوقتیکہ تم دوسرے کا کلام نہ سُن لو اسلئے کہ یہ اسکے زیادہ لائق ہے کہ تمہارے سامنے فیصلہ عیاں ہو جائے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسکے بعد میں نے کبھی فیصلہ میں شک نہیں کیا۔

(ف) بعث کے بعد لفظِ ارسال کا استعمال تفنن کے لئے ہے۔ وَاَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ الخ میں عذر ومعذرت ہے۔ کہ میں کم سن، کم تجربہ ہوں۔ اور فیصلہ کو بھی میں اچھی طرح نہیں جانتا۔ اس سے حکم کو ٹالنا مقصود نہ تھا۔ بلکہ آپ سے دُعا اور توجہ لینی مقصود تھی۔ چنانچہ آپ نے اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِىْ قَلْبَكَ الخ سے (بصیغۂ خبر) دُعا دی تاکہ مکمل اطمینانِ قلب حاصل ہو۔ یا توجہ فرماکر اس کے اثرات کو باندازِ خبر بیان فرمایا۔ اسی کی نظیر قرآنِ پاک میں ہے کہ جب حضرت موسیٰ وحضرت ہارون نے بارگاہِ حق میں عرض کیا تھا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى (اے ہمارے رب ہم کو فرعون سے یہ اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کریگا یا سرکشی وکبر سے پیش آئیگا) تو باری تعالیٰ نے فرمایا لَا تَخَافَآ اِنَّنِىْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى (کہ تم اندیشہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں میں سب کچھ سن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں)۔

علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ یہاں سَيَهْدِىْ کا سین ایسا ہی ہے جیساکہ باری تعالیٰ کے قول اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ میں ہے۔ کہ دونوں میں سین فعل کے زمانِ وقوع کی تنفیس وتقریب کیلئے ہے اور بلاشبہ حضرتِ علی کو جب یمن کی جانب قاضی بناکر بھیجا تھا تو حضرتِ معاذ بن جبلؓ کی طرح وہ بھی کتاب وسُنت کے عالم تھے۔ اور انہوں نے نوجوان ہونے اور عدمِ علم بالقضاء کا اعتذار کیا تھا۔ اسکا مطلب عدمِ علم نہ تھا۔ بلکہ تجربۂ قضا کی نفی تھی۔ اسی بنا پر آپ نے جواباً ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِىْ قَلْبَكَ اى يُرْشِدُكَ الى طريقِ استنباطِ القياسِ بالرأى الّذى محلّه قلبُك فينشرح صدرك ويثبّت لسانك فلا تقضى اِلّا بالحقّ۔

امام خطابیؒ نے فرمایا کہ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْاٰخَرِ سے قضاء علی الغائب کی ممانعت وحرمت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب آپ نے صرف اَحَدُ الخصمين کا کلام سُنکر فیصلہ کرنے سے منع فرمادیا ہے جبتک کہ دوسرے کا کلام نہ سُن لیں جبکہ وہ دونوں موجود بھی ہیں۔ تو اگر اَحَدُ الخصمين غیر موجود ہے تو بدرجۂ اولیٰ اس کے خلاف فیصلہ ناجائز ہوگا۔

یہ اسوجہ سے کہ ہوسکتا ہے کہ غائب کے پاس کوئی ایسی حجت موجود ہو جس سے دوسرے کا دعویٰ باطل ہوجائے۔ اور اس کی حجت ختم ہوجائے۔

قال الاشرف لعلّ مراد الخطابى بهذا الغائبِ الغائبُ عن محلّ الحكم فحسب دون الغائب الى مسافة القصر فانّ القضاء على الغائب الى مسافةِ القصر جائزٌ عند الشافعىؒ۔

---

(۱۹۹) عَنْ مُعَاذٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذًا

حضرتِ معاذؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو یمن کی جانب بھیجا

اِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ كَيْفَ تَقْضِىْ فَقَالَ اَقْضِىْ بِمَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَاِنْ
تو پوچھا کہ تم کس طرح فیصلے کروگے معاذؓ نے کہا کہ میں اس حکم سے فیصلہ کرونگا جو کتاب اللہ میں ہے ارشاد فرمایا
لَّمْ يَكُنْ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِىْ سُنَّةِ
کہ اگر وہ حکم کتاب اللہ میں نہ ہو، کہا کہ پھر سنت رسول اللہ سے فیصلہ کرونگا۔ فرمایا کہ اگر سنت رسول اللہ میں نہ ہو
رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اَجْتَهِدُ رَاْئِىْ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَفَّقَ رَسُوْلَ
معاذؓ نے کہا کہ میں اپنی رائے سے اجتہاد .. کرونگا۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جس نے
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی ج۱ ص۱۵۹ مشکوٰۃ ص۳۲۴)
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو توفیق دی۔

(۲۰۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِىِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عمرو بن عوف مزنیؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
قَالَ الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ
کہ صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے لیکن وہ صلح جائز نہیں جو حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے
حَرَامًا وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى شُرُوْطِهِمْ اِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ
اور مسلمان لوگ اپنی شرطوں پر قائم رہیں مگر ایسی شرط پر نہیں جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو
حَرَامًا۔ (ترمذی ج۱ ص۱۶۱ مشکوٰۃ ص)
حلال کردے۔

(۲۰۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلسَّمْعُ
حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سننا اور
وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ
اطاعت کرنا مسلمان آدمی کے ذمہ ہے ہر اس چیز میں جو وہ پسند کرتا ہے اور ناپسند کرتا ہے جبتک کہ کسی گناہ کا
فَاِنْ اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَا طَاعَةَ۔ (ترمذی ج۱ ص۲۰۲ مشکوٰۃ ص۳۱۹)
اس کو حکم نہ کیا جائے لہٰذا اگر اسکو کسی گناہ کا حکم کیا جائے تو نہ سننا اسکے ذمہ ہے اور نہ اطاعت۔

(۲۰۲) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
اَلْيَمِيْنُ عَلٰى مَا يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ۔ (ترمذی ج۱ ص۱۶۱ مشکوٰۃ ص۲۹۶)
قسم اسی پر ہوگی جسپر تمہارا ساتھی تمہاری تصدیق کردے۔

(۲۰۳) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے

الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي الْحُكْمِ۔ (ترمذی ص١٥٩ ج١ مشکوٰۃ ص٣٢٦)

اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی۔

لغات الرَّاشِيْ فا۔ رَشَا رَشْوًا (ن) رشوت دینا اَلْمُرْتَشِيْ فا۔ باب افتعال سے رشوت لینا۔

ترکیب اِنْ لَّمْ يَكُنْ الخ شرط۔ اور جزا محذوف ہے۔ ای فکیف تقضی۔ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ مبتدا۔ وَاجِبٌ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ خبر۔ فِيْمَا وَاجِبٌ کے متعلق ہے۔ مَالَمْ ای مَادامہ واجبٌ کا ظرف ہے۔ يُصَدِّقُكَ فعل، مفعول بہ، متعلق اور فاعل سے مل کر صلہ۔ موصول وصلہ مجرور، متعلق محذوف ہو کر خبر اَلْيَمِيْن مبتدا کی۔

تشریح (١٩٩) مشکوٰۃ میں ترمذی وابوداؤد کی روایت میں فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ کی بجائے فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ ہے۔ مطلب دونوں کا یہ ہے کہ اگر صراحۃً کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ میں وہ حکم موجود نہ ہو، یا تم کو نہ ملے۔ کیونکہ وہ صراحۃً موجود نہیں تو کیا کروگے؟ تو حضرت معاذؓ نے کہا کہ میں غور وفکر کرونگا۔ یعنی اصول وقواعد شرعیہ کی روشنی میں پیش آمدہ معاملہ کا حکم تلاش کرونگا۔ اسی کو شریعت میں قیاس کہا جاتا ہے۔ اس حدیث سے قیاس شرعی کا حجۃ شرعیہ ہونا معلوم ہوا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب وسنت میں جس چیز کا حکم صراحۃً موجود ہو اس میں قیاس نہیں کیا جائیگا۔ اور اجماع امت بھی نص شرعی کے حکم میں ہے۔ لہٰذا کسی مسئلہ پر اجماع ہوتے ہوئے بھی قیاس کی گنجائش نہیں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وتحمید سے معلوم ہوا کہ ہر مجتہد مصیب اور مستحق اجر ہے۔

(٢٠٠) جو صلح ایسی ہو کہ وہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کردے وہ اسلئے جائز نہیں کہ اسمیں حق تعالےٰ شانہٗ کی نافرمانی اور غیر اللہ کی اطاعت ہے۔ اور یہ اصول اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ لَاطَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ (مشکوٰۃ ص٣٢١)

(٢٠١) اطاعت امیر بہت ہی اہم ہے۔ احادیث میں اسکی بڑی تاکیدیں آئی ہیں۔ یہانتک کہ اطاعت امیر کو اطاعت رسول اور امیر کی نافرمانی کو اللہ کے رسول کی نافرمانی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اطاعت امیر صرف معروف میں واجب ہے۔ خواہ اس کا امر مامور کی مرضی کے موافق ہو یا اسکے خلاف ہو۔ ہاں معصیت ومنکر میں امیر کی اطاعت بھی جائز نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَاطَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةٍ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ (مشکوٰۃ ص٣١٩)

معصیت میں کسی کی طاعت جائز نہیں۔ اطاعت خلق صرف جواز کی حد تک محدود ہے۔

لیکن امیر اگر نافرمانی کا حکم کرے تو مامور کے لئے صرف اس بات کا حکم ہے کہ اس امر میں اس کی فرمانبرداری نہ کرے۔ اتنی سی بات پر اس سے محاربہ و مقابلہ اور اس سے بغاوت جائز نہیں۔

(۲۰۲) مشکوٰۃ میں الیمین کی بجائے یمینک ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ قسم میں اعتبار قسم کھلانیوالے کی نیت و ارادہ کا ہے بشرطیکہ اس کو قسم کھلانے کا حق ہو۔ اور اس میں قسم کھانیوالے کی نیت اور توریہ کا اعتبار نہوگا۔ اور اگر خود قسم کھاتا ہے یا قسم دینے والا قسم کا حق نہیں تو حالف (قسم کھانیوالے) کے قصد و ارادہ کا اعتبار ہوگا۔ اور اس کو توریہ کا حق بھی ہوگا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی دعویٰ میں قاضی یا نائب قاضی قسم لیں تو قسم کھانیوالے کی نیت و ارادہ کا اعتبار نہیں۔ بلکہ قاضی یا نائبِ قاضی کے ارادہ کا ہی اعتبار ہوگا۔ لیکن اگر قاضی کے مطالبہ کے بغیر خود ہی قاضی کے پاس قسم کھاتا ہے تو خود قسم کھانیوالے کی نیت معتبر ہوگی۔ اور اگر قاضی طلاق یا عتاق کا حلف دیتا ہے تو اس میں قسم کھانے والے کو توریہ کی گنجائش ہے۔ کیونکہ قاضی کو اس کا حق نہیں ہے کہ وہ طلاق و عتاق کی قسمیں کھلائے۔ وہ صرف اللہ کی قسم کھلا سکتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ توریہ کرنے سے آدمی حانث نہیں ہوتا۔ لیکن جہاں کسی کے حق کا ابطال ہوتا ہو وہاں توریہ جائز نہیں۔ هٰذا تفصيل مذهب الشافعي وقال مالك ان كان التورية على وجه المكر والخديعة فهو فيه حانث اثم وما كان على وجه العذر فلا بأس به۔

(۲۰۳) یوں کہتے ہیں کہ رشوت رشاء بمعنی رسّی سے ماخوذ ہے۔ جس طرح رسّی کو ڈول میں باندھکر اسکے ذریعہ کنوئیں سے پانی حاصل کرلیا جاتا ہے۔ اسی طرح رشوت کے ذریعہ مقاصد حاصل ہوجاتے ہیں۔ لیکن رشوت اس مال وغیرہ کو کہتے ہیں جو ابطالِ حق یا احقاقِ باطل کے لئے دیا جائے۔ اور اگر اپنا حق وصول کرنے یا حق تک پہونچنے یا ظلم سے بچنے کے لئے حاکم کو کچھ دیا جائے تو وہ رشوت نہوگی اور دینے والا گنہگار نہوگا۔ اور لینے والا اگر حاکم، والی یا قاضی ہے تو حقدار کو حق دینا چونکہ انکی اپنی ذمہ داری ہے اسلئے ان صورتوں میں لینا بھی رشوت اور حرام ہوگا۔ اور اگر کوئی بااختیار حاکم نہیں اسلئے کسی مستحق کو اس کا حق پہونچانے کی کوشش کے لئے کچھ مال لیتا ہے تو یہ لینے والے کے لئے بھی رشوت نہیں ہوگی۔

اور رشوت دینے والے اور لینے والے پر لعنت اسلئے فرمائی گئی ہے کہ رشوت سے عدل و انصاف اور حقوق کی ادائیگی کے بجائے ظلم و ستم اور حق تلفیوں کا رواج ہوگا جو دنیا کیلئے فتنہ و فساد کا باعث اور مذہب اسلام و خدائی احکام سے بغاوت ہے۔

مِنْهَا الشَّهَادَةُ بِالْحَقِّ

ابواب بر میں سے حق کی گواہی دینا بھی ہے۔

(۲۰۴) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا — اے ایمان والو! تم انصاف پر خوب قائم رہنے والے، اللہ کیلئے

شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ

گواہی دینے والے بنو، اگرچہ (وہ گواہی) تمہاری اپنی ذات کے یا ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی

غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا

کیوں نہو۔ اگر وہ مالدار ہے یا غریب تو اللہ ان کا زیادہ خیرخواہ ہے۔ اسلئے تم انصاف کرنے میں خواہش نفس

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (نساء آیت ۱۳۵)

کی پیروی نہ کرو۔ اور اگر تم کج بیانی یا پہلوتہی کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی خوب خبر رکھتے ہیں۔

(۲۰۵) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ایمان والو! اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے انصاف کیساتھ

شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا

گواہی دینے والے بن جاؤ اور تمکو کسی خاص گروہ کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم انصاف نہ کرو تم انصاف

هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (مائدۃ آیت)

کیا کرو کہ وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی خوب خبر رکھتے ہیں

(۲۰۶) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ

انسانوں میں سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ ہیں جو ان کے قریب ہیں پھر وہ ہیں جو ان کے قریب ہیں۔

ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَشْهَدُ وَيَحْلِفُ

پھر جھوٹ عام ہوجائیگا یہاں تک کہ آدمی خود گواہی دیگا اور اس سے گواہی نہ لی جائے گی اور قسم کھائے گا

الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ۔ (ترمذی ج۲ ص۵۵، بخاری ج۱ ص۳۶۲، مشکوٰۃ ص۳۲۷)

اور اس سے قسم نہ لی جائے گی۔

لغات	تَلْوٗنَ (ن) موڑنا، پھیرنا۔ اَلْقِسْط انصاف، مقدار، ترازو، پیمانہ، حصہ، روزی وغیرہ (ن ض، منصف ہونا۔ اِفعال سے انصاف کرنا۔ (س) خشک ہونا۔ لَا يَجْرِمَنَّ (ض)

کاٹنا، پورا کرنا، گناہ کرنا۔ (ن) کمانا۔ شَنَآنُ مص (س) بُغض رکھنا، دشمنی کرنا، نفرت کرنا۔ ایضاً بُغض رکھنے والا۔ مؤنث شَنَآنَۃٌ۔

ترکیب قَوَّامِیْنَ متعلق سمیت کُوْنُوْا کی خبر۔ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ۔ قَوَّامِیْنَ سے بدل یا اسکی ضمیر سے حال ہوگا۔ وَلَوْ میں لَوْ وصلیہ ہے۔ متعلق محذوف ہو کر مستقل جملہ۔ اَنْ تَعْدِلُوْا ای لِاَنْ اَوْ فِیْ اَنْ۔

تشریح سورۂ نساء و سورۂ مائدہ کی یہ دونوں آیات اگرچہ دو مختلف سورتوں کی ہیں مگر مضمون دونوں کا قریب ہی قریب ہے۔ فرق اتنا ہے کہ عدل و انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی عادۃً دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محبت و قرابت جس کی وجہ سے گواہ کے دل میں تقاضا ہوتا ہے کہ گواہی اس محبت و قرابت والے کے موافق دی جائے، تاکہ وہ نقصان سے بچے۔ یا اس کو نفع پہونچے۔ اور فیصلہ کرنے والے قاضی یا جج کے دل میں اس تعلق کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ اسی کے حق میں کیا جائے۔

دوسری چیز کسی سے عداوت و دشمنی ہے جو شاہد کو اسکے خلاف شہادت دینے پر اور قاضی اور جج کو اس کے خلاف فیصلہ دینے پر آمادہ کر سکتی ہے تاکہ دشمن کا نقصان ہو یا اس کو نفع نہ پہنچ پائے۔ غرض محبت و عداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل و انصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم و جور میں مبتلا کر سکتی ہیں۔ سورۂ نساء و سورۂ مائدہ کی دونوں مذکورہ آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے۔

سورۂ نساء کی آیت میں اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ کہہ کر قرابت و تعلق کی رکاوٹ کو ختم کیا گیا ہے اور سورۂ مائدہ کی آیت میں وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ الخ عداوت و دشمنی کی رکاوٹ کو دور کیا گیا ہے۔

البتہ دونوں آیتوں میں تعبیر کے اعتبار سے تھوڑا سا فرق ہے۔ سورۂ نساء میں قَوَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ شُہَدَآءَ لِلّٰہِ فرمایا گیا۔ اور سورۂ مائدہ میں قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُہَدَآءَ بِالْقِسْطِ فرمایا گیا یعنی اول میں دو چیزوں کی ہدایت ہے۔ ایک قیام بالقسط کی، دوسری شہادت للہ کی۔ اور دوسری میں بھی ان دونوں چیزوں ہی کی ہدایت ہے۔ مگر تقدم و تاخیر کے ساتھ۔

اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں چیزیں دراصل ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں۔ کہیں قیام بالقسط اور شہادت للہ سے تعبیر کر دیا گیا، تو کہیں قیام للہ اور شہادت بالقسط سے ان دونوں آیات کے طرز بیان میں یہ بات خاص طور پر قابل نظر ہے کہ بجائے لفظ اِقْسِطُوْا

کے۔ ان میں طویل جملہ اختیار کیا گیا۔ اس میں اس طرف اشارہ کرنا منظور ہے کہ اتفاقی طور پر کسی معاملہ میں عدل وانصاف کر دینے سے ذمہ داری پوری نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ کسی نہ کسی معاملہ میں انصاف ہو جانا تو ایک امر طبعی ہے، جو ظالم حاکم سے بھی ہو جاتا ہے۔ لفظ قوامین استعمال فرما کر یہ بتلادیا کہ عدل وانصاف پر ہمیشہ ہر حال میں ہر وقت دوست و دشمن سب کے لئے قائم رہنا ضروری ہے۔

پھر ان دونوں آیتوں میں پوری دنیا کو عدل وانصاف پر قائم کرنے اور کرانے کے لئے جو زریں اصول اختیار کیئے گئے وہ بھی قرآن عزیز کی خصوصیات میں سے ہیں۔

ان میں سے ایک اہم اصول تو یہ ہے کہ حکام اور عوام سب کو خدائے تعالیٰ کی قدرت قاہرہ اور روز جزا کے حساب سے ڈرا کر عدل کے لئے تیار کیا گیا ہے کہ عوام خود بھی قانون کا احترام کریں اور حکام بھی، جو قانون کو نافذ کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ خدا اور آخرت کو سامنے رکھکر خلق خدا کے خادم بنیں۔ قانون کو خدمت خلق واصلاح عالم کا ذریعہ بنائیں۔ لوگوں کی پریشانیوں میں اضافہ اور مظلوم کو دفتر گردی کے چکر میں پھنسا کر مزید ظلم پر ظلم کا سبب نہ بنائیں۔ قانون کو اپنی ذلیل خواہشات یا چند ٹکوں میں فروخت نہ کریں۔ قوامین اور شہداء میں للہ کی قید لگا کر حکام و عوام کو للہیت واخلاص عمل کی دعوت دی گئی ہے۔

دوسری بنیادی چیز یہ ہے کہ عدل وانصاف کے قیام کی ذمہ داری تمام افراد انسانی پر ڈالی گئی ہے سورۂ نساء وسورۂ مائدہ کی ان دونوں آیات میں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرما کر پوری امت مسلمہ کو اس کا مخاطب بنایا گیا ہے۔ اور سورۂ حدید میں لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ فرما کر اس فریضہ کو تمام افراد انسانی پر عائد کیا گیا ہے۔ سورۂ نساء کی آیت میں وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ فرما کر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انصاف کا مطالبہ صرف دوسروں ہی سے نہ ہو بلکہ اپنے نفس سے بھی ہونا چاہیئے۔ یعنی اپنے نفس کے خلاف بھی اگر کوئی بیان واظہار کرنا پڑے تو بھی حق وانصاف کے خلاف کچھ نہ بولے، اگرچہ اس کا نقصان خود اپنی ذات پر پڑتا ہو۔ کیونکہ یہ نقصان حقیر وقلیل اور عارضی ہے۔ اور جھوٹ بول کر جان بچالی گئی تو قیامت کا سخت حساب و شدید عذاب درپیش ہے۔

اسلئے سورۂ نساء کی آیت کا حاصل یہ ہوا کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں اپنے نفس، والدین، اور عزیزوں کی بھی پرواہ نہ کرو۔ اگر انصاف کا حکم ان کے خلاف ہے تو خلاف ہی پر قائم رہو۔ اور سورۂ مائدہ کی آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ عدل وانصاف کے معاملہ میں کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے لغزش نہ ہونی چاہیئے۔ کہ اس کو نقصان پہونچانے کے لئے خلاف انصاف کام کرنے لگو۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ نساء کی آیت میں قسط یعنی انصاف، کو مقدم فرمایا۔ اور سورۂ مائدہ کی آیت میں للہ کو مقدم فرمایا گیا۔ اگرچہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ دونوں عنوان، ایک ہی

مقصد کو ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ جو انصاف پر کھڑا ہوگا وہ اللہ ہی کے لئے کھڑا ہوگا۔ اور جو اللہ ہی کیلئے کھڑا ہوگا وہ ضرور انصاف ہی کریگا۔ لیکن اپنے نفس، دوستوں اور عزیزوں کی رعایت کے مقام میں یہ خیال گذر سکتا ہے کہ ان تعلقات کی رعایت بھی تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ اسلئے وہاں لفظِ قسط کو مقدم فرما کر ہدایت کردی گئی کہ وہ رعایت اللہ کے لئے نہیں ہوسکتی جو عدل و انصاف کے خلاف ہو۔ اور سورۂ مائدہ میں دشمنوں کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دینا تھا۔ تو لفظِ للہ کو پہلے لاکر انسانی فطرت کو جذبات سے مغلوب ہوجانے سے نکال دیا کہ تم لوگ اللہ کیلئے کھڑے ہو اسلئے دوستی و دشمنی سے بے نیاز اور بالاتر ہوکر عدل و انصاف کرو۔

(۲۰۶) خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ای اصحابی وقیل کل من کان حیًا فی زمانہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہایہ میں ہے کہ قرن ہر زمانہ کے لوگوں کو کہتے ہیں۔ اور وہ ہر زمانہ کی اوسط درجہ کی عمروں کی مقدار ہوتی ہے۔ قرن اقتران سے ماخوذ ہے۔ گویا کہ قرن وہ مقدار ہے جسمیں ایک زمانہ کی عمریں اور حالات ملتے ہیں۔ بعض علماء نے اسکے لئے سال بھی مقرر کیئے ہیں۔ اور اس میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔

(۱) تیس ۳۰ سال (۲) چالیس ۴۰ سال (۳) ساٹھ ۶۰ سال (۴) ستر ۷۰ سال (۵) اسّی ۸۰ سال (۶) سو ۱۰۰ سال۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور دعاء فرمائی عِشْ قَرْنًا (یعنی تو ایک قرن زندہ رہ) تو وہ پورے سو ۱۰۰ سال زندہ رہا۔ (مرقاۃ ص۱۵۹ ج۱۱)

ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ سے تابعین اور دوسرے ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ سے مراد اتباعِ تابعین ہیں۔ ثُمَّ يَفْشُوْ الْكَذِبُ کا مطلب یہ ہے کہ پھر جھوٹ عام ہوجائیگا۔ یہانتک کہ جھوٹی قسموں اور جھوٹی شہادتوں کا بھی رواج ہوجائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ:

ثُمَّ يَجِيْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَيَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ۔ (مشکوٰۃ ص۳۲۷)	پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ ان میں سے ایک کی گواہی اسکی قسم سے اور اسکی قسم اسکی شہادت سے آگے بڑھے گی۔

یعنی جھوٹی گواہیوں اور جھوٹی قسموں کی کثرت ہوجائیگی۔ اور اس بارے میں لوگ ایسے جری اور غیر محتاط ہوجائیں گے۔ کہ بلا ضرورت گواہیاں دیں گے اور بلا مطالبہ قسمیں کھائیں گے۔ یہی مطلب ہے حَتّٰى يَشْهَدَ الرَّجُلُ الخ کا۔

ورنہ تو ضرورت کے وقت گواہی دینا ضروری ہے۔ خصوصًا جبکہ گواہی کا مطالبہ کیا جائے۔ یا کسی کے نقصان کا اندیشہ ہو اور اسکو یہ معلوم نہ ہو کہ اس معاملہ کا علم فلاں کو ہے۔ ایسی صورتوں میں گواہی کا چھپانا گناہ ہے۔

وَمِنْهَا الْأَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور ان ابواب میں سے بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا بھی ہے۔

(۲۰۷) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران آیت ۱۱۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم ایسی اچھی جماعت ہو جس کو لوگوں کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

(۲۰۸) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْهُ فَتَدْعُوْنَهٗ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ۔ (ترمذی ۳۹/۲ و مشکوٰۃ ص ۴۳۶)

حضرت حذیفہ بن یمانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم بھلائی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے منع کرتے رہو۔ ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دیں گے۔ پھر تم دعاء مانگوگے تو تمہاری دعاء قبول نہ ہوگی۔

(۲۰۹) عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ أَنَّهٗ قَالَ إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ مِّنْهُ۔ (ترمذی ۳۹/۲ مشکوٰۃ ص ۴۳۶)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ لوگ جب کسی ظلم کرنیوالے کو دیکھیں اور اسکے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا عذاب بھیجدیں۔

لغات اَوْشَكَ جلدی چلنا، قریب ہونا۔ اور یہ افعالِ مقاربہ میں سے ہے۔ اسکے مضارع کا استعمال ماضی سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اسمِ فاعل کا استعمال بہت کم ہے۔ اسکی خبر پر اکثر اَنْ آتا ہے۔

ترکیب خَيْرَ أُمَّةٍ فعل ناقص کی خبر ہے۔ أُخْرِجَتْ جملہ امۃ کی صفت اول تَأْمُرُوْنَ جملہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر صفتِ ثانی۔ اور الگ الگ جملے بھی ہوسکتے ہیں۔

اور استیناف کی وجہ سے واوٗ عاطفہ نہیں آیا۔ سوال ہوا کہ یہ اُمت خیر امت کیوں ہے؟ جواب دیا گیا اُخرِجَتْ الخ اس کو انسانوں کے نفع کے لئے پیدا کیا گیا۔ پھر سوال ہوا کہ نفع سے کیا مراد ہے؟ تو تَامُرُوْنَ الخ سے اس کا جواب دیا گیا۔ آگے دونوں حدیثوں کی ترکیب آسان ہے۔

تشریح (۱۰۷) قرآنِ پاک میں اُمتِ محمدیہ کے خیر الامم ہونے کی مختلف مقامات پر بہت سی وُجوہ بیان کی گئی ہیں۔ اس آیت میں اُمتِ محمدیہؐ کے خیر الامم ہونے کی وجہ یہ بیان کیگئی ہے کہ اس سے خلقِ خدا کو نفع پہونچانا مقصود ہے۔ اور نفع بھی اعلیٰ درجہ کا۔ اور وہ ہے خلقِ خدا کی روحانی اور اخلاقی اِصلاح کی سعی وفکر۔ اور یہی دراصل اس کا منصبی فریضہ ہے۔ اسی لئے تمام سابقہ امتوں سے زیادہ اس امت سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی خدمت لی گئی۔ اور اسکی تکمیل اسی کے ذریعہ ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ فریضہ پہلی اُمتوں پر بھی عائد تھا۔ جیساکہ صحیح حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اس امت کو حکم ہے کہ ہاتھ سے زبان سے اور قلب سے منکر کو بدل ڈالے۔ یعنی دعوت و تبلیغ کے تینوں درجات اس کو بیک وقت ملے ہیں۔ مگر پچھلی اکثر امتوں میں حکمِ جہاد نہ تھا۔ اس لئے ان کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا تعلق صرف دل اور زبان سے تھا۔ امتِ محمدیہ کو تیسرا درجہ (ہاتھ کی قوت سے تبلیغ کا) بھی ملا ہے جس میں جہاد کی تمام اَقسام بھی داخل ہیں۔ اور بزورِ حکومت اسلامی قوانین کی تنفیذ بھی اس کا جزوِ اہم ہے۔

اس کے علاوہ پہلی امتوں میں جس طرح دوسرے دینی شعائر ان کی غفلت کی نذر ہوکر محو ہوگئے تھے۔ اسی طرح فریضۂ امر بالمعروف بھی ان سے بالکل متروک ہوگیا تھا۔ اور اس امتِ محمدیہ کے متعلق اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے کہ

"اس امت میں قیامت تک ایک جماعت ایسی قائم رہیگی جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی رہیگی۔ اس آیتِ گرامی میں اس اُمت کی فضیلت کی یہ پہلی وجہ بیان فرماکر اس کی دوسری اِمتیازی شان تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ بیان فرمائی گئی ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایمان باللہ تو تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام اُمتوں کا وصفِ مشترک ہے پھر اس کو وجہِ امتیاز و وصفِ فضیلت کیسے قرار دیا گیا؟

جواب یہ ہے کہ اصل ایمان تو سب ہی میں مشترک ہے۔ مگر کمالِ ایمان کے درجات مختلف ہیں۔ ان میں جو مقام و درجہ اُمتِ محمدیہ کو حاصل ہے وہ سابقہ امتوں کے مقابلہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

(۲۰۸) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ دو کاموں میں سے ایک ضرور ہوگا۔ یا تو امر بالمعروف ونہی عن المنکر، ورنہ عذابِ خداوندی اور دعاؤں کی عدمِ قبولیت۔

حضرتِ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے۔

لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَيُسَلِّطَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ شِرَارَكُمْ فَيَدْعُوْا خِيَارُكُمْ فَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ۔

(رواہ البزاز والطبرانی فی الاوسط)

تم معروف کا حکم کرتے رہو منکر سے منع کرتے رہو ورنہ تو اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے بدترین لوگوں کو مسلط فرما دینگے پھر تمہارے بہترین لوگ بھی دعا کریں گے تو انکی دعائیں قبول نہ ہوں گی۔

اس حدیث میں اس عذابِ عام کی ایک صورت بیان فرمادی گئی جس کی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے چھوڑ دینے پر خبر دی گئی ہے۔

اصلاحِ خلق کا کام کرنیوالوں کو تسلّی

(۲۰۹) یہ حدیث مختصر ہے۔ دراصل سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۱۰۵ میں اصلاحِ خلق کی بھرپور محنت کرنیوالوں کو تسلی دی گئی ہے کہ جب تم نے حق کی تعلیم وتبلیغ میں مقدور بھر کوشش کرلی اور نصیحت وخیرخواہی کا حق ادا کردیا، پھر بھی اگر کوئی گمراہی پر جما رہے تو تمہارا کوئی نقصان نہیں۔ اس سے زائد ان کی فکر نہ کرو۔ ان کی غلط کاری وگمراہی سے تمہارا کوئی نقصان نہوگا۔ ہاں زائد فکر میں پڑنے سے خود فراموشی یعنی اپنی اصلاح کی فکر سے غفلت ہوکر اپنا نقصان ہوسکتا ہے اسلئے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ۔ الخ

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو وہ تمکو نقصان نہ پہونچا سکے گا جو گمراہ ہوجائے جبکہ تم ہدایت پر قائم رہو۔

اس آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ سے چونکہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ہر انسان کو اپنا عمل اور اپنی اصلاح کی فکر کافی ہے۔ دوسرے لوگ کچھ بھی کرتے رہیں اسپر دھیان دینے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ بات قرآن وحدیث کی بیشمار نصوص کے خلاف ہے۔ جن میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اسلام کا اہم فریضہ اور مسلمانوں کی عظیم ذمہ داری اور اس امت کی خصوصیت وشانِ امتیازی قرار دیگئی ہے۔ اسی بناپر اس آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگوں کو شبہات پیش آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت بھی فرمائی کہ یہ آیت امر تبلیغ کے منافی نہیں۔ اسلئے کہ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ سے بتادیا ہے کہ بشرطیکہ تم ہدایت پر قائم رہو۔ اور جس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑدیا تو ہدایت پر پورے طور پر قائم کہاں رہا۔ بلکہ ترک تبلیغ سے مجرموں کی صف میں جا کھڑا ہوا چنانچہ

حضرتِ سعید بن جبیرؒ سے آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ تم اپنے واجباتِ شرعیہ کو ادا کرتے رہو جن میں جہاد و امر بالمعروف بھی داخل ہیں۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی جو لوگ گمراہ رہیں اُن سے تمہارا کوئی نقصان نہ ہوگا۔

تفسیرِ درِ منثور میں حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان سے کسی نے یہ کہا کہ فلاں فلاں حضرات میں باہمی سخت جھگڑا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو مشرک کہتے ہیں۔ تو ابن عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ میں تمہیں کہدونگا: جاؤ ان لوگوں سے قتال کرو۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ جاؤ ان کو نرمی سے سمجھاؤ۔ قبول کرلیں تو بہتر ہے۔ اور نہ کریں تو تم ان کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر میں لگ جاؤ۔ پھر بطورِ دلیل یہی آیت یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الخ تلاوت فرمائی۔

مذکورہ آیتِ کریمہ کے ظاہری الفاظ سے سرسری نظر میں جو شبہ ہوسکتا تھا اسی کے پیش نظر صدیق اکبرؓ نے ایک خطبہ میں اس کا جواب ارشاد فرمایا جس کو یہاں صاحبِ مشکوٰۃ الآثار نے مختصرا ذکر کیا ہے۔ خطبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تم لوگ اس آیت یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ الخ کو پڑھتے ہو۔ اور اس کو غلط معنی میں استعمال کرتے ہو۔ کہ امر بالمعروف کی ضرورت نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ لوگ جب کوئی گناہ ہوتا ہوا دیکھیں اور (اپنی مقدور بھر) اس کو روکنے کی کوشش نہ کریں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کے ساتھ ان دوسرے (نہ روکنے والے) لوگوں کو بھی عذاب میں پکڑلیں۔ یہ روایت ترمذی و ابن ماجہ میں موجود ہے۔

اور ابوداؤد کے الفاظ میں اس طرح ہے کہ جو لوگ کسی ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اسکو ظلم سے (اپنی قدرت کے موافق) نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ سب کو عذاب میں پکڑلیں گے۔ اور دوسری روایات میں تھوڑے فرق سے یہ مضمون وارد ہے۔ تفصیل مشکوٰۃ ص ۴۳۶ پر ہے۔

معروف ومنکر کا مطلب

گذشتہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ منکر یعنی ناجائز امور کی روک تھام کرے یا کم از کم اظہارِ نفرت کرے۔ اب یہ معلوم کیجئے کہ معروف ومنکر کس کو کہتے ہیں۔

لفظِ معروف معرفۃ سے اور منکر انکار سے ماخوذ ہے۔ معرفت کہتے ہیں کسی چیز کو غور وفکر کرکے سمجھنے یا پہچاننے کو۔ اس کے بالمقابل انکار کہتے ہیں نہ سمجھنے یا نہ پہچاننے کو۔ یہ دونوں لفظ (معروف ومنکر) متقابل سمجھے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے یَعْرِفُوْنَ نِعْمَۃَ اللہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا (یعنی لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر دیکھ کر اس کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں۔ مگر پھر بطورِ عناد اُن کا انکار کرتے ہیں۔ گویا اُن نعمتوں کو وہ جانتے ہی نہیں ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے معروف کے معنی پہچانی ہوئی چیز کے ہیں

اور منکر کے معنیٰ نہ پہچانی ہوئی چیز کے۔ امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں اسی کی مناسبت سے اصطلاحِ شرع میں معروف و منکر کے یہ معنیٰ بیان فرمائے ہیں کہ معروف اس فعل کو کہتے ہیں جس کا مستحسن یعنی اچھا ہونا عقل یا شرع سے پہچانا ہوا ہو۔ اور منکر ہر اس فعل کو کہتے ہیں جو از روئے عقل و شرع نہ پہچانا ہوا ہو یعنی بُرا سمجھا جاتا ہو۔ اسلئے امر بالمعروف کے معنیٰ اچھے کام کی طرف بلانے کے اور نہی عن المنکر کے معنیٰ بُرے کام سے روکنے کے ہوگئے۔

ائمۂ مجتہدین کے مختلف اقوال میں کوئی منکرِ شرعی نہیں ہوتا

لیکن نصوص میں گناہ و ثواب یا طاعت و معصیت کے بجائے معروف و منکر کے الفاظ استعمال کرنے میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ وہ دقیق اور اجتہادی مسائل جن میں قرآن و سُنت کے اجمال یا ابہام کی وجہ سے مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ اور اسی بنا پر ان میں فقہائے اُمت کے مختلف اقوال ہیں وہ اس دائرہ سے خارج ہیں۔ ائمہ مجتہدین جن کی شانِ اجتہاد علمائے اُمت میں مُسلّم ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں اُن کے دو مختلف اقوال ہوں تو اُن میں سے کسی ایک کو بھی منکرِ شرعی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کی دونوں جانبیں معروف میں داخل ہیں۔ ایسے مسائل میں ایک رائے کو راجح سمجھنے والے کو یہ حق نہیں کہ دوسری جانب کو ماننے والے پر ایسا انکار کرے جیسا کسی گناہ پر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ میں بہت سے اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال کے باوجود یہ کہیں منقول نہیں کہ کسی نے مخالف رائے رکھنے والے پر فاسق یا گنہگار ہونے کا فتویٰ لگایا ہو۔ مباحثے، مناظر اور مکالمے سب کچھ ہوتے تھے۔ اور ہر ایک اپنی رائے کی ترجیح کے لئے وجوہ و دلائل بیان کرتا اور دوسرے پر اعتراض کرتا تھا لیکن اس اختلاف کی بنیاد پر کوئی کسی کو گنہگار نہیں سمجھتا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر یہ تو ہر ذی علم کو اختیار ہے کہ وہ جس جانب کو دلائل کی روشنی میں راجح سمجھتا ہے اختیار کرلے۔ لیکن دوسرے کے فعل کو منکر سمجھ کر اس پر انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔ اس سے واضح ہوگیا کہ اجتہادی مسائل میں جنگ و جدل کرنا یا منافرت پھیلانے والے مقالات و مضامین لکھنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں داخل نہیں۔ ان مسائل کو محاذِ جنگ بنانا صرف ضد یا جہالت و نادانی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(معارف القرآن از صفحہ ۲۵/ج۲ تا صفحہ ۲۵۳/ج۲)

وَمِنْهَا الدَّعْوَةُ إِلَى الْخَيْرِ وَتَعْلِيمُهُ وَتَعْلِيمُ الدِّينِ

اور ان ابواب میں سے خیر کی دعوت اور اس کی تعلیم اور دین کی تعلیم بھی ہے۔

(۲۱۰) قَالَ اللهُ تَعَالَى. وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور تم میں ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیئے جو لوگ خیر کی دعوت دیا کریں اور
يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝
معروف کا حکم کرتے رہیں اور برائی سے روکا کریں اور وہی لوگ پورے کامیاب ہونگے۔ (آل عمران آیت ۱۰۴)

(۲۱۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
حضرت ابوہریرہؓ نے کہا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کسی ہدایت والی بات کی طرف دعوت
دَعَا إِلَى هُدًى كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ يَّتَّبِعُهُ لَا يَنْقُصُ
دے تو اس کو ان سب لوگوں کے ثوابوں کے برابر ثواب ہوگا جو اس ہدایت کی پیروی کریں گے یہ بات انکے ثوابوں میں
ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعَا إِلَى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ
کچھ بھی کمی نہ کریگی۔ اور جو کسی گمراہی کی طرف دعوت دیگا تو اسپر ان تمام لوگوں کے گناہوں کی
مِثْلُ آثَامِ مَنْ يَّتَّبِعُهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا.
برابر گناہ ہوگا جو اس گمراہی کی پیروی کریں گے۔ اور یہ بات ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی نہ کرے گی۔

(ترمذی ص۹۲ ج۲ مسلم ص۳۴۱ ج۲ مشکوٰۃ ص۲۹)

(۲۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُّؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً
کہ جو شخص کسی مومن سے دنیا کی مصیبتوں میں سے کوئی معمولی مصیبت دور کریگا تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت
مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي
کے دن کی مصیبتوں سے ایک بڑی مصیبت کو دور فرمادیں گے۔ اور جو کسی تنگدست کو آسانی دیگا اللہ تعالیٰ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
اس کو دنیا و آخرت میں آسانی عطا فرمائیں گے۔ اور جو کسی مسلمان کو چھپائیگا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں
وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا
چھپائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ بندہ کی مدد میں رہتے ہیں جبتک کہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ اور جو
يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ
شخص کسی ایسے راستہ پر چلیگا جسمیں وہ علم کو تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادینگے

فِیْ بَیْتٍ مِّنْ بُیُوْتِ اللّٰہِ یَتْلُوْنَ کِتَابَ اللّٰہِ وَیَتَدَارَسُوْنَہٗ بَیْنَہُمْ
اور نہیں جمع ہوں گے لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کریں اور اسکو آپس میں
اِلَّا نَزَلَتْ عَلَیْہِمُ السَّکِیْنَۃُ وَغَشِیَتْہُمُ الرَّحْمَۃُ وَحَفَّتْہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ
پڑھیں پڑھائیں مگر ان پر سکینہ اترتی ہے اور ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں
وَذَکَرَہُمُ اللّٰہُ فِیْمَنْ عِنْدَہٗ وَمَنْ بَطَّأَ بِہٖ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ
اور حق تعالیٰ ان کو اپنے پاس والوں میں یاد فرماتے ہیں۔ اور جسکے عمل نے اسکو پیچھے ڈالدیا تو اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ (مسلم ص۳۴۵ ج۲ ترمذی ص۱۱۵ ج۲ مشکوٰۃ ص۳۲)

تشریح (۲۱۰) وَلْتَکُنْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایک ایسی جماعت کا وجود ضروری ہے جو خیر کی طرف بلائے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کیا کرے۔ اگر کوئی حکومت مسلمہ اس فریضہ کو انجام نہ دے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ایسی جماعت قائم کریں جو اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کافی ہوجائے۔ کیونکہ مسلمانوں کی حیات ملّیہ اسی جماعت کی بقاء سے وابستہ ہے۔ لفظ مِنْکُمْ سے اس کے فرض کفایہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اگر ایک جماعت اس کام کے لئے قائم رہے تو سب کی طرف سے یہ فریضہ ادا ہوجائیگا۔ ورنہ سب مسلمان ترک فرض کے گنہگار قرار پائیں گے۔ ظاہر یہی ہے کہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو بیانیہ قرار دیا ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کہ تم کو یعنی امت مسلمہ کو ایسی جماعت ہونا چاہیئے جسکا کام دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہو۔

یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ۔ یعنی اس جماعت کا پہلا اور خصوصی امتیاز یہ ہوگا کہ وہ خیر کی طرف دعوت دیا کریگی۔ گویا دعوت الی الخیر اس جماعت کا مقصد اعلیٰ ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ خیر سے کیا مراد ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ:

اَلْخَیْرُ ھُوَ اِتِّبَاعُ الْقُرْاٰنِ وَسُنَّتِیْ۔ یعنی خیر سے مراد قرآن پاک اور میری سنت کا اتّباع ہے۔ (ابن کثیر)۔ خیر کی اس سے زیادہ جامع ومانع تعریف نہیں ہوسکتی۔ پورا دین اس میں آ گیا۔ پھر یَدْعُوْنَ صیغۂ مضارع لاکر بتا دیا کہ اس جماعت کا وظیفہ ہی دعوت الی الخیر ہوگا یعنی دعوت الی الخیر مسلسل اور لگاتار اس کا فریضہ ہوگا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ اس کی ضرورت خاص مواقع پر ہوگی جب کسی معروف کا موقع آئے یا منکر پیش آئے لیکن یَدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ ہمیشہ کی چیز ہے۔ اگرچہ اسوقت منکرات سامنے نہ ہوں یا کسی فرض کی ادائیگی کا وقت نہ ہو۔ مثلاً طلوع آفتاب سے زوال تک کسی فرض نماز کا وقت نہیں۔ لیکن وہ جماعت

اسوقت بھی نماز پڑھنے کی دعوت و تلقین کا کام کریگی، کہ وقت آنے پر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ یا روزہ کا وقت نہیں آیا۔ ماہِ رمضان سے پہلے ہی وہ جماعت روزہ کی تلقین کرے گی کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ رمضان آرہا ہے اس کا احترام اور اس میں صیام فرض ہیں۔ اس سے غفلت نہ برتی جائے۔
پھر اس دعوت الی الخیر کے بھی دو درجے ہیں۔ پہلا درجہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔ مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے۔ زبان و قلم اور اخلاق و عمل سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف بلائے چنانچہ قرآن پاک میں مسلمانوں کو جہاد کا حکم دے کر سچے مومنوں کی اس طرح تعریف کی ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔

(سورۃ الحج آیت ۴۱)

سچے مسلمان وہ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں قدرت یعنی حکومت دیتے ہیں تو وہ نماز (نظامِ اطاعت) قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (یعنی مالی نظام قائم کرتے ہیں) اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اپنا مقصدِ حیات بناتے ہیں۔

اگر آج اُمتِ مسلمہ اپنا مقصدِ حیات دیگر اقوام کو خیر کی طرف دعوت دینا بنالے تو وہ سب بیماریاں ختم ہو جائیں جو دوسری قوموں کی نقالی سے ہمارے اندر پھیل رہی ہیں۔ کیونکہ جب ہم دعوت الی الخیر کے عظیم مقصد پر مجتمع ہو جائیں۔ اور سمجھ لیں کہ علمی و عملی حیثیت سے ہمیں ساری قوموں پر غالب آنا ہے اور سب کی تربیت و تہذیب ہمارے ذمہ فرض ہے۔ تو ہماری نااتفاقیاں بھی یکسر ختم ہو جائیں گی۔ اور پوری قوم اس عظیم مقصد پر متفق ہو کر لگ جائیگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی کامیابیوں کا راز اسی میں مضمر تھا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ الخ تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ہم خاصۂ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہ جماعت صحابۂ کرامؓ کی مخصوص جماعت ہے۔ کیونکہ ان نفوسِ قدسیہ کا ہر فرد خود کو دعوت الی الخیر کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔

دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ مسلمانوں کو دعوتِ خیر دینا ہے۔ کہ تمام مسلمان عموماً اور یہ جماعت خصوصاً مسلمانوں میں دعوتِ خیر کا فریضہ انجام دے۔ پھر اس میں ایک تو دعوتِ خیر عام ہوگی یعنی تمام مسلمانوں کو ضروری احکام و اسلامی اعمال و اخلاق سے واقف کیا جائے۔ دوسری دعوتِ خیر خاص ہوگی یعنی اُمتِ مسلمہ میں علومِ قرآن و سنت کے ماہرین پیدا کرنا۔ جسکی رہنمائی آیت فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ میں کی گئی ہے۔

آگے اس جماعتِ داعیہ کا خصوصی وصف و امتیاز یہ بتایا گیا ہے کہ :

يَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط (وہ لوگ بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں) معروف میں وہ سب نیکیاں داخل ہیں جن کا اسلام نے حکم دیا ہے۔ اور منکر میں وہ سب برائیاں داخل ہیں جن سے اسلام نے منع کیا ہے۔ یہاں لفظِ معروف و منکر لانے میں شاید وہی حکمت ہے جس کا بیان قریب ہی میں تفصیل سے گذر چکا ہے کہ اجتہادی مسائلِ مختلف فیہا منکر میں داخل نہیں ہیں۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ہ یعنی درحقیقت یہی لوگ پورے کامیاب ہیں۔ فلاح و سعادتِ دارین انہی کا حصہ ہے۔

دعوت کے چند اصول

بہت سی آیات و روایات سے ثابت ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر اُمّت کے ہر فرد پر لازم ہے۔ البتہ تمام احکامِ شرعیہ کی طرح اس میں بھی ہر شخص کی قدرت و استطاعت پر حکم دائر ہوگا۔ پھر استطاعت و قدرت ہر کام کی جُدا ہوتی ہے۔ امر بالمعروف کی قدرت پہلے تو اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف جس کا حکم دے اور وہ منکر جس سے منع کرے پوری طرح صحیح صحیح معلوم ہو۔ کیونکہ جس کو خود ہی معلوم نہیں تو وہ دوسروں کو اگر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے لگے گا تو صلاح کی بجائے فساد ہوگا۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی جہالت و ناواقفیت کی بنا پر کسی معروف کو منع کردے یا کسی منکر کا حکم کرنے لگے۔ اسلئے ایسے ناواقف پہ یہ فریضہ تو عائد ہوگا مگر وہ پہلے واقفیت حاصل کرے۔ اور پھر اس علم کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے۔ لیکن جبتک علم نہو اسوقت تک اس خدمت کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں۔ جیسے اس زمانہ میں جاہل وعظ کہنے کھڑے ہوجاتے ہیں، نہ ان کو قرآن کا علم نہ حدیث کا، سُنی سُنائی غلط سلط باتوں کو لیکر لوگوں سے جھگڑنے لگتے ہیں۔ یہ طریق کار خود فساد کا ذریعہ ہے۔

اسی طرح امر بالمعروف کی قدرت میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے آپ کو ناقابلِ برداشت ضرر پہونچنے کا اندیشہ نہو۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ گناہ کو ہاتھ سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے۔ اور زبان سے نہ روک سکے تو اس کو دل ہی میں بُرا سمجھے۔ ظاہر ہے کہ زبان سے روکنے پر قدرت نہونیکے یہ معنیٰ تو نہیں ہیں کہ اسکی زبان حرکت نہیں کرسکتی۔ بلکہ مطلب یہی ہے کہ اس کو یہ قوی اندیشہ ہے کہ حق بات کی تلقین سے اُس کو شدید نقصان پہونچ جائیگا۔ ایسی حالت میں اس کو قادر نہ سمجھا جائیگا یہ اور بات ہے کہ کوئی ہمّت و حوصلہ سے اِس شدید ضرر کو برداشت کرلے۔ جیسا کہ بہت سے صحابہؓ و تابعین اور ائمہ اسلام سے منقول ہے۔ مگر اُن کے ذمہ ایسا کرنا فرض و واجب نہ تھا۔ بلکہ یہ انکے بلند حوصلہ کا کرشمہ تھا۔

پھر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے وُجوب میں بھی تفصیل ہے۔ واجبات میں امر بالمعروف واجب اور محرمات میں نہی عن المنکر واجب ہے۔ اور امورِ مستحبہ میں مستحب ہے۔

علاوہ ازیں ایک ضروری ادب یہ بھی ہے کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی ملحوظ رہیگی۔ اور فرائض و واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کی بھی گنجائش ہے۔ آجکل معاملہ اُلٹا ہو رہا ہے۔ جو قابلِ اصلاح ہے۔ نیز نہی عن المنکر کا فریضہ اسی وقت عائد ہوگا جبکہ منکر سامنے ہو۔ مثلاً ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ کوئی مسلمان شراب پی رہا ہے یا نماز چھوڑ رہا ہے، یا چوری یا زنا کر رہا ہے تو اسکے ذمہ واجب ہوگا کہ بشرطِ استطاعت وقدرت روکے۔ اور اگر سامنے منکر نہیں تو یہ فریضہ اسکے ذمہ نہیں۔ بلکہ یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہے۔ کہ وہ مجرم کے جُرم کی تحقیق وتفتیش کرکے اس کو سزا دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۲۱۱) اس مضمون کی حدیث مع تشریح مرآۃ الانوار جزءِ اول نمبر (۴۹) پر گذر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۱۲) یہ حدیث اول سے لیکر فِي عَوْنِ اَخِيْهِ تک مرآۃ الانوار جزءِ ثانی میں نمبر (۱۸۵) پر مع تشریح گذر چکی ہے۔ آگے وَمَنْ سَلَكَ الخ میں اول طلبِ علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ سَلَكَ اى دَخَلَ اَوْ مَشٰى طَرِيْقًا نکرہ ہے۔ اور نکرہ فی الاثبات کبھی عموم کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ راستہ قریب ہو یا بعید، اور وہ راستہ تعلم کا ہو یا تعلیم کا یا تصنیف کا۔ عِلْمًا بھی نکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علومِ دینیہ میں سے کوئی علم بھی ہو۔ پھر وہ قلیل ہو یا کثیر بشرطیکہ بہ نیتِ قربت ہو۔ اور خود نفع حاصل کرنا یا دوسروں کو نفع پہونچانا مقصود ہو وفیہ استحباب الرّحلۃ فی طلب العِلْم۔ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ الخ اس میں بیوت اللہ سے مُراد بظاہر مَساجد ہیں۔ لیکن شراحِ حدیث فرماتے ہیں کہ وہ تمام مکانات مراد ہیں جو رضائے خداوندی کی نیت سے تعمیر کیئے گئے ہیں۔ اس معنی کر مساجد، مدارس، خانقاہیں اور مرابط سب اس میں داخل ہیں۔

يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تلاوت سے مراد صرف الفاظ کا زبان پر جاری کرنا نہیں ہے۔ بلکہ پوری قلبی توجہ واستغراق کے ساتھ رضائے الٰہی کی نیت سے قرآنِ پاک پڑھنا مراد ہے۔ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ اس سے مراد تعلیم وتعلم یعنی قرآنِ پاک کے الفاظ ومعانی کا سیکھنا سکھانا مراد ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس سے سُننا سنانا اور دَور کرنا مراد ہو۔ اور ظاہر یہ ہے کہ ان میں سب ہی صورتیں داخل ہیں۔ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ سکینہ سے مراد وقار وخشیت ہے یا وہ شئ مراد ہے جس سے سکونِ قلب اور اطمینان ووقار حاصل ہوتا ہے۔ یا نزولِ انوار مراد ہے بعض کہتے ہیں کہ انوارِ قرآنی سے دل کا مجلّٰی ہونا مراد ہے۔ یا ذوق وشوق کا حاصل ہونا مراد ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ سکینہ ایک فرشتہ ہے جس کے نزول سے قلب مؤمن کو سکون میسر آتا ہے۔ اور وہ فرشتہ اس کو خیر کا حکم دیتا ہے۔ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ۔ ان کو رحمت ڈھانپ لیتی ہے۔ یعنی ان کے اندرون و بیرون پر رحمت چھا جاتی ہے۔ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یعنی رحمت و برکت کے فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔ اور آسمانِ دنیا تک پَرے باندھ کر قرآن سنتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کی زیارت کرتے ہیں۔ ان سے مصافحہ کرتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ اور ان کی صحبت سے تلاوت کرنے اور پڑھنے پڑھانے والوں کو فیض ہوتا ہے۔ اور ملکیت ان میں منتقل ہوتی ہے۔ وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ۔ یعنی حق تعالیٰ بطورِ فخر ان کا ذکر ملاءِ اعلیٰ اور فرشتوں کے طبقۂ اولیٰ میں کرتے ہیں۔ کہ دیکھو میرے بندے میرا ذکر کر رہے ہیں۔ اور میری کتاب کی تلاوت کر رہے ہیں۔ وَمَنْ بَطَّاَ الخ یعنی جس کو اس کی بدعملی نے درجۂ سعادت سے پیچھے ڈھکیل دیا تو اس کا نسب اس کو درجۂ سعادت پر فائز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ قربِ الٰہی نسب سے حاصل نہیں ہوتا۔ عملِ صالح سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقٰىكُمْ۔ اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہی ہے جو تقویٰ میں بڑھا ہوا ہو۔ اسی لئے علمائے سلف و خلف میں بیشتر حضرات بلند نسب نہ تھے۔ بلکہ موالی اور غلام تھے۔ مگر وہ علم و عمل کی برکت سے ساداتِ امت و مراکزِ رحمت بنے۔ اور بہت سے اونچے نسب والے بے علمی و بدعملی کے سبب پست و ذلیل ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ اللهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ اٰخَرِيْنَ وفی روایۃ بِهٰذَا الدِّيْنِ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرید حضرت بایزید بسطامیؒ کے پیچھے پیچھے ان کے نشانات قدم پر قدم رکھ کر چل رہا تھا۔ حضرت بایزیدؒ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم، خدا کی قسم اگر تم بایزید کی کھال اتار کر بھی پہن لو گے تو اس کے مقامات میں سے تم کو ایک رائی کے دانہ کی برابر کوئی شئی میسر نہیں آسکتی۔ جبتک کہ اس کا عمل نہ اپنا لو۔ اور یہ دو شعر پڑھے ؎

مَا بَالُ نَفْسِكَ اَنْ تَرْضٰى تَدَنُّسَهَا ✧ وَثَوْبُ جِسْمِكَ مَغْسُوْلٌ مِّنَ الدَّنَسِ

تیرا کیا حال ہے تو نفس کو پلید کرنے پر راضی ہے ✧ حالانکہ تیرے جسم کا لباس دُھلا ہوا ہے

تَرْجُو النَّجَاةَ وَلَمْ تَسْلُكْ مَسَالِكَهَا ✧ اِنَّ السَّفِيْنَةَ لَا تَجْرِيْ عَلَى الْيَبَسِ

تو نجات کی توقع رکھتا ہے اور نجات کی راہ پر نہیں چلتا۔ ✧ بیشک کشتی خشکی پر نہیں چلتی ہے۔

---

(۲۱۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا قَالُوْا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَللّٰهُ تَعَالٰی
کیا تم جانتے ہو کہ کون ہے سب سے بڑا سخی؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اسکے رسول کو خوب معلوم ہے۔ فرمایا
اَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ اَنَا اَجْوَدُ بَنِیْ اٰدَمَ وَاَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِیْ رَجُلٌ عَلِمَ
اللہ تعالیٰ سب سے بڑا جواد ہے پھر میں سارے انسانوں میں سب سے زیادہ جود والا ہوں۔ اور انسانوں میں میرے
عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمِيْرًا وَحْدَهٗ اَوْ قَالَ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ (مشکوٰۃ ص۳۷)
بعد سب سے بڑا صاحب جود وہ آدمی ہے جسنے علم سیکھا پھر اسکو پھیلایا تو وہ قیامت کیدن تنہا امیر بنکر آئیگا یا فرمایا کہ تنہا ایک جماعت بنکر آئیگا۔

(۲۱۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِیِّ قَالَ ذُكِرَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوامامہ باہلیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں کا
رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا عَابِدٌ وَالْاٰخَرُ عَالِمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ذکر کیا گیا ان میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِیْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
عالم کی فضیلت عابد کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ شخص کے مقابلہ میں۔ پھر
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور آسمانوں اور
وَالْاَرَضِيْنَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِیْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ
زمینوں والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنے سوراخ میں اور یہاں تک کہ مچھلی دعائے خیر کرتی ہیں لوگوں کو
النَّاسِ الْخَيْرَ۔ (ترمذی ص۹۳ ج۲ مشکوٰۃ ص۳۴)
خیر سکھانے والے کے لئے۔

(۲۱۵) وَقَالَ الْفُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ عَالِمٌ عَامِلٌ مُعَلِّمٌ يُدْعٰى كَبِيْرًا فِیْ
اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ علم سکھانیوالا عالم باعمل آسمانوں میں بزرگ کہکر
مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ۔ (ترمذی ص۹۳ ج۱)
پکارا جاتا ہے۔

(۲۱۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
حضرت ابوالدرداءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ
فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ
عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ہے تمام ستاروں پر

وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنَّ الْاَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا
اور بیشک علماء نبیوں کے وارث ہیں اور بیشک انبیاء وارث نہیں بناتے دینار اور درہم کا
وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ فَمَنْ اَخَذَهٗ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ۔ (ترمذی ص۹۳ ج۲، مشکوٰۃ ص۳۴)
وہ تو صرف علم کا وارث بناتے ہیں تو جس نے علم لے لیا اس نے پورا حصہ لے لیا۔

(٢١٧) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ
حضرت عثمان بن عفان نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے
مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔ (بخاری ص۷۵۲، مشکوٰۃ ص۱۸۳)
جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

(٢١٨) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا
حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب انسان
مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ
مرجاتا ہے تو اسکے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے سوائے تین (قسم کے) اعمال کے صدقہ جاریہ
جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُّنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَّدْعُوْ لَهٗ۔ (مشکوٰۃ ص۳۲)
یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

لغات اَجْوَدُ اسم تفضیل جُوْدًا مص (ن) بخشش کرنا۔ النَّمْلَةُ چونٹی (مذکر و مؤنث) ج نِمَالٌ و نَمْلٌ (ن س) چغلخوری کرنا۔ جُحْرٌ سوراخ، بل۔ ج اَجْحَارٌ، اَجْحِرَةٌ، جِحَرَةٌ۔ (ف) سوراخ میں داخل ہونا۔ اَلْحُوْتُ مچھلی، عموماً بڑی مچھلی پر اطلاق ہوتا ہے۔ ج حِيْتَانٌ، اَحْوَاتٌ، حُوْتَةٌ (ن) منڈلانا۔ کَبِيْرًا بڑا، معلم، رئیس۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ ج كُبَرَاءُ، كِبَارٌ (ن س) عمر میں بڑا ہونا۔ (ك) مرتبہ میں بڑا ہونا۔ حَظٌّ حصہ، نصیب۔ ج حُظُوْظٌ، حِظَاظٌ، اُحُظٌّ۔ (س) نصیب والا ہونا۔ وَافِرٌ فا۔ پورا، کامل (ض) زیادہ کرنا، پورا کرنا۔

ترکیب (٢١٣) مَنْ مبتدا اَجْوَدُ جُوْدًا ممیز، تمیز، خبر۔ تَدْرُوْنَ کے دو مفعولوں کے قائمقام وَاَجْوَدُهُمْ کائنًا مِنْ بَعْدِیْ مبتدا رَجُلٌ الخ جملہ خبر۔ اَمِيْرًا وَاحِدًا مرکب توصیفی ضمیر یَاْتِیْ سے حال۔ رَجُلَانِ ذُكِرَ کا نائب فاعل حتّی النَّمْلَةِ بالنصب پڑھو تو حتّی عاطفہ ہوگا یعنی النملۃ کا عطف اسم اِنَّ پر ہوگا۔ اور بالجر پڑھو تو حتّی جارہ ہوگا۔ اور بالرفع پڑھو تو حتّی ابتدائیہ ہوگا۔ والاول اصح۔ اسی طرح حتی الحوت میں بھی تینوں احتمالات ہیں معلم مضاف النَّاسِ مضاف الیہ مفعول بہ۔ اول الخیر مفعول بہ۔ ...

ثانی مرکب اضافی مجرور ہو کر لیصلّون کے متعلق ہے۔

(۲۱۸) عَمَلَهُ ای اعمالہ بدلیل الاستثناء۔ الآمِنْ صَدَقَة قال الطیبیؒ فی بعض نسخ المصابیح اسقطوا الاوھی مثبتة فی صحیح مسلم وکتاب الحمیدی و جامع الاصول والمشارق وھو الی اٰخرہ بدل من قولہ الآمن ثلٰثة فعلی التکریر فیہ مزید تقریر۔

تشریح (۲۱۳) مَنْ اَجْوَدُ جُوْدًا ای اَکْثَرُ کَرَمًا۔ امام راغبؒ کہتے ہیں کہ جود جمع شدہ ذخیرہ کو خرچ کرنا ہے۔ وہ مال ہو یا علم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ عِلْمًا لَایُقَالُ بِهٖ کَکَنْزٍ لَایُنْفَقُ مِنْهُ۔ اللہ تعالیٰ اجود علی الاطلاق ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کا اپنے بندوں پر بلا کسی غرض وعوض کے فیضان فرماتے ہیں، ان کے سوا کوئی اور ایسا نہیں ہے۔ پھر اللہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل واکرم اور سید وُلدِ آدم ہیں۔ آپ سے بڑھکر دوسرا کوئی کیسے جواد ہو سکتا ہے۔ آپ کے بعد وہ اہلِ علم ہیں جو خلقِ خدا کو اپنے علمی فیوض سے مالا مال کرتے ہیں ظاہر ہے کہ علم، مال وغیرہ سب سے افضل ہے۔ تو اس کا فیضان کرنے والا بھی اجود ہوگا۔

بَعْدِیْ میں دو احتمال ہیں بعدیة بحسب المرتبة اور بعدیة بحسب الزمان۔ والاول اظھر۔ رَجُلٌ عَلِمَ بالتخفیف بلاخلاف۔ عِلْمًا ای عظیمًا نافعًا فی الدین۔

فنشرہٗ نشرِ علم تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف اور وعظ وترغیب سب کو عام ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ کتابوں کا وقف کرنا اور بطورِ عاریت دینا بھی نشرِ علم میں داخل ہے۔

یاتی یوم القیٰمة امیرًا وحدہٗ یعنی کالجماعة لھا امیر ومامور فی العزة والعظمة ویمکن ان یکون امیرًا مستقلًا مع اتباعه غیر تابع لغیرہ۔

اور اُمّةً وَّاحِدَةً کا مطلب بھی یہی ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ کَانَ اُمَّةً۔ لفظِ امت کا استعمال چند معانی میں ہوتا ہے مشہور معنیٰ جماعت اور قوم کے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت میں یہی معنیٰ منقول ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام تنہا ایک جماعت اور قوم کے کمالات وفضائل کو جامع ہیں۔ لفظِ امت کے دوسرے معنیٰ مقتدائے قوم وجامع کمالات شخصیت کے بھی آتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں یہی معنیٰ مراد لئے ہیں۔ حدیثِ مذکور میں بھی دونوں معنیٰ مراد لے سکتے ہیں ؎

لَیْسَ عَلَی اللهِ بِمُسْتَنْکَرٍ ۔ اَنْ یَجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ

اللہ پر کچھ دشوار نہیں ۔ کہ وہ عالم کو ایک فرد میں جمع کردیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں فرمایا کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا تو کسی نے کہا کہ یہ تو حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اَلْاُمَّۃُ الَّذِیْ یُعَلِّمُ الْخَیْرَ۔ امت اس شخص کو کہتے ہیں جو خیر کی تعلیم دیتا ہو۔ واللہ اعلم

(۱۴۲۱) عالم سے مراد وہ ہے کہ اس کا علم عبادت پر غالب ہو۔ اور عابد اس کے برعکس ہے۔ فَضْلُ العَالِمِ عَلَی العَابِدِ میں عالم و عابد سے مراد خاص اشخاص بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جنس عالم و جنس عابد مراد ہے۔ عالم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے۔ کہ وہ عالم اور معلم ہے۔ علوم نبویہ کا حامل ہے، اور اس کے علم کا نفع متعدی ہے۔ بخلاف عابد کے کہ وہ ادنیٰ مسلمان ہے۔ کیونکہ وہ صرف عبادت میں لگا ہوا ہے۔ جس کا نفع اسی کو ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ علم یا تو فرض عین ہوگا۔ یا فرض کفایہ ہوگا۔ بہردو صورت عالم فرض میں مشغول ہے۔ اور باقی فرائض میں تو عالم و عابد دونوں برابر ہیں۔ ہاں عابد نفلی عبادات میں مشغول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو فرض میں مشغول ہے وہ اس سے افضل ہے جو نوافل میں مصروف ہے۔ ملائکہ سے مراد حَمَلَۃُ العَرْشِ یا مخصوص فرشتے ہیں۔ اور اہل السَّمٰوٰت سے عام فرشتے۔ گویا یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ اور اَہْلُ الْاَرَضِیْن سے مراد انس و جن اور تمام حیوانات ہیں۔ پھر چیونٹی اور مچھلی کو ذکر کرنے کا مقصد تمام بحر و بر کے جانداروں کا احاطہ ہے۔ لَیُصَلُّوْنَ صیغہ جمع مذکر ذوی العقول کا ہے۔ اسمیں تغلیبُ العقلاء علیٰ غیرہم ہے۔ مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ یہاں خیر سے مراد علم دین ہے۔ اور تعلیم عام ہے زبان سے ہو یا قلم سے، یا اخلاق و عمل سے۔ اس جملہ میں عالم کی وجہ افضلیت کیطرف اشارہ ہے۔

(۲۱۶) کَفَضْلِ القَمَرِ لَیْلَۃَ البَدْرِ۔ لَیْلَۃَ البَدْرِ سے چودھویں رات مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے اشارہ ہے طٰہٰ کی طرف، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ہے۔ اور اس کے بھی عدد چودہ ہیں۔ گویا مشبہ بہ ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور کواکب سے مراد حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ سب ہی نورانی ہیں۔ اور نبی انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور سب سے اکمل و افضل اور غایت ظہور میں ہے۔ اس تاویل پر اس جملہ کا حاصل بھی وہی ہوگا جو کفضلی علیٰ ادناکم کا تھا (فافہم) معلوم ہوا کہ مومنوں کے لئے انوار ضرور ہیں۔ گو وہ علماء کے مقابلہ میں اس طرح ضعیف ہوں جس طرح چودھویں رات کے چاند کے مقابلہ میں ستاروں کے انوار ہوتے ہیں۔ البتہ عالم بے عمل اور عابد بے علم اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان کی کوئی فضیلت نہیں۔ بلکہ ان دونوں کے معذب ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔ حدیث میں ہے وَیْلٌ لِّلْجَاھِلِ مَرَّۃً وَّلِلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ۔

اور دوسری حدیث میں ہے اِنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَالِمٌ لَّمْ یَنْفَعْہُ اللہُ بِعِلْمِہٖ۔
یہ بھی سمجھیے کہ عالم کو چاند سے تشبیہ دی ہے کیونکہ جس طرح چاند کا نور سورج کا فیض ہوتا ہے اسی طرح عالم کا علم فیضِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتا ہے۔ اور جس طرح ستاروں کا نور بھی فی الجملہ ہدایت کا سبب ہوتا ہے۔ عابدوں سے بھی ہدایت ہوتی ہے۔

وَاِنَّ الْعُلَمَاءَ الخ سے وجہِ افضلیت کا بیان ہے۔ کہ علماء انبیاء کے وارث و جانشین ہیں۔ اس میں اشارہ ہے علماء کے توکل کی طرف اور اس کی طرف بھی کہ طالبُ الدنیا ان علماء میں سے نہیں جو وارثینِ انبیاء ہیں۔

قال الغزالی اقلّ العلم بل اقلّ الایمان ان یّعرفَ اَنّ الدّنیا فَانیۃ وَانّ العقبیٰ باقیۃٌ ونتیجۃ ھٰذا العلمِ ان یُعرِضَ عَنِ الفانی ویُقبِلَ علی الباقی وفّقنا اللہ وایّاکم ایّھا الطلّاب۔

(۲۱۷) خَیْرُکُمْ میں خطاب، خاص طور پر کلام پاک پڑھنے والوں کو ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کو خطاب ہے کہ تم میں افضل وہ ہے جو قرآنِ پاک سیکھے اور سکھائے۔
حاصل یہ ہے کہ افضلیت کا فیصلہ اس کے لئے ہے جو کلام اللہ خود سیکھے پھر دوسروں کو سکھائے لیکن حدیث کی بعض کتابوں میں یہ روایت لفظ اَوْ کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ اس صورت میں افضلیت اور بہتری عام ہوگی کہ خود سیکھے یا دوسروں کو سکھائے۔ سیکھنے والے اور سکھانے والے دونوں ہی کے لئے مستقل طور پر خیر و بہتری ہے۔
اس کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ تمام علومِ شرعیہ مع اصول و فروع، الفاظِ قرآنیہ مع مطالب و مقاصد اور حقائق و غوامض سیکھے، اور یہ سب دوسروں کو سکھائے۔ یہ شخص خود کامل ہے۔ اور دوسروں میں کمال پیدا کرنیوالا ہے، اسلئے مطلقاً افضل المومنین ہوگا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص علم سیکھے، اسپر عمل کرے اور دوسروں کو سکھائے ایسے شخص کو عالَمِ ملکوت میں عظیم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور یہاں (۱۱۵) میں حضرت فضیل بن عیاض کا قول مذکور ہے کہ عالِم باعمل معلم کو آسمانوں کے مُلک میں کبیر کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ اس نوع میں فردِ اکمل اور سب سے افضل نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر اَشْبہ فالاشبہ بہت سے متفاوت درجات ہیں۔
اور اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صرف الفاظِ قرآنی سیکھے اور سکھائے۔ یہ بھی اُن سب سے افضل ہے جن کو اسکے علاوہ دوسری نعمتیں ملی ہوں۔ سعید بن سُلیم سے مُرسلاً مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآنِ پاک حاصل کر لے اور پھر کسی اور نعمت والے کو اپنے مقابلہ میں

افضل و بہتر سمجھے تو اُس نے اس انعام (قرآن) کی توہین وتحقیر کی جو اس کو حق تعالیٰ نے عطار فرمایا ہے۔
پھر صاحب قرآن کی افضلیت کی بہت سی وجوہ ہیں۔ مثلاً
(۱) قرآنِ پاک اصلِ دین ہے۔ اس کی بقار و اشاعت ہی پر بقائے دین کا مدار ہے۔ اسلئے اس کا سیکھنا سکھانا افضل ہے۔
(۲) خیر الکلام، کلام اللہ ہے۔ تو خیر الناس انبیار علیہم السّلام کے بعد وہی ہوگا جو اس کلام کو سیکھے اور سکھائے۔ مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اخلاص کی قید ضروری ہے۔ یعنی اخلاص کے ساتھ سیکھنے سکھانے پر ہی یہ فضیلت حاصل ہوگی۔
(۳) حدیثِ پاک میں ہے کہ:

مَنْ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ فَقَدْ اَدْرَجَ النُّبُوَّۃَ بَیْنَ جَنْبَیْہِ غَیْرَ اَنَّہٗ لَا یُوْحٰی اِلَیْہِ۔

جس نے قرآن پاک پڑھ لیا اُسنے اپنے قلب میں علومِ نبوت کو جمع کرلیا۔ ہاں اُسپر وحی نہیں آتی۔ (اسلئے وہ نبی نہیں)

ایک اور حدیث میں ہے اَھْلُ الْقُرْاٰنِ اَھْلُ اللّٰہِ وَخَاصَّتُہٗ (قرآن والے اللہ والے ہیں اور اللہ کے مخصوص بندے ہیں) شرح احیار میں ان لوگوں کی فہرست میں جو قیامت کے ہولناک دن میں عرش کے سایہ تلے رہیں گے ان لوگوں کو بھی شمار کیا ہے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور ان کو بھی شمار کیا ہے جو بچپن میں قرآنِ پاک سیکھتے ہیں۔ اور بڑے ہو کر اسکی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں۔ (فضائلِ قرآن)
(سوال) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں صرف سیکھنے سکھانے کا ذکر کیا ہے۔ عمل کا نہیں کیا جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ عمل ان سے خارج ہے اور اسکو افضلیت میں کوئی دخل نہیں۔
(جواب) مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جس علم سے عمل پیدا نہ ہو اس کو شریعت کی اصطلاح میں علم ہی نہ کہا جائیگا۔ کیونکہ اس بات پر علمار کا اجماع ہے کہ جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ ابو العالیہ وقتادہؒ سے منقول ہے کہ صحابہ کرامؓ اس پر متفق تھے کہ:
کُلُّ ذَنْبٍ اَصَابَہٗ عَبْدٌ فَھُوَ جَھَالَۃٌ عَمْدًا کَانَ اَوْ غَیْرَہٗ۔ امامِ تفسیر مجاہدؒ نے فرمایا
کُلُّ عَامِلٍ بِمَعْصِیَۃِ اللّٰہِ فَھُوَ جَاھِلٌ حِیْنَ عَمِلَھَا۔
قرآنِ پاک میں ہے اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللّٰہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْءَ بِجَھَالَۃٍ الخ (نسار)
حضرت امام احمدؒ سے پوچھا گیا اِلٰی مَتَی الْعِلْمُ فَاَیْنَ الْعَمَلُ (علم کہاں تک سیکھیں پھر عمل کہاں ہے) یعنی جبکہ بقول امام محمدؒ آغوشِ مادر سے آغوشِ قبر تک علم سیکھنے کا وقت ہے۔ تو عمل کا وقت کونسا ہوگا؟ تو حضرت امام احمدؒ نے فرمایا عِلْمُنَا عَمَلٌ کہ ہمارا علم عمل ہی ہے۔

یعنی دونوں الگ الگ نہیں ہیں۔ بالکل دونوں جسم وروح کی طرح ہیں جن کی جُدائی موت ہے۔

(۲۱۸) جب انسان مرجاتا ہے تو اسکے اعمال کے ثواب کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اسکے اعمال موت سے موقوف ہوجاتے ہیں۔ مگر تین عمل ایسے ہیں کہ آدمی کے مرجانے اور عمل کے منقطع ہوجانے کے باوجود ان اعمال کے اجر وثواب کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔

(۱) صدقۂ جاریہ ہے۔ یعنی ایسا صدقہ جس کا نفع جاری رہتا ہے۔ جیسے وقف وجوہِ خیر میں۔ بنائے مساجد ومدارس ومرابط، غرسِ اشجار، کتبِ دینیہ یا قرآنِ مقدس کا ترکہ میں چھوڑ جانا۔ غرض ہر ایسا سلسلہ جس کا نفع باقی رہے تو اس کا ثواب بھی جاری رہتا ہے۔

(۲) ایسا علم جس سے نفع ہو۔ علم کے ساتھ منتفع کی قید اسلئے لگائی کہ علمِ غیر نافع کا کوئی اجر نہیں۔ تمام علومِ شرعیہ علمِ نافع میں داخل ہیں۔ اور علومِ شرعیہ کے معاون وموقوف علیہ علوم بھی شرعی علوم میں تبعاً داخل ہیں۔

(۳) ولدِ صالح۔ یعنی مؤمن اولاد لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور صالحیت کی قید سے معلوم ہوا کہ ولدِ غیر صالح میں اجر نہیں ہے۔ بلکہ اگر صالح بنانے کی کوشش نہیں کی گئی تو مؤاخذہ کا اندیشہ بھی ہے۔ ولدِ صالح کے تمام اعمال کا اجر جسطرح خود اس کو ملیگا سبب بننے کی وجہ سے اس کے والدین کو بھی ملیگا۔

یَدْعُوْلَہٗ کی قید صرف تحریضاً لگائی گئی ہے۔ یعنی ولدِ صالح کو دُعا پر آمادہ کرنا ہے۔ کہ اسکے لئے مناسب یہی ہے کہ والدین کو دُعائے خیر میں یاد رکھے۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ ان تین چیزوں میں حصر اسلئے ہے کہ تقریباً تمام باقی رہنے والی بھلائیاں ان میں داخل ہیں۔ مثلاً مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً الخ تصنیفات جیسے امور فیضانِ علمی میں آجاتے ہیں۔ مرابط وغازی کے اعمال کا سلسلہ قیامت تک رہتا ہے وہ صدقۂ جاریہ میں آجاتے ہیں۔ اور اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کے ثواب کا سلسلہ باقی رہے اور وہ ان تین میں داخل نہ ہوسکے تو ایک اصول یاد رکھیئے کہ حصر اکثری بھی ہوتا ہے۔ نیز ذکرِ شئ نفیٔ ما عدا کو مستلزم نہیں ہوتا۔ وَاللہُ اَعْلَم۔

حضرتِ فضیل بن عیاضؒ

فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التمیمی۔ ابوالفضل اور ابوعلی آپ کی کنیت ہے۔ وطن کوفہ تھا۔ سمرقند یا بخارا میں پیدا ہوئے۔ آپ مشہور صوفی ہیں۔ آپ کو اجازتِ بیعت خواجہ عبدالواحدؒ کے علاوہ ابوعیاض بن منصورؒ بن معمر سلمی عن محمد بن مسلم عن محمد بن حبیب عن ابی بکر الصدیقؓ سے بھی حاصل ہے۔ اس طرح یہ سلسلہ صدیقِ اکبرؓ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ بڑے عابد وزاہد اور صائم الدہر تھے۔ پانچ پانچ دن کے تسلسل روزے رکھتے تھے۔ اور پانچسو رکعتیں نوافل روزانہ پڑھتے تھے۔ صاحبِ انوار العارفین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ بھولے سے

اعضائے وضو میں سے کسی عضو کو تین بار کی بجائے دوبار دھولیا تھا، شب میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، ارشاد فرمایا فضیل تم سے بعید ہے کہ تم وضو میں میری سنت چھوڑ دو۔ خواجہ ڈر کے مارے بیدار ہو گئے اور اپنے اوپر پانچسو نوافل روزانہ ایک سال تک بطورِ کفارہ مقرر کرلیں۔

ابتدائی زندگی آپ ابتداء میں ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ لیکن نماز باجماعت، روزہ و نوافل کا اہتمام رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ڈکیتی کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ یہ آیت کان میں پڑی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ الخ بہت متاثر ہوتے زار و قطار رونے لگے اور اٰنَ وَحَانَ وَاَنَابَ کہنے لگے۔ تراجم الاحبار ص۲۵۱ ج۳ میں ہے کہ ان کی توبہ کا سبب یہ ہوا کہ وہ ایک لڑکی پر عاشق ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ اس کے پاس جانے کے لئے دیواروں پر پھلانگ رہے تھے کہ کسی تلاوت کرنے والے سے مذکورہ آیت سنی تو فوراً کہنے لگے بلیٰ یا رب قد آن (یعنی کیوں نہیں اے رب وقت آگیا) اور توبہ کرلی۔ آپ کی عادت تھی کہ جو مال کسی سے چھینتے اسکی مقدار و کیفیت وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے۔ جب آپنے توبہ کی تو اپنی لکھی ہوئی رقمیں واپس کیں۔ ایک یہودی نے اپنی تھیلی قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ میری تھیلی میں تو سونا بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے خوشامد کی، قسمیں کھائیں مگر یہودی نے ایک نہ سنی اور کہا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ بغیر سونے کی تھیلی کے تیرا قصور معاف نہ کرونگا۔ اسلئے اندر جو میری تھیلی رکھی ہے وہی لاکر مجھے دے تاکہ میں تیرا قصور معاف کروں۔ انہوں نے وہ تھیلی لاکر دیدی۔ یہودی نے اس کو کھولا تو اس میں سونا تھا۔ دیکھ کر اسنے کہا کہ اب مجھے یقین کامل ہوا کہ تو نے سچی توبہ کرلی ہے۔ اسلئے کہ یہ تھیلی ریت کی تھی اور میں نے توریت میں دیکھا ہے کہ جس کی توبہ سچی ہوتی ہے اسکے ہاتھ میں اگر ریت بھی ہو تو سونا ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد وہ یہودی بھی مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ آپ چلے جا رہے تھے۔ ایک قافلہ پر گذر ہوا۔ قافلہ والے آپس میں کہہ رہے تھے کہ ان اطراف میں فضیل نامی ایک رہزن ہے۔ اس کا اندیشہ ہے۔ آپنے سنکر فرمایا تمکو مبارکباد ہو کہ اُسنے توبہ کرلی ہے۔ اور اب وہ تم سے ایسا ہی ڈرتا ہے جیسا کہ تم اُس سے ڈرتے ہو۔ اسکے بعد آپ کوفہ پہونچے۔ اور امام صاحبؒ کی خدمت میں چند روز مقیم رہے۔ وہاں سے حضرت حسن بصریؒ سے بیعت کے ارادہ سے بصرہ پہونچے۔ مگر اُن کا وصال ہو چکا تھا۔ اسلئے اُن کے خلیفہ حضرت عبدالواحدؒ سے بیعت ہوئے۔ آپ ہمیشہ لوگوں کا پانی بھرتے اور اس کی اُجرت سے اپنی اور اہل خانہ کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ خواجہ ابو علیؒ فرماتے ہیں کہ میں تیس ۳۰ برس حضرت کی خدمت میں رہا ہوں ان کو ایک دفعہ کے سوا کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ آپ کے اساتذہ میں بڑے بڑے ائمہ و محدثین

ہیں حضرتِ امام اعظمؒ سے بھی شرفِ تلمذ حاصل ہے۔ اسی طرح آپ کے شاگرد بڑے بڑے ائمۂ محدثین ہیں جن میں امام شافعیؒ وامام احمدؒ، عبداللہ بن مبارکؒ، سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عیینہؒ بھی ہیں اصحابِ اسمائے رجال نے آپ کو ثقات میں شمار کیا۔ اور ان کے بارے میں بڑے اونچے کلمات فرمائے ہیں۔

اِرشادات

(۱) حضرتِ امام احمدؒ فرماتے ہیں میں نے حضرتِ فضیلؒ سے سنا ہے کہ جو شخص ریاست کا طالب ہوتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو کوئی وصیت فرمائیے۔ آپنے فرمایا چھوٹا بنکر رہنا، بڑا بنکر نہ رہنا۔

(۲) جو شخص حق تعالیٰ کی معرفت ومحبت بغیر خوف کے حاصل کریگا وہ ناز میں ہلاک ہوجائیگا۔ اور جو خوفِ خداوندی بلا محبت حاصل کریگا وہ بُعد وتوحش میں منقطع ہوجائیگا۔ اور جو خوف، محبت کے ساتھ حاصل کریگا اس کو حق تعالیٰ قرب واکرام کے ساتھ نوازیں گے۔

(۳) آدمی کے ایمان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ وہ تمام ماموراتِ کو اَدا کرتا رہے۔ تمام منہیات سے بچتا رہے۔ تقدیر پر راضی رہے۔ اور پھر بھی عدمِ قبول سے ڈرتا رہے۔

(۴) کسی کی وجہ سے کوئی نیک کام نہ کرنا ریا ہے۔ اور کسی کے دِکھلانے کیوجہ سے کرنا شرک ہے۔

(۵) اگر تو کسی ایسی جگہ مقیم ہو کہ تجھے کوئی نہ دیکھے، اور تو بھی کسی کو نہ دیکھے تو یہ بڑی مبارک بات ہے۔

(۶) میں اس شخص کا بڑا مشکور ہوں جو میرے پاس نہ آئے اور میں بیمار پڑوں تو مزاج پرسی بھی نہ کرے۔

(۷) جس طرح جنت میں کسی کا رونا تعجب کی بات ہے اس سے زیادہ تعجب کی بات دنیا میں کسی کا ہنسنا ہے۔

(۸) تین چیزوں کی طلب ہرگز نہ کرو کہ ان کو نہ پاسکو گے۔ (۱) وہ عالم جو بقدرِ علم عمل کرتا ہو۔ (۲) وہ عامل جو عمل کی برابر اِخلاص رکھتا ہو۔ (۳) وہ بھائی جس میں کوئی عیب نہ ہو، اگر ایسے ڈھونڈوگے تو نہ پاؤگے۔ اور تینوں سے محروم رہوگے۔

(۹) دو چیزیں دل کو خراب کرتی ہیں (۱) بہت سونا (۲) بہت کھانا۔

(۱۰) شبِ عرفات میں پوچھا گیا کہ آپ اہلِ عرفات کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا فضیل ان لوگوں میں نہ ہوتا تو بخشدیئے جاتے۔

(۱۱) آپ سے پوچھا گیا کہ اِنسان کو خدا کی دوستی میں کمال کب میسر آتا ہے۔ فرمایا جب منع کرنا اور عطا کرنا اس کے نزدیک برابر ہوجائیں۔

(۱۲) جس بندہ کو خدا دوست رکھتا ہے اُس کو دنیاوی غم دیتا ہے اور جس کو دشمن رکھتا ہے اسکو دنیا کا عیش دیدیتا ہے۔

(۱۳) جو اپنے بھائی کا بظاہر دوست اور باطن میں دشمن ہو ایسے شخص پر اللہ لعنت کرتا ہے، اور اسکے اندھے بہرے ہونے کا خوف ہے۔

(۱۴) ایک مرتبہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آیا اور سلام کر کے آپکے پاس بیٹھ گیا۔ دریافت فرمایا کیوں آئے ہو۔ عرض کیا آپ کی دلبستگی اور انسیت کے لئے۔ فرمایا یہ تو وحشت ہوئی نہ کہ انسیت۔ یا تو یہاں سے چلا جا ورنہ میں جاتا ہوں۔ مجبوراً وہ شخص چلا گیا۔

(۱۵) ایک مرتبہ عرفہ کے دن پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تو اپنی ڈاڑھی مٹھی میں پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا، اور فرمایا اگر تو بخش بھی دیگا جب بھی مجھ کو تجھ سے بڑی شرم آئیگی۔

(۱۶) فرمایا کرتے تھے۔ لوگو! خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ضرور کرتے رہا کرو۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ خدا نے کسی کی نعمت چھین کر پھر واپس فرما دی ہو۔

(۱۷) فرمایا کرتے تھے اگر ساری دنیا مجھے مل جائے۔ اور مجھ سے اسکا حساب بھی نہ ہو تب بھی میں اس سے ایسی نفرت کرونگا جیسی تم لوگ مُردار جانور سے کرتے ہو۔

(۱۸) فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے لیکن اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔

(۱۹) فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کی خواہش یہ ہو کہ لوگ میری بات توجہ سے سنا کریں وہ زاہد نہیں۔

(۲۰) فرمایا کرتے تھے کہ جب تیرا کوئی دشمن تیری غیبت کرے تو اس کو دوست سے زیادہ نافع سمجھ۔ اسلئے کہ وہ تجھ کو اپنی نیکیاں دیرہا ہے۔

(۲۱) ایک مرتبہ سفیان بن عیینہ حاضر خدمت ہوئے تو فرمایا کہ تم علماء کی جماعت شہروں کے چراغ تھے جن سے روشنی حاصل کی جاتی تھی، لیکن اب تم شہروں کے لئے تاریکی بن گئے۔ اور تم شہروں کیلئے آسمان کے ستارے تھے، جن کے ذریعہ راستہ معلوم کیا جاتا تھا، اب تم دنیا کے لئے حیرت (سرگردانی) بن گئے۔ تم لوگ اللہ سے نہیں شرماتے، تم لوگ مالداروں کے پاس جاتے ہو۔ اور ان کے عطایا قبول کرتے ہو۔ اور یہ تحقیق نہیں کرتے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اور پھر اپنی محراب میں بیٹھ کر احادیث بیان کرتے ہو۔ حضرت سفیان یہ نصیحت سنتے رہے۔ اور سر جھکا کر استغفار کرتے رہے۔

(۲۲) فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایسا دوست تلاش کرے جس میں کوئی عیب نہ ہو، اس کو کبھی دوست مل نہیں سکتا۔

(۲۳) فرمایا کرتے تھے کہ حضرت لقمان حکیم ایک حبشی غلام تھے، اور اسکے باوجود بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ اور ان کو یہ مرتبہ لغو و فضول باتوں سے بچنے اور زبان کی سچائی کیوجہ سے ملا تھا۔

(۲۴) فرمایا کرتے تھے کہ علماء اگر زہد اختیار کرلیں تو بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں ان کے آگے

جھک جاتیں لیکن یہ لوگ اپنے علم کو دنیاداروں پر اس نیت سے خرچ کرتے ہیں کہ ان کو کچھ (پیسہ) مل جائے۔ اسی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں سے گرگئے۔

(۲۵) فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مخلوق کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھیگا وہ ریا میں ضرور پھنس جائیگا۔

(۲۶) فرمایا کرتے تھے کہ میں اُس عالِم پر روتا ہوں جس کے ساتھ دنیا کھیل رہی ہو۔ اگر قرآن وحدیث والوں کو دُنیا سے بے رغبتی ہوتی تو لوگ ان کو اپنا رومال نہ بناتے پھر فرماتے ہیں کہ بڑا قلق اور رنج ہوتا ہے جب یہ سنتا ہوں کہ فلاں عالم اور فلاں عابد کسی تاجر کے روپے سے حج کرنے گیا ہے۔

(۲۷) فرمایا کرتے تھے اگر علم حاصل کرنے کے لئے نیت اچھی ہو تو اس سے بڑھکر کوئی عمل نہیں لیکن لوگ عمل کی نیت سے نہیں پڑھتے۔

وفات

حضرتِ فضیل بن عیاضؒ کی وفات ۳ ربیع الاول ۱۸۷ھ کو حرم شریف میں ہوئی۔ اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے قریب بتایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کی وفات کا مہینہ محرم بتایا ہے۔ وفات اس طرح ہوئی کہ کسی قاری کی زبانی سُورۃ القارعۃ سُنی، اور ایک نعرہ مارکر جاں بحق ہوگئے۔ حضرتِ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ حضرتِ فضیل بن عیاضؒ کے انتقال پر آسمان وزمین روتے تھے۔ اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ حضرت کے ۵ خلفاء تھے۔ (۱) سُلطان ابراہیم بن ادہمؒ (۲) شیخ محمد شیرازی (۳) خواجہ بشرحافی (۴) شیخ ابورجاء عطاردی (۵) خواجہ عبداللہ سہاری۔ رحمہم اللہ۔

(از مشائخِ چشت)

حضرتِ عثمان بن عفانؓ

خلیفۂ ثالث امیرالمؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ کی کنیت ابوعبداللہ اور نسبت الاموی القرشی ہے۔ آپ شروع میں دارِ ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے تھے۔ ارضِ حبشہ کی جانب دوؔ بار ہجرت فرمائی۔ میدانِ بدر میں حاضر نہ تھے۔ کیونکہ اپنی بیوی حضرتِ رقیہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری میں حضورؐ کے حکم سے مصروف تھے۔ اسی لئے آپنے حضرتِ عثمانؓ کو غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت میں سے حصہ عطا فرمایا تھا اسلئے آپ بلاشُبہ بدری ہیں۔ اور صلح حدیبیہ میں بیعتِ رضوان میں بھی آپ شامل نہ تھے۔ کیونکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ مکرمہ صلح کے بارے میں کفار سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اور بیعتِ رضوان ہی موتِ عثمانؓ کی افواہ کے نتیجہ میں ہوئی تھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا۔ اور فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے۔ یعنی آپؐ نے ان کی طرف سے خود بیعت فرمائی۔ آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یکے بعد دیگرے دوؔ صاحبزادیوں سے شادی

ہوئی تھی۔ ایک حضرت رقیہؓ سے، دوسری حضرت ام کلثومؓ سے۔ آپ گورے چٹے میانہ قد یا کھلے ہوئے گندمی رنگ کے تھے۔ بدن کی کھال نہایت نرم و نازک تھی۔ آپ حسین و خوبصورت تھے۔ سینہ چوڑا چکلا، سر کے بال بہت زیادہ، ڈاڑھی گنجان اور بڑی تھی۔ آپ ڈاڑھی کو زرد رنگتے تھے۔ یکم محرم ۲۴ھ کو خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ نے چند دن کم بارہ ۱۲ سال مسند خلافت کو زینت بخشی۔ آپ کی عمر شریف ۸۲ سال یا ۸۸ سال ہوئی۔ عید الاضحیٰ کے بعد ماہ ذی الحجہ ۳۵ھ میں مصر کے بلوائیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان میں سے اسود تجیبی یا اور کسی نے آپ کو شہید کیا۔ شب شنبہ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔ آپ تیسرے خلیفہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک، سب سے زیادہ باحیا، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ آپ نے غزوۂ تبوک میں ایکہزار اونٹ اور ستر گھوڑے مع سر و سامان دیئے تھے۔ آپ ایک رکعت میں پورا قرآن تلاوت فرمالیتے تھے وغیرہ آپ سے احادیث ایک بڑی جماعت نے نقل کی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

وَمِنْهَا طَلَبُ الْعِلْمِ وَالتَّفَقُّهُ فِي الدِّيْنِ

اور "ابواب بر" میں سے علم کا تلاش کرنا اور دین کی سمجھ حاصل کرنا بھی ہے۔

(۲۱۹) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور ایمان والوں کو نہ چاہیئے کہ سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ سو ایسا کیوں
كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ
نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جایا کریں تاکہ باقیماندہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ اور
اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ (سورۂ توبہ آیت ۱۲۲)
تاکہ اپنی قوم کو ڈرائیں جبکہ وہ ان کے پاس واپس آجائیں تاکہ وہ محتاط رہیں۔

تشریح اس آیت سے پہلے سورۂ توبہ میں غزوۂ تبوک کا ذکر بڑی اہمیت سے مسلسل ہوا ہے۔ جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے نفیر عام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس حکم کی خلاف ورزی بلا عذر صحیح کسی کے لئے جائز نہ تھی۔ جو لوگ خلاف ورزی میں مبتلا ہوئے وہ منافقین تھے اور تین مخلص حضرات سستی کی وجہ سے شرکت نہ کر سکے تھے جن کی توبہ قبول کر لی گئی تھی۔ ان سب واقعات کا ذکر آیات میں آچکا ہے۔ جن سے بظاہر یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر جہاد میں سارے مسلمانوں کو نکلنا فرض اور تخلف حرام ہے۔ حالانکہ حکم شرعی یہ نہیں ہے۔ بلکہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے

اگر ایک جماعت اس میں مشغول رہے تو باقی مسلمان بھی اس فرض سے سبکدوش ہوجاتے ہیں۔ ہاں اگر وہ جماعت کافی نہو اور مغلوب ہونے لگے تو آس پاس کے لوگوں کا ان کی مدد وتقویت کیلئے نکلنا فرض ہوجاتا ہے۔ وہ بھی ناکافی ہوں توان کے قریب کے لوگوں پر، یہانتک کہ سارے مسلمانوں پر ایسی حالت میں جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔ فرضِ عین ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ضرورت سمجھ کر امیرالمؤمنین نفیرِ عام کا حکم کرے۔ جیساکہ غزوۂ تبوک میں ہوا۔ مذکورہ بالا آیت میں اسی کو واضح کیا گیا ہے۔ کہ نفیرِ عام کا حکم غزوۂ تبوک میں خصوصی حالات کے پیشِ نظر تھا۔ عام حالات میں جہاد فرضِ عین نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کی طرح مسلمانوں کے دوسرے اجتماعی مسائل اور مہمات بھی ہیں جو جہاد کی طرح فرضِ کفایہ ہیں۔ ان کے لئے بھی مسلمانوں کی جماعتوں کو تقسیم کار کے اصول پر کام کرنا چاہیئے اس مضمون سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ جو کام شخصی نہیں بلکہ اجتماعی ہیں اور سب مسلمانوں پر ان کے پورا کرنے کی ذمہ داری ہے ان کو شریعت نے فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ تاکہ تقسیم کار کے اصول پر یہ سب ہی کام اپنے اپنے مقام پر پورے ہوتے رہیں۔ مسلمان مُردوں پر نمازِ جنازہ۔ ان کی تجہیز وتکفین، مساجد کی تعمیر ونگرانی، جہاد اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت وغیرہ۔ یہ سب اسی فرضِ کفایہ کے افراد ہیں کہ ان کی ذمہ داری تو سارے عالَم کے مسلمانوں پر ہے۔ مگر بقدرِ کفایت کچھ لوگ کرلیں تو سب کی ذمہ داری پوری ہوجاتی ہے۔ اسی فرضِ کفایہ کے سلسلہ کا ایک اہم کام دینی تعلیم ہے۔ اس آیتِ مذکورہ میں خصوصیت سے اس کے فرض ہونے کا اس طرح سے ذکر فرمایا ہے کہ جہاد جیسے اہم فرض میں بھی اس فرض کا چھوڑنا روا نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جہاد کے لئے نکلے اور باقی لوگ علمِ دین میں مشغول رہیں۔ پھر یہ علمِ دین حاصل کرکے جہاد میں جانیوالے مسلمانوں کو ان کی واپسی پر اور دوسرے مسلمانوں کو بھی سکھائیں۔

طلبِ علمِ دین کی فرضیت اور اُسکے آداب وفرائض

امام قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت طلب علمِ دین کی اصل وبنیاد ہے۔ اور غور کیا جائے تو اسی آیت میں علمِ دین کا اجمالی نصاب بھی بتا دیا گیا ہے۔ اور علم حاصل کرنے کے بعد عالِم کے فرائض بھی ذکر کردیئے گئے ہیں اسلئے اس مضمون کو قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

علمِ دین کے فضائل

علمِ دین کے فضائل، اسپر ثوابِ عظیم اور اسکے متعلقات پر علماء کے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اس کتاب (مشکوٰۃ الآثار) میں بھی متعدد روایات (۲۱۱) سے (۲۲۹) تک مذکور ہیں۔

جن سے طلب علم کے فضائل وبرکات وثواب وغیرہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ ان کے علاوہ بہت سی اَحادیث وروایات اور آیات ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

علمِ دین کے فرضِ عین وکفایہ ہونیکی تفصیل

حضرت انسؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ:

طلبُ العلمِ فریضۃٌ علیٰ کلِّ مسلمٍ (مسلم) علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

آیات واَحادیث میں علم سے مراد علمِ دین ہی ہے۔ دُنیوی عُلوم وفنون دنیا کے کاروبار کے لئے کتنے ہی ضروری ہوں مگر ان کے وہ فضائل نہیں جو نصوص میں وارد ہوئے ہیں۔ پھر علم دین ایک ہی علم نہیں، بلکہ بہت سے علوم پر مشتمل ایک جامع نظام ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مرد وعورت ان تمام علوم کو حاصل کرنے پر قادر نہیں۔ اسلئے حدیثِ مذکور میں جو علم ہر مسلمان پر فرض فرمایا گیا ہے اس سے مراد علمِ دین کا وہ حصہ ہے جسکے بغیر آدمی نہ فرائض ادا کرسکتا ہے۔ نہ محرمات سے بچ سکتا ہے۔ جو ایمان واسلام کے لئے ضروری ہے۔ باقی تمام علوم کی تفصیلات قرآن وحدیث کے مَعارِف ومسائل، ان کے نکالے ہوئے اَحکام وشرائع کی پوری مقدار کا حاصل کرنا نہ ہر مسلمان کے بس کی بات ہے، اور نہ ہی ہر ایک پر فرضِ عین ہے۔ البتہ پورے عالم اِسلام کے ذمہ فرض کفایہ ہے۔ ہر شہر وقصبہ میں اگر ان تمام علوم وشرائع کا ماہر عالم موجود ہو تو وہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ اور جس شہر یا قصبہ میں ایک بھی عالم نہ ہو تو اس شہر یا قصبہ والوں پر فرض ہے کہ اپنے یہاں ایک عالم بنائیں۔ یا باہر سے کسی عالم کو بلاکر اپنے شہر وقصبہ میں رکھیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر باریک مسائل کو اس عالم سے فتویٰ لیکر سمجھ سکیں اور عمل کرسکیں۔

اسلئے علمِ دین میں فرض وفرض کفایہ کی تفصیل یہ ہے کہ:

فرضِ عین

ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اِسلام کے عقائدِ صحیحہ کا علم حاصل کرے، طہارت ونجاست کے مسائل واحکام سیکھے۔ نماز، روزہ اور ان تمام عبادات کا علم حاصل کرے جو شریعت نے فرض وواجب قرار دی ہیں۔ جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے۔ جو صاحبِ نصاب ہو اور اسپر زکوٰۃ فرض ہو تو وہ زکوٰۃ کے اَحکام ومسائل معلوم کرے۔ جس کو حج پر قدرت ہے اُسپر فرض ہے کہ حج کے احکام سیکھے۔ جس کو تجارت، زراعت، صنعت، مزدوری واجرت وغیرہ کے کام کرنے پڑیں اسپر فرض ہے کہ ان کاموں کے مسائل واحکام سیکھے۔ جب نکاح کرے تو اسکے احکام ومسائل اور طلاق کے احکام ومسائل معلوم کرے۔ غرض جو کام شریعت نے جس انسان کے ذمہ کیے ہیں۔ یا اپنے اختیار سے آدمی جو کام کرے ان سب کے احکام ومسائل کا

علم حاصل کرنا بھی اس کے ذمہ فرض ہے۔

علمِ تصوف بھی فرضِ عین میں داخل ہے

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ظاہری اعمال کے احکام کا سیکھنا فرضِ عین ہے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ اعمالِ باطنہ اور محرماتِ باطنہ کا علم (جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں) بھی ہر شخص پر فرضِ عین ہے۔ کیونکہ باطنی اعمال بھی ہر شخص پر فرضِ عین ہیں۔ آجکل جس کو تصوف کہا جاتا ہے وہ بھی بہت سے علوم و معارف و مکاشفات و واردات کا مجموعہ بن گیا ہے۔ اس سے بڑھکر اس دور میں تو اس میں بہت سی رسومات و خرافات اور بدعات کو شامل کرکے جاہل اور دنیادار پیروں نے اس کا بیڑا ہی غرق کر دیا ہے۔ یاد رکھیئے کہ اس جگہ تصوف سے یہ سب چیزیں مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اُس کا صرف وہ حصّہ مراد ہے جس میں اعمالِ باطنی کے فرائض و واجبات کی تفصیل ہے۔ مثلاً عقائدِ صحیحہ کا علم جن کا تعلق باطن سے ہے۔ صبر و شکر، توکل و قناعت وغیرہ کہ یہ چیزیں ایک درجہ میں فرض ہیں۔ یا غرور، تکبر، حسد، بغض، حرص، بخل وغیرہ جو قرآن و سنت کی تصریحات کے موافق حرام ہیں۔ ان سب کی حقیقت کا جاننا، ان میں مامور چیزوں کے حاصل کرنے اور حرام چیزوں سے بچنے کے طریقے معلوم کرنا بھی ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہوگا۔ اور علمِ تصوف کی اصل و بنیاد بس اتنی ہی ہے جو فرضِ عین ہے۔ اس کے علاوہ زوائد و خرافات ہیں۔

فرضِ کفایہ

پورے قرآن کے معانی و مطالب کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر و غیر معتبر کی پہچان کرنا، قرآن و سنت سے جو احکام و مسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا، ان میں صحابہؓ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال و آثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری زندگی خرچ کرکے بھی اس کو انجام تک پہونچانا آسان نہیں۔ اسلئے شریعت نے اس علم کو فرضِ کفایہ قرار دیا ہے۔ کہ بقدرِ کفایت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سُبکدوش ہو جائیں گے۔

علمِ دین کا نصاب

قرآنِ حکیم نے یہاں علمِ دین کی حقیقت اور اس کا نصاب بھی ایک ہی لفظ میں بتا دیا ہے اور وہ ہے لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ۔ یہ موقع بظاہر اس کا تھا کہ یہاں يَتَعَلَّمُونَ الدِّينَ کہا جاتا۔ یعنی علمِ دین حاصل کریں مگر قرآن نے یہاں تعلّم کا لفظ چھوڑ کر تفقّہ کا لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ علمِ دین کا صرف پڑھ لینا کافی نہیں۔ وہ تو بہت سے یہودی، نصرانی اور کافر بھی پڑھتے ہیں۔ اور ان کے گرو شیطان کو سب سے زیادہ حاصل ہے۔ بلکہ علمِ دین حاصل کرنے سے مراد دین کی سمجھ

پیدا کرنا ہے۔ لفظ تفقہ کا یہی ترجمہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظ فِقہٌ سے مشتق ہے۔ اور فقہ کے معنی سمجھ بوجھ ہی کے ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قرآنِ کریم نے اس جگہ مجرد کا صیغہ باب سَمِعَ سے (لِیَفقَھُوا فِی الدِّیْنِ (تاکہ دین کو سمجھ لیں) نہیں فرمایا بلکہ تفعّل سے لِیَتَفَقَّھُوا فِی الدِّیْنِ فرمایا۔ جسمیں محنت ومشقت کے معنی ملحوظ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے میں۔ پوری محنت ومشقت اٹھاکر مہارت حاصل کریں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ دین کی سمجھ بوجھ صرف اتنی بات سے پیدا نہیں ہوتی کہ طہارت ونجاست، نماز، روزہ، زکوٰۃ وحج کے مسائل معلوم کرلے، بلکہ دین کی سمجھ بوجھ یہ ہے کہ وہ اِس بات کو سمجھے کہ اس کے ہر قول وفعل اور حرکت وسکون کا آخرت میں اس سے حساب لیا جائیگا لہٰذا اس کو اس دنیا میں کس طرح زندگی گذارنی چاہیے: اسی فکر کا نام دین کی سمجھ بوجھ ہے۔

اِسی لئے امام اعظمؒ نے فقہ کی تعریف یہ فرمائی ہے:

مَعْرِفَۃُ النَّفْسِ مَا لَھَا وَمَا عَلَیْھَا یعنی انسان ان تمام کاموں کو سمجھ لے جن کا کرنا اسکے لئے ضروری اور نافع ہے۔ اور جن سے بچنا اس کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ وہ کام اسکے لئے مُضر ہیں۔ آجکل جو علمِ فقہ مسائلِ جزئیہ کے علم کو کہا جاتا ہے یہ بعد کی اِصطلاح ہے۔ قرآن وسنت میں فقہ کی حقیقت وہی ہے جو امامِ اعظمؒ نے بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا جس شخص نے دین کی سب کتابیں پڑھ ڈالیں، مگر یہ سمجھ بوجھ پیدا نہ کی، وہ قرآن وسُنت کی اصطلاح میں عالم نہیں ہے، اِس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ علمِ دین حاصل کرنیکا مفہوم قرآن کی اِصطلاح میں دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنا ہے۔ خواہ وہ کسی بھی ذریعہ سے ہو۔ کتابوں سے یا اساتذہ اور علمائے حق کی صحبت سے یہ سب اِس نصاب کے اجزا ہیں۔

عِلمِ دین حاصل کرنیکے بعد عالم کے فرائض

اِس جگہ قرآنِ کریم نے ایک ہی جملہ میں یہ بات بھی بیان فرمادی کہ عالِم کے فرائض کیا ہیں؟ ارشاد ہے لِیُنْذِرُوا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوٓا اِلَیْھِمْ یعنی تاکہ وہ لوگ اپنی قوم کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس جملہ میں عالِم کا فرض اِنذارِ قوم قرار دیا گیا ہے۔ اِنذار کا ترجمہ ہم اُردو میں ڈرانا کرتے ہیں۔ مگر یہ اس کا پورا ترجمہ نہیں۔ اُردو زبان کی تنگی کی وجہ سے اس میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس کے پورے ترجمہ کو اَدا کردے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈرانا کئی طرح کا ہوتا ہے۔ دشمن، چور، ڈاکو یا کسی درندے اور زہریلے جانور، اور مُضر چیزوں سے ڈرانا بھی ڈرانا ہے۔ ایک ڈرانا وہ ہے جو باپ اپنی شفقت سے اولاد کو تکلیف دہ اور مُضر چیزوں، زہریلے جانوروں اور مُضر غذاؤں سے ڈراتا ہے، جس کا منشار شفقت ومحبت ہوتی ہے۔ اس کا لب ولہجہ بھی الگ ہی ہوتا ہے۔ اِنذار اسی قسم کے ڈرانے کا نام ہے۔ اِسی لئے پیغمبروں اور

رسولوں کو نذیر کا لقب دیا گیا ہے۔ اور عالم کا یہ فریضۂ انذار درحقیقت وراثتِ نبوت ہی کا جزء ہے جو بفضِ حدیث عالم کو حاصل ہوتی ہے۔
یہاں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے دو لقب ہیں بشیر اور نذیر۔ نذیر کے معنی تو آپ کو ابھی معلوم ہوئے۔ بشیر کے معنی ہیں بشارت و خوشخبری سُنانیوالا۔ انبیاء علیہم السلام کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ نیک عمل کرنیوالوں کو بشارت سُنائیں۔ اس جگہ بھی اگرچہ صراحۃً انذار کو ذکر کیا گیا ہے مگر دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ نیک کام کرنے والوں کو بشارت بھی سُنائے۔ لیکن یہاں صرف انذار پر اکتفار کرکے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان کے ذمہ دو کام ہیں۔ ایک یہ کہ جو اعمال اس کے لئے دنیا وآخرت میں مفید ہیں ان کو اختیار کرے۔ دوسرا یہ کہ جو اعمال اس کے لئے مضر ہیں انسے بچے۔ باتفاقِ علماء وعقلاء ان دونوں کاموں میں سے دوسرا کام سب سے مقدم اور اہم ہے۔ فقہاء کے یہاں ان دونوں کاموں کو جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت کے دو لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور وہ دفعِ مضرت کو جلبِ منفعت سے مقدم قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں دفعِ مضرت میں جلبِ منفعت کا پہلو بھی ہے۔ کیونکہ جو کام انسان کے لئے مفید اور ضروری ہیں انکا ترک بڑی مضرت ہے۔ تو جو شخص مضرتِ اعمال سے بچنے کا اہتمام کریگا وہ اعمالِ ضروریہ کے ترک سے بچنے کا بھی اہتمام ضرور کریگا۔
یہاں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آجکل جو عموماً وعظ وتبلیغ بہت کم مؤثر ہوتی ہیں اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان میں آدابِ انذار کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا جس کی وجہ سے واعظ ومبلغ کے طرزِ بیان اور لب ولہجہ سے شفقت ورحمت اور خیرخواہی مترشح ہو۔ اور مخاطب کو یقین ہوجائے کہ اسکے کلام کا مقصد نہ مجھے رُسوا کرنا ہے نہ بدنام کرنا۔ اور نہ ہی اپنے دل کا غبار نکالنا ہے۔ بلکہ یہ جس چیز کو میرے لئے مفید اور ضروری سمجھتا ہے وہ محبت کیوجہ سے مجھے بتا رہا ہے۔
آج اگر ہماری تبلیغ اور خلافِ شرع اُمور کے مرتکب لوگوں کو اصلاح کی دعوت کا طرز مشفقانہ ہوجائے تو اس کا ایک نتیجہ تو قطعی طور پر لازم ہی ہے کہ مخاطب میں ہماری گفتگو سے ضد پیدا نہ ہوگی اور وہ جوابدہی کی فکر میں پڑنے کی بجائے اپنے اعمال کا جائزہ لینے، اپنی زندگی کا محاسبہ کرنے اور انجام کو سوچنے کی طرف ضرور متوجہ ہوجائیگا۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو کبھی نہ کبھی وہ اس کو قبول بھی کرلے گا۔ دوسرا لازمی نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ اس سے باہمی منافرت اور لڑائی جھگڑا پیدا نہ ہوگا۔ جس میں آجکل ہماری پوری قوم مبتلا ہے۔
اخیر میں لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ فرماکر یہ ہدایت دیگئی ہے کہ عالم کا کام صرف عذاب سے ڈرانا

ہی نہیں بلکہ اسپر نظر رکھنا بھی ہے۔ کہ اس کی تبلیغ ودعوت اور تعلیم وتلقین کا اثر کتنا اور کیا ہوا۔ اگر ایک بار اثر نہیں ہوا تو وہ انذار کا عمل بار بار کرتا رہے۔ تاکہ اس کا نتیجہ یحذرون برآمد ہوسکے۔ اور اساتذہ کو اس میں تلامذہ کی قبولیت تعلیم کا جائزہ اور ان کی تربیت پر نگاہ رکھنے کی بھی ہدایت ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (معارف القرآن از ص ۴۸۷ تا ۴۹۲ ج ۴)

---

(۲۲۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
اَلْعِلْمُ ثَلٰثَۃٌ وَمَا کَانَ سِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ فَضْلٌ اٰیَۃٌ مُّحْکَمَۃٌ اَوْ سُنَّۃٌ
کہ علم تین ہیں اور ان کے سوا جو کچھ ہے زائد ہے ایک غیر منسوخ آیت دوسرے ایسی سنت
قَائِمَۃٌ اَوْ فَرِیْضَۃٌ عَادِلَۃٌ۔ (ابوداؤد ص ۴۳ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۳۵)
جو ثابت ہے تیسرے وہ حکم جو کتاب وسنت سے ثابت ہو۔

(۲۲۱) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ
یَقُوْلُ مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَبْتَغِیْ فِیْہِ عِلْمًا سَلَکَ بِہٖ طَرِیْقًا اِلَی
جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلیگا جسمیں وہ کوئی علم تلاش کرے تو اسکی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسکو
الْجَنَّۃِ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ لَتَضَعُ اَجْنِحَتَھَا رِضًی لِّطَالِبِ الْعِلْمِ۔ (ترمذی ص ۹۳ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۳۴)
جنت کے کسی راستہ پر چلائیں گے اور بیشک فرشتے اپنے بازو طالب علم کی خوشنودی کیلئے جھکا دیتے ہیں۔

(۲۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَلَّمَ
حضرت ابن عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ جو شخص کوئی علم غیر اللہ
عِلْمًا لِّغَیْرِ اللّٰہِ اَوْ اَرَادَ بِہٖ غَیْرَ اللّٰہِ فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (ترمذی ص ۹۰ ج ۲)
کے لئے حاصل کرتا ہے یا اس سے اللہ کے سوا کا ارادہ کرتا ہے تو اسکو چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۲۲۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ
کہ لوگ ایسی کانیں ہیں جیسی سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں جو لوگ ان میں جاہلیت میں بہتر تھے
خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِھُوْا۔ (بخاری ص ۴۹۶ ج ۱ مشکوٰۃ ص ۳۲)
وہی ان میں سے اسلام میں بھی بہتر ہوں گے بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔

(۲۲۴) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ۔

اور حضرت معاویہؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین کی سمجھ بوجھ عطاء فرمادیتے ہیں اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ دیتے ہیں۔

(۲۲۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے لہٰذا وہ اس کو جہاں پائے تو وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔

(۲۲۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا۔ (مشکوٰۃ ص۳۶)

حضرت ابن عباسؓ سے نقل ہے کہ رات میں تھوڑی دیر علم کا پڑھنا پڑھانا پوری رات کو زندہ رکھنے سے بہتر ہے۔

(۲۲۷) عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاءَهُ الْمَوْتُ وَهُوَ يَطْلُبُ الْعِلْمَ لِيُحْيِيَ بِهِ الْاِسْلَامَ فَبَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّيْنَ دَرَجَةٌ وَّاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ۔ (مشکوٰۃ ص۳۶)

حضرت حسنؓ سے مُرسلاً منقول ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو ایسی حالت میں موت آجائے کہ وہ اسلام کو زندہ کرنے کیلئے علم حاصل کرتا ہے تو اس کے اور نبیوں کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فاصلہ ہوگا۔

(۲۲۸) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ عَنْهُ وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا۔ (مشکوٰۃ ص۳۷)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے ایک علم کا حریص اس سے سیر نہیں ہوتا اور ایک دنیا کا حریص اس سے سیر نہیں ہوتا۔

(۲۲۹) قَالَ ابْنُ عَوْنٍ ثَلَاثٌ اُحِبُّهُنَّ لِنَفْسِيْ وَلِاِخْوَانِيْ هٰذِهِ السُّنَّةُ اَنْ يَّتَعَلَّمُوْهَا وَيَسْئَلُوْا عَنْهَا وَالْقُرْاٰنُ اَنْ يَّتَفَهَّمُوْهُ وَيَسْئَلُوْا

حضرت ابن عونؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جن کو میں اپنے لئے اور اپنے بھائیوں کیلئے پسند کرتا ہوں ایک یہ سنت کہ اس کو سیکھیں اور اس کے بارے میں سوال کریں اور قرآن یہ کہ اس کو سمجھیں اور اس کو

عَنْهُ وَيَدَعُوا النَّاسَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ۔ (بخاری ص۱۰۸)

پوچھیں اور لوگوں کو چھوڑ دیں مگر بھلائی سے۔

لغات

فَلْيَتَبَوَّأْ باب تفعّل سے اِقامت کرنا۔ (ن) لوٹنا، اِقرار کرنا۔ مَقْعَد۔ بیٹھنے کی جگہ۔ ٹھکانہ۔ ج مَقَاعِد (ن) بیٹھنا مَعَادِن مَعْدِن کی جمع کان۔ اصل، مرکز۔ عَدَنَ عَدْنًا (ن ض) ٹھہرنا، وطن بنالینا۔ مَنْهُوْمٌ مفعم حریص، مشتاق و فریفتہ۔ (ف ض) ڈانٹنا (ض) بہت کھانا۔ چنگھاڑنا۔ (س) حریص ہونا۔

ترکیب

(۲۲۰) اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ مبتدا و خبر۔ وَمَا كَانَ سِوٰى ذٰلِكَ جملہ شرط۔ فَهُوَ فَضْلٌ جملہ جزا۔ (۲۲۱) يَبْتَغِيْ فِيْهِ عِلْمًا جملہ طَرِيْقًا کی صفت۔ سَلَكَ جملہ جزائیہ۔ رِضًى تَضَعُ کی ضمیر سے حال یا مفعول لہٗ۔ (۲۲۲) فَلْيَتَبَوَّأْ امر بمعنی خبر ہے۔

(۲۲۳) كَمَعَادِنِ مضاف الیہ سے مل کر مَعَادِن کی صفت یا خبر ثانی۔ خِيَارُهُمْ الخ موصوف صفت یا ذوالحال وحال بتاویل مبتدا۔ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اسی طرح خبر جزا یا دال مقدم۔ اِذَا فَقِهُوْا شرط۔ (۲۲۴) پہلا جملہ شرط و جزا۔ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ ایک جملہ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ دوسرا جملہ۔ یا حال ضمیر قَاسِمٌ سے۔ (۲۲۵) الكلمة الحكمة مرکب توصیفی مبتدا۔ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ مرکب اضافی جزا۔ فَحَيْثُ وَجَدَهَا بمنزلہ شرط۔ فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا بمنزلہ جزا۔ ویسے دونوں مستقل جملے ہیں۔ (۲۲۶) ترکیب ظاہر ہے۔ (۲۲۷) وَهُوَ الخ جملہ جاء کے مفعول بہٖ سے حال جملہ شرط۔ فَبَيِّنْهُ الخ جزا۔ مَنْهُوْمَانِ مبتدا۔ لَا يَشْبَعَانِ جملہ فعلیہ خبر۔ اگلے دونوں جملے بھی مبتدا و خبر ہیں۔

تشریح

(۲۲۰) اَلْعِلْمُ میں الف لام عہد ذہنی کا ہے۔ اور مراد وہ علم ہے جو علوم دینیہ کی اصل و بنیاد ہے ثَلٰثَةٌ ای معرفۃ ثلاثۃ اشیاء۔ اٰيَةٌ مُحْكَمَةٌ سے مراد ایسی آیت ہے جو منسوخ نہ ہوئی ہو۔ یا جس میں مختلف تأویلات کا احتمال نہ ہو۔ بلکہ ایک تاویل متعین ہو۔ اَوْ سُنَّةٌ قَائِمَةٌ سے مراد وہ قول و عمل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت و منقول ہو۔ اَوْ فَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ اس جملہ کے مطلب میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) اس سے مراد وہ حکم ہے جو کتاب و سنت سے بطور قیاس مستنبط ہو۔ اور اس کو فریضہ عادلہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ علت جامعہ کی بنا پر وجوب عمل اور صدق و صواب میں اس حکم کے برابر ہے جو حکم کتاب و سنت میں منصوص ہے۔

(۲) اس سے مراد وہ حکم ہے جو ثابت بالاجماع ہے۔

(۳) مطلقاً فرائض کا علم مراد ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اصولِ شرع چار ہیں۔ کتابؔ، سنتؔ، اجماعؔ، قیاسؔ۔ اور حکم ثابت بالاجماع والقیاس کو فریضۂ عادلہ کہتے ہیں۔

وما کان سوی ذلک فھو فضل۔ یہ فضل فضول سے ماخوذ ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا کہ تینوں مذکورہ چیزوں کا اور ان کا جن پر یہ تینوں موقوف ہیں اصل علم ہے۔ ان کے سوا باقی علوم ضرورت سے زائد ہیں۔ شرعی اعتبار سے ان کی ضرورت و حاجت نہیں۔ گویا یہ تینوں علوم علمِ نافع کا مصداق ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا۔ اور ان کے علاوہ سب علمِ غیر نافع میں داخل ہے جس سے آپ نے پناہ چاہی ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ۔

ظاہر یہ ہے کہ مقصود بطورِ حصر علومِ شرعیہ کو بیان کرنا ہے تاکہ اُمّت اُن کی طرف متوجہ ہو جائے اور علومِ غیر شرعیہ وغیر مقصودہ کی طرف التفات نہ کرے۔ اسی لئے حدیث میں ہے وَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ جَهْلًا۔ اور دوسری حدیث میں ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اٰیۃ محکمۃ سے مراد علم الکتاب ہے۔ کیونکہ آیات محکمات اصل مقصودِ کتاب ہیں۔ اور متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانا واجب ہے۔ اور اس کے لئے جن علوم متعلقہ کی ضرورت ہوگی وہ اسی میں داخل ہیں۔

اور سنۃ قائمۃ سے علومِ اصول مراد ہیں۔ اصولِ عقائد، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث وغیرہ۔ کیونکہ قیامِ سنت اور ثبوتِ احادیث کا علم ان علوم ہی پر موقوف ہے۔ جرح و تعدیل، معرفتِ اقسامِ حدیث، کیفیاتِ متون و اسانید وغیرہ سے واقفیت کا انہی علوم پر مدار ہے۔ اور علم الاجماع والقیاس کو فریضۂ عادلہ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بھی علتِ منصوصہ سے ثابت ہونے کی بناپر وجوبِ اتباع و عمل کے اعتبار سے اس حکم کے برابر ہے۔ جو صراحۃً کتاب و سنّت سے ثابت ہے۔ باقی سب فضول و زوائد ہیں۔ اور علمِ دین میں داخل نہیں۔ واللہ اعلم

(۲۲۱) یہ حدیث طویل کا ایک جزء ہے۔ اس میں سے بھی مَنْ سَلَكَ سے الْجَنَّةَ تک کا حصّہ قریب ہی (۲۱۲) میں گذر چکا ہے۔ وَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ میں الف لام جنسی ہے یا عہدی۔ اور مراد اس سے ملائکہ رحمت ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ استغراق کا بھی احتمال ہے جبکہ بازو بچھا دینے کے حقیقی معنیٰ مراد نہ ہوں۔ بلکہ تواضع و اکرام کے معنیٰ مراد ہوں۔ تو طالب العلم کا اکرام سب ہی فرشتے کرتے ہیں لَتَضَعُ اَجْنِحَتَهَا رِضًى لِطَالِبِ الْعِلْمِ بازوؤں کے رکھنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے پروں کو جھکا دیتے اور بچھا لیتے ہیں۔ تاکہ طالب العلم کے قدموں کی برکت حاصل کریں۔ اور اس سے اظہارِ محبت کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کے علم کی توقیر و تعظیم اور احترام میں تواضع

سے پیش آتے ہیں۔ یا مراد ہے طیران (اڑان) سے رکنا۔ اور ذکر کے لئے نزول جیسا کہ اوپر حدیث (۲۱۲) میں وَحَفَّتهُمُ المَلائِكَة گذر چکا ہے۔ یا اس سے مراد طالب علم کی اعانت کرنا اور اس کی مشقت و دشواری کو آسان کرنا ہے۔ بہر حال اس سے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور مجازی معنی بھی۔ اور دونوں میں کوئی اشکال و تعجب کی بات نہیں۔ اور بطورِ عمومِ مجاز دونوں قسم کے معانی کے اجتماع میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

سید جمال الدینؒ فرماتے ہیں کہ وضعِ اجنحہ کے حقیقی معنیٰ مراد ہیں کہ فرشتے طالبعلم کے قدموں کے نیچے پر بچھاتے ہیں۔ اگرچہ اس عالَم میں ان کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیمؒ نے احمد بن شعیب سے نقل کیا ہے کہ ہم بصرہ میں ایک محدِّث کے پاس تھے۔ انہوں نے ہم سے یہ حدیث بیان کی اس مجلس میں فرقۂ معتزلہ کا ایک شخص موجود تھا تو وہ اس حدیث کا مذاق کرنے لگا اور کہنے لگا کہ کل میں ان کے پروں کو اپنے جوتوں سے کچل ڈالوں گا۔ اور فرشتوں کے بازوں کو روند ڈالوں گا۔ چنانچہ اگلے دن جب وہ ان محدِّث صاحب کی درسگاہ میں آیا تو راستہ میں اپنے پیروں کو زور زور سے مارتا ہوا آیا۔ چنانچہ اسکے دونوں پیر شل ہو گئے اور ان میں پھوڑے نکل آئے جو اسکی ہلاکت کا سبب بن گئے۔

امام طبرانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن یحییٰ ساجیؒ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم بصرہ کے ایک راستہ پر ایک محدث کے دروازہ کی طرف جا رہے تھے تو ہم تیزی کے ساتھ چلے۔ ہمارے ساتھ ایک مسخرہ، دین کے معاملہ میں بے پرواہ آدمی بھی تھا اس نے (بطور تمسخر) کہا کہ تم لوگ اپنے پیروں کو فرشتوں کے پیروں سے اوپر اٹھا لو، ان کے پَروں کو نہ توڑو۔ گویا وہ اس حدیثِ مذکور کے ساتھ استہزاء کر رہا تھا۔ یحییٰ فرماتے ہیں کہ وہیں پر اس کے دونوں پیر شل ہو گئے۔ اور وہ شخص زمین پر گر پڑا۔ (نَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الاِستِهزَاءِ بِكَلامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ)

سُنن و مَسانید کی ایک روایت حضرت صفوان بن عسالؓ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میں علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا طالبِ علم کے لئے مرحبا ہے۔ بیشک طالبِ علم کو فرشتے گھیر لیتے ہیں۔ اور اپنے بازوں سے اسپر سایہ کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے اوپر آسمان تک پرے باندھکر کھڑے ہو جاتے ہیں اس علم کی محبت کیوجہ سے جسکو وہ طلب کرتا ہے۔ (رِضیً لِطَالِبِ العِلمِ کا مطلب بھی یہی ہے) اس روایت کو شیخ ابن قیمؒ نے نقل کیا۔ اور امام حاکم نے فرمایا کہ اسکی اسناد صحیح ہے۔

لِطَالِبِ العِلمِ میں لام رِضیً کے متعلق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لام اجلیہ ہے اور مطلب یہ ہے لِاَجلِ الرِّضَاءِ الوَاصِلِ مِنهَا اِلَیهِ۔ یعنی اس خوشنودی و محبت کی وجہ سے جو فرشتوں کی

جانب سے طالب علم کو پہونچتی ہے۔ یعنی فرشتے اپنے پر اسلئے بچھاتے ہیں کہ وہ طالب علم سے محبت کرتے ہیں۔ بعض نے اس صورت میں مطلب یہ بیان کیا ہے کہ:

لِاَجلِ اِرضَائِهَا لِطَالِبِ العِلمِ بِمَا یَصنَعُ مِن حِیَازَةِ الوِرَاثَةِ العُظمٰی وَسُلُوکِ السُّنَنِ الاَسنٰی۔

فرشتے طالب علم کو راضی کرنے کے لئے اپنے بازو بچھاتے ہیں۔ کیونکہ وہ بڑی میراث اور بلند طریقوں کو حاصل کرنے میں مصروف ہے۔

(۲۲۲) حدیث پاک کا مطلب واضح ہے کہ اگر علم دین حاصل کرنے میں اخلاص و رضائے خداوندی کا جذبہ نہیں تو تعلم، اللہ سے دوری اور اس کے عذاب کا سبب ہوگا۔ ابوداؤد شریف باب فی طلب العلم لغیر اللہ ۲/۱۵۹ اور مشکوٰۃ شریف ۳۴ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ:

مَن تَعَلَّمَ عِلمًا مِمَّا یُبتَغٰی بِهٖ وَجهُ اللّٰهِ لَا یَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِیُصِیبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنیَا لَم یَجِد عَرفَ الجَنَّةِ یَومَ القِیٰمَةِ اَی رِیحَهَا۔

جو ایسا علم حاصل کرے جو رضائے خداوندی کے لئے حاصل کیا جاتا ہے اور وہ (اسکو دنیا کے سروسامان کی خاطر حاصل کرتا ہے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پائیگا۔

یعنی علوم دینیہ کو دنیا کے لئے حاصل کرنا ایسا جرم ہے کہ جسپر حدیث مذکور میں جنت سے دور ہونے اور جہنم رسید ہوجانے کی وعید ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جو رضائے حق کے لئے علم حاصل کرے اور عرض دنیوی حاصل کرنے کی نیت بھی رکھتا ہو تو وہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن واضح رہے کہ رضائے خداوندی کی نیت تابع نہو، بلکہ عرض دنیوی کے حصول کی نیت تابع ہو۔ علماء نے فرمایا کہ جو شخص دنیا کو دنیوی علوم سے حاصل کرتا ہے اس کا معاملہ آسان ہے بہ نسبت اس کے جو دینی علوم سے دنیا حاصل کرے۔ کیونکہ جو دنیوی علوم سے دنیا حاصل کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی لہو و لعب کے آلہ سے کسی مُردار کو کھینچتا ہے۔ اور جو دینی علوم سے دنیا کماتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کوئی دینی کتابوں کے اوراق سے مُردار (چوہے وغیرہ) اٹھاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے ایک نٹ کو رسیوں پر کرتب دکھاتے ہوئے دیکھکر فرمایا کہ یہ ہمارے اصحاب سے بہتر ہے کہ دنیا کو دنیا کے ذریعہ کماتا ہے۔ اور ہمارے اصحاب تو دنیا دین کے بدلہ میں کھاتے ہیں۔ لیکن ایک شخص دنیا اسلئے حاصل کرتا ہے کہ وہ اعمال آخرت کیلئے فارغ ہوجائے۔ اور ایک شخص آخرت کے عمل کے بدلہ میں دنیا حاصل کرتا ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے اول محمود ہے اور دوسرا مذموم۔ ان دونوں میں بہت سے لوگ فرق نہیں کرتے۔ اور دونوں قسم کے لوگوں کو مذموم قرار دیدیتے ہیں۔ یہ ظلم ہے۔

(۲۲۳) مَعَادِنَ جمع مَعْدِن کی کان۔ اور یہاں مراد ہے مُسْتَقَرُّ الْاَخْلَاقِ۔ جس طرح کانوں کے اُوپر سے مٹی وغیرہ ہٹائی جائے تو سونے کی کان میں سونا، چاندی کی کان میں چاندی اور لوہے کی کان میں لوہا نکلتا ہے۔ اسی طرح فطری طور پر جو مکارمِ اخلاق اور جواہرِ انسانیت طبائع میں مرکوز و مدفون ہیں۔ جب اوپر سے بے ایمانی و کفر کی خاک کو ہٹا دیا جائیگا تو جواہر مرکوزہ برآمد ہونگے اور ایمان لانے سے پہلے جتنی شرافت و رفعت جس کی طبیعت میں تھی اِسلام کے بعد اسی کا ظہور ہوگا۔ لہٰذا جو اِسلام سے پہلے بہتر تھے وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہتر ثابت ہوں گے۔ بشرطیکہ دین کی صحیح سمجھ پیدا ہو جائے کہ اسکے بغیر جملہ کمالات کا ظہور نہیں ہوتا۔

(۲۲۴) خیرًا نکرہ ہے اور اس کی تنوین تکثیر کے لئے ہے۔ ای خیرًا کثیرًا۔ یُفَقِّهْهُ بتشدید القاف ای یجعله عالمًا۔ فِي الدِّيْنِ ای احکام الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دین تینوں چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ صرف احکامِ فقہیہ کا نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا:

انما الفقیهُ الزاهدُ فی الدنیا الراغبُ فی الآخرةِ البصیرُ بامرِ دینهٖ المداومُ علٰی عبادةِ ربّهٖ۔

وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ یعنی میں تو علم تقسیم کرتا ہوں۔ واللہ یعطی یعنی علم کی فہم اور اسکے معنیٰ میں تفکر اور اسکے مقتضا پر عمل اللہ کی دین ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں تو یکساں طور پر تقسیم کرتا ہوں لیکن علم لینے والوں کی فہم جتنی ہوتی ہے اسی کے اعتبار سے ان کو علم ملتا ہے۔ قال ابن حجرؒ ومِن ثَمَّ تفاوتت افهامُ الصحابةِ مع استواء تبلیغهٖ علیه الصلوٰة والسلام بل فاق بعض من جاء بعد الصحابة علیهم فی الفهم والاستنباط۔

بعض شراح نے اس ارشاد کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ تمہارے درمیان مال میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ مال عطا فرماتے ہیں۔ لہٰذا تم میں سے کسی کے دل میں ناراضگی نہ ہونی چاہیئے کہ فلاں کو زائد ملا اور فلاں کو کم ملا جس کو جو کچھ ملا وہ فضلِ خداوندی اور حکمِ خداوندی سے ملا۔

لیکن بظاہر اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے درمیان علم تقسیم کرتا ہوں۔ اور یہ علم حق تعالیٰ شانہٗ عطا فرماتے ہیں۔ اور حدیث کے الفاظ میں اتنی وسعت ہے کہ وہ تینوں مطالب کو شامل ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۲۲۵) الکلمة الحکمة موصوف صفت زیدٌ عدلٌ کے قبیل سے ہے۔ اور اس سے مُراد جملہ مفیدہ ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد فقہ فی الدین ہے۔ چنانچہ باری تعالےٰ نے

فرمایا یُؤتِی الحِکمَۃَ مَن یَّشَاءُ اور اس سے مراد بھی فقہ فی الدین ہے۔ بعض روایات میں کَلِمَۃُ الحِکمَۃِ اضافت کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور یہ اضافت الموصوف الی الصفۃ ہوگی۔ اور بعض میں الکلمۃُ الحَکِیمَۃُ بھی وارد ہوا ہے۔ اس صورت میں اِسنادِ مجازی ہوگا۔ اسلئے کہ حکیم کلمہ نہیں ہوتا بلکہ اس کا قائل ہوتا ہے۔ یا بمعنی الکلمۃ المحکمۃ یا بمعنی الکلمۃ الحاکمۃ ہوگا۔ ضَالَّۃُ الحکیم جملہ مفیدہ اور کام کی بات۔ حکیم (صاحبِ حکمت) کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں ملجائے فوراً لے لیتا ہے۔ اور جس طرح کسی کو اپنی گمشدہ چیز کو کسی سے بھی لے لینے میں تامل نہیں ہوتا۔ اور عار لاحق نہیں ہوتی۔ اسی طرح حکمت کی بات جہاں بھی ملجائے حکیم کو اس سے لینے میں تامل اور عار نہونی چاہیئے۔ ضَالَّۃُ الحکیم اور ضالۃ المؤمن دونوں الفاظ روایات میں وارد ہیں۔ اور مطلب دونوں کا قریب ہی قریب ہے۔ کیونکہ مؤمن کامل حکیم ہوتا ہے اور حکیم مؤمنِ کامل ہوتا ہے۔

فھو احقّ بھا ای بقبولھا وبالعمل بھا واتباعِھا۔ یا مطلب یہ ہے کہ بعض مرتبہ کلمۂ حکمت نااہل کی زبان سے نکل جاتا ہے پھر اہل کے پاس پہونچتا ہے تو وہ اہل اس نااہل سے اس کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔

یا مطلب یہ ہے کہ اسرار و رموز کے سمجھنے میں عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ جو قاصر العقل ہیں وہ کلمۂ حکمت اہلِ فہم کے حوالہ کردیں۔ جیساکہ گمشدہ چیز مالک کے حوالہ کردی جاتی ہے۔

یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کتمانِ علم سے ممانعت مقصود ہو کہ اگر تمہارے پاس کوئی کلمۂ حکمت ہے اور صاحبِ فہم اور اہل اسکو حاصل کرنا چاہتا ہے تو تم اس سے اس کلمۂ حکمت کو نہ چھپاؤ کہ وہی اسکا زیادہ مستحق ہے۔ اسی لئے ارشاد ہے مَن سُئِلَ عَن عِلمٍ عَلِمَہٗ ثُمَّ کَتَمَہٗ اُلجِمَ یَومَ القِیٰمَۃِ بِلِجَامٍ مِّن نَّارٍ۔ (مشکوٰۃ ص۳۴)

(۲۲۶) تَدَارُسُ العِلمِ میں پڑھنا پڑھانا اور تکرار و مذاکرہ وغیرہ سب داخل ہیں۔ منشاءِ حدیث کا یہ ہے کہ رات میں تھوڑی دیر علم کی مشغولیت ساری رات کی عبادت سے بہت بہتر ہے۔

(۲۲۷) مُرسَلًا کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند میں صحابی کا واسطہ ترک کردیا گیا ہے اِمّا للنسیانہ اولِکثرۃ من یرویہ من الصحابۃ۔

وھو یطلب العلم میں تحصیلِ علم اور اس کی اِشاعت و دعوت جیسے سب اُمور آگئے جو علم کی مشغولیت کو چاہتے ہیں۔ لیحیی بہ الاسلام سے مراد اِخلاص اور اِسلام کی اشاعت اور اس کے احکام کی ترویج ہے یعنی حبِ مال وحبِ جاہ یا غرضِ فاسد کا دخل طلب و مشغولیتِ علم میں نہیں ہے۔ تو ایسی حالت میں اگر کسی خوش نصیب کو موت آگئی تو اسکے اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان جنت میں ایک درجہ کا فاصلہ رہیگا۔ کیونکہ علماءِ مخلصین و عاملین کے پاس

سوائے وحی ونبوت کے سب کچھ ہے۔ تو جنت میں درجات بھی درجۂ نبوت کے علاوہ سارے ہی ملجائینگے۔

(۲۲۸) النّهم نَهم محرکة کفَرَح معناه إفراط الشهوة فی الطعام۔ مطلب ظاہر ہے کہ دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ ایک علم کا حریص علم کی تلاش وجستجو میں بڑھتا ہی رہتا ہے لقوله تعالیٰ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ ولیس لهٗ نهایة إذ فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ دوسرا دنیا کا حریص مال وجاہ کی طلب میں مریضِ استسقار کے مثل مال وجاہ کا پیاسا ہی رہتا ہے۔ اس سے زیادہ وضاحت عون کی روایت میں ہے وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ دو حریص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ ایک صاحبِ علم دوسرا صاحبِ دنیا۔ اور دونوں برابر نہیں ہیں۔ (بلکہ اول محمود اور ثانی مذموم ہے۔ اِسی طرح انجام دونوں کا یکساں نہیں ہے) صاحبِ علم تو رحمٰن کی خوشنودی ورضاجوئی میں ترقی کرتا رہتا ہے۔ اور دنیادار سرکشی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ نے بطورِ استشہاد واستدلال دو آیتیں پڑھیں۔ اولاً ثانی الذکر کی مذمت میں كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝ اور ثانیاً اول الذکر کی مدح میں إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (یعنی یہ استدلال لف ونشر غیر مرتب طریقہ پر ہے)۔ (مشکوٰۃ ص۳۷)۔

(۲۲۹) ابن عونؒ کا ارشاد ہے کہ میں اپنے لئے اور اپنے مسلمان بھائیوں یا دوستوں کے لئے تین چیزیں پسند کرتا ہوں۔ (۱) سنت کے سیکھنے اور اس کی تحقیق وتفتیش کرنے کو۔ یعنی احادیث نبویہ کے تعلّم وتحقیق کو پسند کرتا ہوں۔ (۲) قرآنِ مقدس کو سمجھنے اور ماہر علماء سے قرآنی مطالب ومقاصد اور غوامض وحقائق اور اَسرار ورُموز کے معلوم کرنے کو (۳) اور اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ لوگوں کو کوئی شر اور بُرائی نہ پہونچائی جائے۔ بلکہ ان کی خیرخواہی کی جائے۔ اور خیر پہونچائی جائے۔

حضرتِ حسن بصریؒ

نامِ مبارک حسنؒ، کنیت ابوسعید، ابومحمد اور ابوالنضر تھی۔ آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ علی، محمد اور سعید۔ اسی بنا پر آپ کی تین کنیتیں مشہور ہیں۔ لیکن ابوالنضر کنیت کی وجہ معلوم نہ ہوسکی۔ آپ کے والد کا نام یسار تھا جو حضرت زید بن ثابت کے مولیٰ تھے۔ والدہ کا نام خیرہ تھا جو حضرتِ ام سلمہ کی باندی تھیں۔ آپکے والد ۱۲ھ میں صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرتِ حسنؒ کی ولادت دورِ فاروقی میں حضرت عمرؓ کے وصال سے دو سال پہلے مدینہ منورہ میں ہوئی۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب یہ پیدا ہوئے۔ تو حضرت عمرؓ کی خدمت میں لائے گئے آپنے اپنے دستِ مبارک سے ان کے منہ میں کھجور کا لعاب ٹپکایا۔ اور فرمایا سموه حسنًا فانه حسن الوجه (اس بچہ کا نام حسن رکھدو کیونکہ یہ خوبصورت ہے) آپ کی تربیت ونگہداشت میں حضرتِ ام سلمہ کا بڑا حصّہ ہے۔

ولی الدین تبریزیؒ فرماتے ہیں کہ ان کی والدہ حضرتِ ام سلمہؓ کی خدمت کرتی تھیں، بسا اوقات

جب وہ موجود نہ ہوتیں تو حضرت ام سلمہؓ ان کو بہلانے کے لیے اپنی چھاتی ان کے منہ میں دیدیتیں یہاں تک کہ ان کی والدہ آجاتیں، اور ان کو دودھ پلاتیں۔ علماء نے فرمایا کہ حضرت حسنؒ کو جو حکمت کا بلند مقام ملا ہے وہ اسی کی برکت ہے۔

حضرت ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر چودہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے اسکے بعد حضرت حسن کوفہ اور بصرہ کی طرف چلے گئے۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد بصرہ پہونچے۔ اور حضرت عثمانؓ کو انہوں نے دیکھا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی۔ لیکن حضرت علیؓ جب بصرہ پہونچے تو اسوقت یہ بصرہ میں نہ تھے۔ آپ ان تمام صفات سے متصف تھے جو ایک عالم حقانی و ولی کامل کے لئے ضروری ہیں۔ اس زمانہ میں علم و عمل میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہا ہے۔ حجاج بن ارطاۃ فرماتے ہیں کہ میں نے عطاء بن ابی رباحؒ سے حضرت حسنؒ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ان کو مضبوطی سے پکڑ لو وہ بڑے امام ہیں۔ انکی پیروی کیجاتی ہے۔ حماد بن سلمہؒ، یونس بن عبیدؒ اور حمید طویلؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے فقہاء بہت دیکھے ہیں۔ لیکن حسن بصریؒ جیسا مروت والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حسن بصریؒ ہمیشہ حکمت جمع کرتے رہے، پھر اس کو کہنا شروع کیا، امام باقرؒ فرمایا کرتے تھے کہ حسن بصریؒ کا کلام انبیاءؑ کے کلام کے مشابہ ہوتا ہے۔ آپ ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔ ایک مرتبہ رات کو ستر مرتبہ سے زیادہ بیدار ہوئے۔ اور ہر مرتبہ وضو فرماکر دو رکعت نماز پڑھی۔ حضرت حسن زہد و تقویٰ میں بے مثال تھے فرماتے تھے کہ تقویٰ و پرہیزگاری دین کی بنیاد ہے۔ لالچ اور حرص اس بنیاد کو ختم کردیتے ہیں۔ سنت نبوی کے ساتھ والہانہ اور عاشقانہ شغف رکھتے تھے۔ دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔ آپ میں خوف و خشیت حد درجہ موجود تھی۔ بسا اوقات فرماتے کہ میں اس خوف سے روتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسا قصور سرزد نہ ہوگیا ہو جس کی وجہ سے حق تعالیٰ فرمادیں کہ اے حسن ہماری درگاہ میں تمہارا کچھ مرتبہ نہیں رہا، اور ہم تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ کسی جنازہ کے ہمراہ قبرستان تشریف لے گئے۔ تدفین کے بعد اس کے سرہانے بیٹھکر خوب روئے پھر فرمایا: اے لوگو خبردار ہوجاؤ۔ دنیا کی انتہاء اور آخرت کی ابتداء یہی قبر ہے۔ حدیث میں ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ لہٰذا ایسی دنیا سے کیوں محبت رکھتے ہو جس کا انجام یہ قبر ہے۔ اور اس قیامت سے کیوں نہیں ڈرتے ہو جس کی ابتداء یہ قبر ہے۔ آپ کی یہ نصیحت کچھ ایسے درد بھرے الفاظ میں تھی کہ سارا ہی مجمع رونے لگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی مرجاتا ہے اور اسکے اہل خانہ اسپر روتے ہیں تو ملک الموت اس مکان

کے دروازے پر کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روزی نہیں کھائی۔ یہ اپنی روزی ختم کر چکا تھا، میں نے اس کی عمر کم نہیں کی۔ مجھے تو اس گھر میں پھر آنا ہے۔ اور بار بار آنا ہے۔ جبتک سب ختم نہ ہو جائیں پھر فرمایا خدا کی قسم اگر گھر والے اسوقت اس فرشتے کو دیکھ لیں اور اس کی بات سن لیں تو مُردہ کو بھول کر اپنی فکر میں پڑجائیں۔

ارشادات

(۱) کسی نے پوچھا حسؔن تم بہتر ہو یا کُتا۔ فرمایا کتا۔ بسا اوقات کسی کُتّے کو دیکھکر فرماتے اے اللہ مجھے اُس کتے کے صدقہ میں قبول فرمالے۔

(۲) آدمی کا تہجد کسی گناہ کے سبب سے چھوٹتا ہے۔ اسلئے شروع رات میں اپنا محاسبہ کیا کرو۔ اور دن میں اگر کوئی گناہ ہوجائے تو توبہ کرلیا کرو، تاکہ تہجد نصیب ہو۔

(۳) تہجد اسیر گراں ہوتا ہے جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔

(۴) آپ کو حق تعالیٰ نے وعظ کرنیکا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا، ہفتہ میں ایکبار وعظ ہوتا تھا۔ عوام کی بڑی تعداد کے علاوہ اس زمانہ کے صُلحاء واتقیاء بکثرت شریک ہوتے۔ لیکن آپ کی عادت تھی کہ جبتک آپ کے وعظ میں رابعہ بصریہ شریک نہ ہوتیں وعظ نہ فرماتے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جو شربت ہاتھیوں کے برتن میں آتا ہو اس کو چیونٹی کے برتن میں کیسے بھرا جاسکتا ہے۔

(۵) حضرت علیؓ بصرہ تشریف لائے تو آپ کی محفل میں پہونچے اور دریافت کیا، حسؔن تم عالم ہو یا طالب علم فرمایا کچھ بھی نہیں ہوں۔ ہاں مجھے جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچا ہے لوگوں کو بتا دیتا ہوں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ جوان وعظ کہنے کے لائق ہے، یہ فرماکر وہاں سے چلے گئے۔ اور سب واعظوں کو وعظ کہنے کی ممانعت کردی۔

(۶) تواضع کی شرط یہ ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو جسکو بھی دیکھے اپنے سے اَفضل سمجھے۔

(۷) لالچ عالم کو عیب دار بنادیتا ہے۔ قسم کھاکر فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی روپئے پیسے کو عزیز سمجھتا ہے اس کو اللہ ذلیل کردیتا ہے۔

(۸) دنیا تیری سواری ہے۔ اگر اسپر سوار ہوگا تو وہ تجھ کو منزل تک پہونچا دیگی۔ لیکن اگر وہ تجھ پر سوار ہوگئی تو وہ تجھ کو ہلاک وبرباد کردیگی۔

(۹) جو کسی سے اللہ کے لئے محبت کا دعویٰ کرے، اور پھر اس سے گناہوں کی وجہ سے نفرت نہ کرے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔

کتبِ تواریخ میں آپ کے بہت سے واقعات وارشادات موجود ہیں جن میں سے موضوع کے مناسب چند مختصراً ذکر کئے گئے۔

وفات ہشام بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں باختلافِ روایات ۵؍ محرم یا یکم رجب سنہ ۱۱۰ھ

نواسی ۸۹ سال کی عمر میں وفات ہوئی، اور بصرہ میں تدفین ہوئی۔ انتقال کے وقت ایک عجیب قصہ یہ پیش آیا کہ آپ نے ہنسکر فرمایا کون کون گناہ ؟ اس کے بعد انتقال فرماگئے۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا اور انتقال کیوقت ہنسنے کیوجہ اور اس جملہ کا مطلب پوچھا۔ فرمایا نزع کے وقت میں نے سُنا تھا کہ کوئی کہہ رہا ہے اے ملک الموت ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرو کیونکہ ان کا ایک گناہ باقی ہے۔ اسپر مجھے خوشی ہوئی تھی، تو میں نے ہنسکر دریافت کیا تھا کون کون گناہ ؟

(از مشائخ چشت وغیرہ)

ابنِ عونؒ ابن عون ھو عبد اللہ البصری من صغار التابعین ولم اطلع علی ترجمتہ تفصیلاً وما عندی کتب اسماء الرجال لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرًا۔ واللہ اعلم۔ نسیم احمد غازی مظاہری

مِنْهَا التَّعَاوُنُ بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

"ابواب بر میں نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرنا بھی ہے۔"

(۲۳۰) قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (مائدہ آیت ۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور تم نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو۔ اور گناہ و زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

(۲۳۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخُوْنُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ عِرْضُهٗ وَمَالُهٗ وَدَمُهٗ۔ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا بِحَسْبِ امْرِءٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْتَقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔ (ترمذی ص۱۵ ج۲، مشکوٰۃ ص۴۲۲)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس سے خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور اسکی مدد چھوڑتا ہے ایک مسلمان پورے کا پورا دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اسکی آبرو اور اسکا مال اور اسکی جان (سب چیزیں حرام ہیں) تقویٰ یہاں (دل میں) ہے۔ آدمی کے بُرا ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

(۲۳۲) عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرتِ ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا (ترمذی ص۱۵ ج۲ مشکوۃ ص۴۲۲)
کہ ایک مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی مثل ہے۔ کہ اسکا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط رکھتا ہے۔

(۲۳۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے
اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِیْهِ فَاِنْ رَّاٰی بِهٖ اَذًی فَلْیُمِطْ۔ (ترمذی ص۱۵ ج۲ مشکوۃ ص۴۲۲)
ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے تو اگر وہ اسپر کوئی گندگی دیکھے تو دور کردے۔

(۲۳۴) وَعَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ اَخُو
اور انہیں سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن مؤمن کا بھائی ہے۔
الْمُؤْمِنِ یَكُفُّ عَلَیْهِ ضَیْعَتَهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَآئِهٖ۔ (ابوداؤد ص۳۲۵ ج۲ مشکوۃ ص۴۲۲)
اس سے ضرر کو دفع کرتا ہے اور اسکے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

(۲۳۵) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم
تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ
ایمان والوں کو آپس میں رحم کرنے اور پیار کرنے اور مہربانی کرنے میں ایک جسم کی طرح دیکھوگے
اِذَا اشْتَكٰی عُضْوًا تَدَاعٰی لَهٗ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰی۔
کہ جب اس کا کوئی حصہ بیمار ہوجاتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضاء ایک دوسرے کو بیداری اور بخار کی دعوت دیتے ہیں۔ (بخاری ص۸۸۹ ج۲ مشکوۃ ص۴۲۲)

(۲۳۶) عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ
حضرت علیؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مسلمان کے
عَلَی الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوْفِ یُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِذَا لَقِیَهٗ وَیُجِیْبُهٗ اِذَا
دوسرے مسلمان پر چھ جانے پہچانے حقوق ہیں۔ اس کو سلام کرے جب اس سے ملاقات کرے اور
دَعَاهُ وَیُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَیَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَیَتْبَعُ جَنَازَتَهٗ
اسکی دعوت قبول کرے جب کہ وہ اسکو دعوت دے۔ اور یرحمک اللہ کہے جب وہ چھینکے اور مزاج پرسی کیلئے جائے
اِذَا مَاتَ وَیُحِبُّ لَهٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (ترمذی ص۹۸ ج۲ مشکوۃ ص۳۹۸)
جب وہ بیمار ہو۔ اور اسکے جنازہ کے پیچھے چلے جب وہ مرجائے۔ اور اس کیلئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

لغات	العُدْوَان مص (ن) چھوڑ دینا، تجاوز کرنا، حملہ کرنا، ظلم کرنا (س) بغض رکھنا۔ یخذل

(ن) مدچھوڑنا۔ حَسْبٌ مع کافی ہونا۔ کہا جاتا ہے حَسْبُكَ دِرْهَمٌ اور بار کی زیادتی کے ساتھ بِحَسْبِكَ دِرْهَمٌ جیسا کہ یہاں ہے قال بعض المحققین یستوی فیہ الواحد والتثنیة و الجمع وللذکر والمؤنث لانہ مصدر قال النحاۃ اذا کان مابعدہ معرفۃ فرفعہ علی الخبریۃ والاضافۃ لفظیۃ او علی الابتداء وان کان نکرۃ فرفعہ علی الابتداء فقط والاضافۃ معنویۃ فافہم۔ (ن) شمار کرنا (ك) شریف ہونا۔ (س ح) گمان کرنا۔ البنیان مع (ض) عمارت بنانا، تعمیر کرنا۔ اور عمارت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ یَشُدُّ (ن ض) دوڑنا۔ بلند ہونا، قوی کرنا، مضبوط کرنا، باندھنا، کسنا وغیرہ۔ السّھر (س) جاگنا۔ الحُمّی بخار ج حُمَّیَاتٌ (س) گرم ہونا، غضبناک ہونا۔

ترکیب عن حنہ دمالہ ودمہ معطوفات کل المسلم علی المسلم کا بیان اور بدل ہے۔ بحسب با زائدہ امرء مضاف الیہ اور من الشر متعلق۔ مبتدا ان یحتقر الخ جملہ خبر۔ المؤمن للمؤمن مبتدا کالبنیان کائن کے متعلق ہوکر خبر۔ یَشُدُّ اپنے فاعل ومفعول سے مل کر جملہ حال یا صفت یا جملہ مستانفہ ہے۔ اذا اشتکی عضوًا۔ عضوًا اشتکی کی ضمیر سے تمیز ہے۔ جملہ شرط تداعی الخ پورا جملہ جزا۔

تشریح (۲۳۰) یہ سورۂ مائدہ کی دوسری آیت کا آخری جملہ ہے۔ اِس میں قرآنِ حکیم نے ایک ایسے اصولی اور بنیادی مسئلہ کے متعلق حکیمانہ فیصلہ دیا ہے۔ جو پورے نظامِ عالم کی روح ہے۔ جس پر انسان کی ہر صلاح وفلاح بلکہ اس کی بقا موقوف ہے، وہ مسئلہ ہے باہمی تعاون وتناصر کا۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ نظامِ عالم اسی باہمی تعاون وتناصر پر قائم ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ وحکمتِ بالغہ سے اس جہان کا ایسا محکم نظام بنایا ہے۔ کہ ہر انسان کو دوسروں کا محتاج بنادیا ہے۔ اگر یہ ہمہ گیر احتیاج نہ ہوتی اور تعاون، اخلاقی برتری پر رہ جاتا تو اس کا وہی حشر ہوتا جو عام اخلاقی قدروں کا ہے۔ اور اگر قانونِ حکومت پر اسکا مدار ہوتا تو گورنمنٹوں کے قوانین کا حال بھی سب کو معلوم ہے۔ اُس قادرِ مطلق نے اُس نظام کو خود ہی چلایا ہے کہ مختلف لوگوں کے دِلوں میں مختلف کاموں کی اُمنگیں اور صلاحیتیں پیدا کرکے ان کاموں پر لگادیا ہے

ہر کسے را بہر کارے ساختند ۔ میلِ اورا در دلش انداختند

اگر یہ نظام نہ ہوتا تو ایک کروڑ پتی انسان اپنی پوری دولت لُٹا کر بھی گندم کا ایک دانہ

حاصل نہ کر سکتا۔ اسی قدرتی نظام کا نتیجہ ہے کہ آپ ایک ہوٹل میں بیٹھکر تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آٹا امریکہ کا، گھی پنجاب کا، گوشت سندھ کا، مسالے ہند کے، برتن مرادآباد کے اور فرنیچر اور کسی شہر یا ملک کا، بیرے کہیں کے اور باورچی کہیں کے آپ کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک لقمہ جو آپ کے منہ تک پہونچا ہے اس میں لاکھوں مشینوں، جانوروں اور انسانوں نے کام کیا ہے تب وہ آپ کے ذائقہ کو سنوار سکا ہے۔ ہر مقام پر ہر لائن میں آپ کو قدرتی نظام کا یہی کرشمہ نظر آئیگا۔ کہ ساری دنیا کا نظام باہمی تعاون پر قائم ہے۔

لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے کہ اگر جرائم، چوری، ڈکیتی وغیرہ پر یہ باہمی تعاون ہونے لگے۔ اور چوروں، ڈاکوؤں، مجرموں کی بڑی بڑی منظم قومی جماعتیں بن جائیں تو یہی تعاون وتناصر اس عالم کے سارے نظام کو درہم برہم بھی کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ باہمی تعاون ایک دو دھاری تلوار ہے، جو اپنے اوپر بھی چل سکتی ہے اور نظام عالم کو برباد بھی کر سکتی ہے۔ اور یہ عالم چونکہ خیر وشر اور نیک وبد سے مرکب ہے اسلئے اس میں ایسا ہونا کچھ بعید نہ تھا۔ بلکہ یہ واقعہ بنکر دنیا کے سامنے آگیا تو اسکے ردّعمل کے طور پر دنیا کے عقلاء نے مختلف نظریوں پر خاص خاص جماعتوں اور قوموں کی بنیاد ڈالی کہ ایک جماعت یا قوم کے مقابلہ میں جب دوسری قوم یا جماعت حملہ آور ہو تو اسکا مقابلہ کیا جائے۔ اور باہمی تعاون کی طاقت کو استعمال کرکے مدافعت کر سکیں۔

قومیتوں کی تقسیم

عبدالکریم شہرستانی کی کتاب "الملل والنحل" میں ہے کہ شروع میں جب تک دنیا میں انسانی آبادی زیادہ نہ تھی تو چار سمتوں کے اعتبار سے دنیا میں چار قومیں بن گئیں۔ مشرقی، مغربی، شمالی، جنوبی۔ ان میں سے ہر ایک سمت کے لوگ اپنے آپ کو ایک قوم، اور دوسروں کو دوسری قوم سمجھتے تھے۔ اور اسی بنیاد پر انہوں نے باہمی تعاون قائم کرلیا تھا۔ اسکے بعد جب آبادی زیادہ پھیل گئی تو ہر سمت کے لوگوں میں نسبی اور خاندانی بنیادوں پر قومیت اور اجتماعیت کا تصور ایک اصول بن گیا۔ عرب کا سارا نظام اسی نسبی اور قبائلی بنیاد پر قائم تھا۔ اسی پر جنگیں لڑی جاتی تھیں۔ ہندوستان کے ہندوؤں میں تو آجتک اونچی ذات اور نیچی ذات کی تفریق چل رہی ہے۔ یورپین اقوام کے دور جدید نے نہ اپنا کوئی نسب باقی رکھا، نہ دنیا کے انساب کو کچھ اہمیت دی۔ جب دنیا میں انکا عروج ہوا تو نسبی اور قبائلی قومیتیں اور تقسیمیں ختم کرکے انہوں نے علاقائی، صوبائی وطنی اور لسانی بنیادوں پر انسانیت کے ٹکڑے کر دیئے۔ اور آج ان کا یہی سکہ تقریباً ساری دنیا میں چل رہا ہے۔ ان کے اس جادو سے مسلمان بھی متأثر ہوئے۔ عربی، ترکی عراقی، سندھی اور ہندی تقسیمیں ہی نہیں بلکہ تقسیم در تقسیم ہوکر شامی، حجازی، نجدی

پنجابی، بنگالی، سندھی، ہندی وغیرہ کی الگ الگ قومیں بن گئیں۔ حکومتوں کو انہیں بنیادوں پر چلایا گیا یہاں تک کہ صوبائی و علاقائی عصبیت ان کے رگ و پے میں سرایت کرگئی۔ اور باہمی تعاون وتناصر انہیں خود ساختہ بنیادوں پر قائم ہوکر رہ گیا۔ اسلام نے ان خود ساختہ تقسیموں کو جو درحقیقت ظلم وستم کی بنیادیں ہیں مٹا یا۔ قرآن کریم میں سورۂ نساء کی ابتداء میں واضح کردیا کہ سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد اور ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں اعلان فرمادیا کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا مدار تقویٰ اور اطاعت خداوندی پر ہے۔ قرآن پاک نے سورۂ حجرات میں اعلان فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ برادری اور قومیت اس بنیاد پر قائم ہے کہ اللہ اور اسکے رسول کے ماننے والے ایک قوم اور نہ ماننے والے دوسری قوم ہیں۔ اسی بنیاد نے ابوجہل وابولہب کے خاندانی رشتوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے توڑ دیا۔ اور بلال حبشی وصہیب رومی وسلمان فارسی رضی اللہ عنہم وغیرہم کا رشتہ آپ سے جوڑ دیا تھا۔

قرآن پاک نے اعلان فرمایا کہ:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو پیدا فرمایا پھر تم دو حصوں میں بٹ گئے کچھ کافر ہوگئے اور کچھ مومن۔

تمام غزوات اور اسلامی جنگوں میں اسی قرآنی تقسیم کا عملی مظاہرہ ہوا تھا ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ٭ فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

اب سمجھئے کہ آیت مذکورہ میں تعاون وتناصر کا یہی معقول وصحیح اصول بتایا گیا ہے کہ:

"نیکی وخداترسی پر تعاون کرو اور گناہ وظلم پر تعاون نہ کرو"

قرآن کریم نے یہ عنوان اختیار نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرو، غیروں کیساتھ نہ کرو۔ بلکہ مسلمان کے ساتھ تعاون کی اصل بنیاد کو ذکر فرمایا جو برّ و تقویٰ ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان بھی اگر اس اصل سے ہٹتا اور ظلم وجور پر آتا ہے تو اس کی مدد بھی نہ کرو۔ بلکہ اسکو ظلم سے روکنے کی کوشش کرو۔

بخاری ومسلم میں حدیث ہے اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو کہ مظلوم ہو۔ صحابۂ کرامؓ نے جو قرآنی تعلیم میں رنگے جاچکے تھے۔ پوچھا یارسول اللہ مظلوم کی مدد تو ہم کریں گے مگر ظالم کی مدد کا مطلب کیا ہے؟ فرمایا اس کو ظلم سے روکدو اسکی یہی مدد ہے۔

تعاون وتناصر کا معیار اور اسکا ہر فرد ذمہ دار

قرآن کریم نے برّ وتقویٰ کو تعاون

وتناصر کا۔ اور اسکے بالمقابل اثم وعدوان کو عدمِ تعاون کا معیار قرار دیا ہے۔ جمہور مفسرین نے بر کے معنی فعل الخیرات اور تقویٰ کے معنی ترک المنکرات بتائے ہیں۔ اور اثم کا مطلب گناہ و معصیت خواہ وہ... حقوق سے متعلق ہو یا عبادات سے۔ اور عدوان کا مطلب ظلم وستم قرار دیا ہے۔ قرآنی آیات وحدیثی روایات میں اسی مذکورہ تعاون وعدمِ تعاون کی تاکیدات وترغیبات بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ پھر اس تعاون وتناصر کے قیام کا ذمہ دار صرف حکومت کو قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ ہر فردِ ملت کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ اور امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو مکلف بنایا گیا ہے۔ کہ وہ انصاف، ہمدردی، خوش خلقی کا داعی بن کر کھڑا ہو، اور جرائم وظلم وجور کا انسداد کرے۔ اور آج کے دور میں تو اس اصول کی بغاوت اربابِ اقتدار اور عوام دونوں ہی کر رہے ہیں۔ اور ساری دنیا اس بغاوت کے نتائج بھگت رہی ہے۔ غیروں کا تو شکوہ ہی کیا قرآن پر ایمان رکھنے والے عوام وخواص ایسے زریں اصولوں کو اتنا بھلا چکے ہیں کہ اگر کوئی بندۂ خدا ان اصولوں کا نام بھی لیتا ہے یا ان کی طرف توجہ دلاتا ہے تو وہ احمق ومفسد وغیرہ جیسے خطابات سے نوازا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس!

(۲۳۱) ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور اس بھائی چارہ کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بھائی پر کسی قسم کا ظلم اور زیادتی نہ کرے۔ نہ اس کی امانت میں خیانت کرے، اور اس سے جھوٹ نہ بولے۔ اگر لَایَکْذِبُہٗ مجرد (ض) سے ہے۔ اور اگر باب تفعیل سے لَایُکَذِّبُہٗ ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ بلاوجہ اس کو نہ جھٹلائے یعنی وہ کوئی بات اگر کہے تو اس کو جھوٹا نہ بتائے۔ ہاں اگر کوئی شرعی وجہ ہے تو اور بات ہے۔ اور ضرورت کے موقع پر اس کی نصرت واعانت سے دریغ نہ کرے۔ مشکوٰۃ میں لایظلمہ ولایخذلہ ولایحقرہ التقوٰی ھٰھنا ویشیر الی صدرہ ثلاث مرار ہے۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس پر زیادتی نہ کرے، اور اس کی اعانت سے دریغ نہ کرے۔ اور اس کو ذلیل نہ سمجھے یا ذلیل نہ کرے، تقویٰ اس جگہ ہے۔ اور آپ اپنے سینۂ مبارک کی طرف تین بار اشارہ فرما رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو حقیر سمجھ رہا ہے یا ذلیل کر رہا ہے ممکن ہے کہ وہ اس سے زیادہ مخلص ہو۔ اور اسکا قلب اس سے زائد پاکیزہ ہو اور وہ تقویٰ میں اس سے بڑھا ہوا ہو تو اس کو حقیر سمجھنے والا خود اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے۔ کیونکہ تقویٰ کا مقام قلب ہے جو نگاہوں سے مخفی ہے۔ اور صاحبِ ایمان کو کم ازکم تقویٰ کا ادنیٰ درجہ ضرور حاصل ہوتا ہے۔ کہ وہ کفر وشرک سے بچتا ہے۔ اور متقی اللہ کے نزدیک صاحب وقار وصاحب مقام ہوتا ہے۔ اس کی تحقیر وتذلیل اللہ کے غضب و قہر کا سبب ہے۔ اسی لئے کسی کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان پر غیر متقی ہونے کا حکم لگا دے اور

اس کی تذلیل کرے۔ اِلَّا اَنْ یَّظْهَرَ الْفِسْقَ فَلَا یَسْتَحِقُّ الْاِکْرَامَ۔

یہ بھی احتمال ہے کہ التقوٰی ھٰھنا الخ کا مطلب یہ ہو کہ تقوٰی کا مقام قلب ہے۔ تو جسکے قلب میں تقوٰی ہو گا وہ کسی مسلمان کی تحقیر نہ کریگا۔ کیونکہ متقی کسی مسلمان کی تحقیر نہیں کرتا۔ علامہ طیبیؒ نے اسکے یہی معنی پسند کیئے ہیں۔ اور حدیث کے الفاظ کے بھی یہی معنی زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے المسلم اخو المسلم فرما کر مساوات اور برابری پر تنبیہ فرمائی ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے کسی مسلمان سے بہتر اور اچھا سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ کیونکہ اس سے مساوات ختم ہو جاتی ہے، اور اخوت کا وصلہ ٹوٹ جاتا ہے جس کو جوڑنے کا حق تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی رعایت رکھنا بہت دشوار کام ہے۔ کیونکہ بادشاہ اور عوام کے درمیان اور غنی وفقیر، قوی وضعیف اور کبیر وصغیر کے درمیان برابری صرف وہی کر سکتا ہے جس کے قلب کو حق تعالیٰ نے تقوٰی کے لئے منتخب فرما لیا ہو، اور اس کو کبر و نخوت، بغض وکینہ وغیرہ سے بچا لیا ہو۔ اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے التقوٰی ھٰھنا فرما کر تین بار اپنے قلب اطہر کی جانب اشارہ فرمایا۔ اور اسی مسئلہ کو دوسرے الفاظ میں مکرر فرمایا کہ آدمی کے بُرا ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔ آگے فرمایا کہ کل المسلم علی المسلم حرام الخ یہی جملہ مقصودِ اصلی ہے۔ اور اس سے پہلے جو کچھ بیان ہوا وہ بمنزلہ تمہید تھا کہ مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ یعنی اس کی آبرو، اسکا مال اور اسکا خون سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

اور چونکہ رعایت اخوت کا مدار تقوٰی پر ہے اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب اقدس کی طرف اشارہ فرما کر تین بار ارشاد فرمایا کہ تقوٰی اس جگہ ہے، یعنی تقوٰی کا محل قلب ہے جسکی درستگی پر انسانی کائنات کا سدھار موقوف ہے۔ قلب ٹھیک ہے تو سارا جسم ٹھیک ہے۔ اور قلب خراب ہے تو سارا جسم خراب ہے۔ راوی نے اَشَارَ ماضی کے بجائے یُشِیْرُ مضارع کا صیغہ ذکر کیا۔ تاکہ سامع کے سامنے اُس حالتِ اشارہ کا استحضار ہو جائے۔ پھر اس سے اہتمامِ شان بھی زائد محسوس ہوتا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم اور اس فصلِ خطاب کا مظہر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

فوائد (۱) التقوٰی ھٰھنا یعنی عارفین نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت تقوٰی میرے سینہ میں ہے اور اس کی فروع تمام مخلوق کے قلوب میں ہیں۔ مرکزِ تقوٰی آپؐ کی ذاتِ گرامی ہے۔ کما قال اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْوَفُکُمْ مِنْهُ۔ اِس ارشاد سے معلوم ہوا کہ

تقویٰ بقدرِ معرفت ہوگا۔ اور کونین میں آپ سے بڑا عارف کوئی نہیں تو آپ سے بڑھکر متقی بھی کوئی نہیں فلذا قیل لکل شئ معدن ومعدن التقوٰی قلوبُ العارفین۔

(۲) المراد بالعرض فی الحدیث ما یجب او یستحب حمایتہ لا العصبیۃ والحمیۃ الجاھلیۃ التی اعتادھا کثیر من الناس فیصرفون المال لطلب الجاہ والمنزلۃ فی قلوب الخلق اذ ھو من الھوی المتبع المھلک لکثیر من الناس۔

(۳) دوسروں کا احترام دل میں پیدا ہونے کی ترکیب یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے آپ سے بہتر اور افضل خیال کرے۔ اپنے سے چھوٹا ہے تو یہ خیال کرے کہ اس نے مجھ سے کم گناہ کیئے ہیں۔ کہ اس کی عمر کم ہے۔ اسلئے یہ مجھ سے بہتر ہے۔ اور بڑا ہے تو یہ خیال کرے کہ اس کی عبادت اور نیکیاں مجھ سے زائد ہیں اسلئے یہ مجھ سے افضل ہے۔ اور عالم کو وصفِ علم کی بنا پر اپنے سے بڑھ کر سمجھے۔ اور جاہل کو اسلئے بہتر سمجھے کہ اس نے جو گناہ کیئے وہ جہالت سے کیئے اور میں عالم ہوں، علم کے باوجود مجھ سے نافرمانیاں ہوئیں جو سخت ہیں۔ اسی بنا پر حدیث میں ہے ویل للجاھل مرۃً وویل للعالم سَبْعَ مَرّاتٍ۔ اور کافر کو اسلئے اپنے سے بہتر جانے کہ حسنِ خاتمہ کا پتہ نہیں۔ اور اچھائی کا مدار حسنِ خاتمہ پر ہے ختم اللّٰہ لنا بالحسنیٰ وبلغنا المقام الاسنیٰ اٰمین۔

(۲۳۲) المؤمن للمؤمن میں الف لام جنس کے لئے ہے۔ یعنی بعض مؤمن بعض کے لئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ استغراق کے لئے ہو تو مطلب یہ ہوگا کل مؤمنٍ لکلِّ مؤمنٍ والاظھر انہٗ للعھد الذھنی فی الاول وللجنس فی الثانی ای المؤمن الکامل لمطلق المؤمن۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مؤمن کو اپنی دنیا اور دین میں دوسرے اہلِ ایمان سے قوت و مدد ملتی ہے۔ جیسا کہ عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ کے لئے قوت ہوتا ہے۔ مشکوٰۃ میں ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابو موسیٰ اشعری نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے عمارت کی مضبوطی کو سمجھایا کہ اس طرح جوڑ اور اجزاء کے ربط سے عمارت کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث کا مقصود اہلِ ایمان کو باہمی تعاون وتناصر اور تراحم وتلاطف پر اُبھارنا ہے۔

(۲۳۳) یعنی ایک مؤمن اپنے بھائی کے لئے آئینہ کی طرح ہے۔ کہ آئینہ جب سامنے آتا ہے تو چہرہ کے داغ دھبے اس کو نظر آجاتے ہیں جن کو وہ دُور کر لیتا ہے۔ اسی طرح اگر اپنے بھائی میں کوئی عیب نظر آئے تو اس کو ظاہر کر دے تاکہ وہ اس سے پاک ہوجائے۔ آئینہ چہرہ کے عیوب کو اس طرح خاموشی سے ظاہر کرتا ہے کہ دوسروں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بالکل اسی طرح سب کے سامنے اپنے بھائی کو فضیحت نہ کیا جائے فلیمط عنہ کا مطلب یہ ہے کہ اس

کے عیب کو اپنے بھائی سے دُور کر دے، یا تو اس کو مطلع کرکے، اور اگر اطلاع سے نفع کی توقع نہ ہو تو اللہ سے اس کے لئے دعا کرے۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے رَحِمَ اللّٰہُ امْرَءً اَھْدٰی اِلَیَّ بِعُیُوْبِ نَفْسِیْ۔ یہی مطلب ظاہر ہے۔

(۲۳۴) مؤمن مؤمن کا بھائی ہے۔ اور اس کی اخوت کا تقاضا ہے کہ اس کو نقصان وخسران سے محفوظ رکھے۔ ضیعہ کے معنی ہلاکت ونقصان کے بھی ہیں۔ اور ضیعۃ الرّجل مایکون منہ معاشہ۔ یعنی ضیعت کے معنی گذران کے سببکے بھی ہیں۔ خواہ وہ جائیداد ہو یا اور کچھ۔ تو اس صورت میں معنی ہوں گے کہ وہ حفاظت کرتا ہے اس کی جائیداد اور کاروبار کی۔

ویحوطہ من ورائہ۔ یعنی اپنے مؤمن بھائی کی عدم موجودگی اور غیبوبت میں اس کی اجان مال و آبرو وغیرہ کی حفاظت کرتا ہے۔ مثلاً اس کی غیبت ہو رہی ہے تو خاموش نہیں رہتا دفاع کرتا ہے۔ اس طرح اس کی آبرو بچاتا ہے۔

(۲۳۵) تری المؤمنین سے کامل اہل ایمان مراد ہیں۔ انہی کی یہ شان ہے کہ ایک دوسرے سے پیار، محبت اور مہربانی کرنے میں ایک ہی جسم نظر آتے ہیں۔ اور یہ سب اُن کی اخوت ایمانی کا کرشمہ ہوتا ہے۔ تراحم ایک دوسرے پر رحم کرنا تواد ھم ایک دوسرے سے محبت کرنا۔ اور محبت کے اسباب اپنانا۔ مثلاً ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے جانا، ایک دوسرے کو ہدیے تحفے دینا۔ تعاطف ایک دوسرے پر مہربانی کرنا، ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

اس حدیث میں مؤمنینِ کاملین کی مثال بیان فرمائی کہ جیسے وہ سب ایک جسم کے اعضاء ہیں اگر جسم کا ایک حصّہ بیمار اور دردمند ہو جاتا ہے تو اس تکلیف کو سارے اعضاء محسوس کرتے ہیں، سب بے چین وبے آرام ہو جاتے ہیں، سب اعضاء جاگتے ہیں اور بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں لیتوقف الکل فی العسر کما کانوا متوافقین فی الصحۃ والیسر۔ اسی طرح رنج وراحت اور نفع وضرر میں ایمان والے ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔

(۲۳۶) بالمعروف صفۃ بعد صفۃ لموصوف محذوف ای للمسلم علی المسلم خصال ست متلبسۃ بالمعروف۔

معروف کا مطلب ہے اللہ کے پسندیدہ قول وفعل یا شرعًا اور عقلاً جس کا اچھا ہونا معلوم ہو

یسلم علیہ ای ان یسلم علیہ مسلمان کو سلام کرے خواہ اس سے جان پہچان ہو کہ نہ ہو۔ کما قال علیہ السّلام تقرئ السّلام علی من عرفت ومن لم تعرف۔

اذا دعاہ کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان بلائے خواہ کھانے کے لئے دعوت دے یا اور کسی حاجت کے لئے بلائے۔ ویشمتہ ای یدعولہ بقولہ یرحمک وفی النہایۃ التشمیت

بالشین والسین الدعاء بالخیر والبرکۃ۔ یہ لفظ شوامت بمعنی القوائم سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چھینکنے والے کے لئے ثبات علی الطاعۃ کی دعا کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسکے معنی ہیں ابعدك الله من الشماتة (خدا تجھ کو دشمنوں کے خوش ہونے سے بچائے) بہرحال چھینکنے والا چھینک کر الحمدللہ کہتا ہے تو سننے والے کو یرحمک اللہ کہنا چاہئے۔ یہ مسلمان کا حق ہے۔

وَيَتَّبِعُ جَنَازَتَهٗ میں واضح اشارہ ہے کہ افضل جنازہ کے پیچھے چلنا ہے۔ جیساکہ احناف کا مسلک ہے۔ اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں صاف وارد ہوا ہے الجنازة متبوعة وليست بتابعة ليس منا من تقدمها۔

وَيُحِبُّ لَهٗ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ کی شرح مراۃ ج ۱ (۱۲) میں مفصل گذر چکی ہے۔

نسیم احمد غازی مظاہری

مِنْ اَفْضَلِ شُعَبِ التَّعَاوُنِ الْاِيْثَارُ

"تعاون کے بہترین شعبوں میں سے ایثار ہے۔"

(۲۳۷) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور وہ (انکو) اپنے آپ سے مقدم رکھتے ہیں اگرچہ خود اپنے پر فاقہ ہی کیوں نہ ہو (الحشر آیت ۹)

(۲۳۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ اُهْدِيَ لِرَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاْسُ شَاةٍ فَقَالَ اِنَّ اَخِيْ فُلَانٌ وَّعِيَالُهٗ اَحْوَجُ اِلٰى هٰذَا مِنَّا فَبَعَثَ بِهٖ اِلَيْهِمْ فَلَمْ يَزَلْ يَبْعَثُ وَاحِدٌ اِلٰى اٰخَرَ حَتّٰى تَدَاوَلَهَا سَبْعَةُ اَبْيَاتٍ حَتّٰى رَجَعَتْ اِلٰٓى اُولٰٓئِكَ فَنَزَلَتْ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (مظہری تحت ہذہ الآیۃ)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک صحابی کو بکری کی ایک سری ہدیہ کی گئی تو انہوں نے کہا کہ میرا فلاں بھائی اور اسکے بال بچے اسکے ہم سے زیادہ محتاج ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ سری ان کے پاس بھیجدی پھر ایک دوسرے کی طرف بھیجتے رہے یہانتک کہ وہ سری سات گھروں میں پہونچکر انہی کے پاس واپس آگئی۔ تو (اس واقعہ پر) یہ آیت اتری کہ وہ اپنے اوپر اوروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اُن کو فاقہ ہی کیوں نہ ہو۔"

(۲۳۹) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَنْصَارَ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات انصار کو بلایا۔

لِيَقْطَعَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ فَاكْتُبْ
تاکہ ان کو بحرین کی جاگیر دیدیں۔ تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو ہمارے قریشی
لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ
بھائیوں کے لئے بھی اس کے مثل لکھوا دیجئے۔ تو اتنی جاگیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ تھی
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً فَاصْبِرُوا حَتّٰى
تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے بعد عنقریب (اپنے مقابلہ میں) ترجیح دیکھوگے تو صبر کرنا یہانتک کہ
تَلْقَوْنِي۔ (بخاری ص۳۲۰)
تم مجھ سے جا ملو۔

(۲۴۰) عَنْ أَبِي جَهْمِ بْنِ حُذَيْفَةَ الْعَدَوِيِّ قَالَ انْطَلَقْتُ يَوْمَ الْيَرْمُوكِ
حضرت ابوجہم بن حذیفہ عدویؓ فرماتے ہیں کہ میں جنگ یرموک کے دن اپنے چچا زاد بھائی کی تلاش میں نکلا
أَطْلُبُ ابْنَ عَمِّي وَمَعِي شَنَّةٌ مِنْ مَاءٍ وَإِنَاءٌ فَقُلْتُ إِنْ كَانَ بِهِ
اور میرے پاس پانی کا ایک مشکیزہ اور ایک برتن تھا میں نے کہا کہ اگر اس میں کچھ رمق باقی ہوگی تو پانی
رَمَقٌ سَقَيْتُهُ مِنَ الْمَاءِ وَمَسَحْتُ بِهِ وَجْهَهُ فَإِذَا أَنَا بِهِ يَنْشَغُ
پلا دونگا۔ اور اس سے اس کا منہ دُھلا دونگا تو میں نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کی جان نکل
فَقُلْتُ لَهُ أَسْقِيكَ فَأَشَارَ أَنْ نَعَمْ فَإِذَا رَجُلٌ يَقُولُ آهْ ....
رہی تھی تو میں نے اس سے کہا تجھ کو پانی پلاؤں؟ اس نے اشارہ سے کہا ہاں تو ایک اور آدمی آہ کر رہا تھا
فَأَشَارَ ابْنُ عَمِّي أَنِ انْطَلِقْ بِهِ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ هِشَامُ بْنُ الْعَاصِ
تو میرے چچا زاد بھائی نے اشارہ کیا کہ اس کے پاس جاؤ تو وہ ہشام ابن العاصؓ عمرو بن العاصؓ کے
أَخُو عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ أَسْقِيكَ فَسَمِعَ آخَرَ يَقُولُ آهْ
بھائی تھے۔ میں ان کے پاس پہونچا اور میں نے کہا پانی پلاؤں؟ اتنے میں انہوں نے سنا کہ ایک اور آدمی آہ
فَأَشَارَ هِشَامٌ أَنِ انْطَلِقْ بِهِ إِلَيْهِ فَجِئْتُهُ فَإِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ ثُمَّ
کر رہا ہے۔ تو ہشام نے اشارہ کیا کہ ان کے پاس جاؤ میں ان کے پاس پہونچا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا
رَجَعْتُ إِلَى هِشَامٍ فَإِذَا هُوَ قَدْ مَاتَ ثُمَّ أَتَيْتُ ابْنَ عَمِّي فَإِذَا
پھر میں ہشام کے پاس واپس آیا تو وہ بھی مر چکے تھے پھر میں اپنے چچازاد بھائی کے پاس آیا تو وہ
هُوَ قَدْ مَاتَ۔ (کتاب الزہد والرقائق احدیث ۳۲۵)
بھی مر چکے تھے۔

لغات: يُؤْثِرُونَ افعال سے کرم کرنا، فضیلت دینا، اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دینا۔

(ن ض) نقل کرنا خَصَاصَةٌ مص (س) محتاج ہونا۔ تَدَاوَلَهَا تفاعل سے ہاتھوں ہاتھ لینا۔ باری باری لینا۔ دَالَ دَوْلَةً (ن) ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹنا، اِفعال سے باری باری ایک کے بعد دوسرے کو دینا، غلبہ دلانا، فتحمند کرانا۔ يَتَغَشَّمُ بالغين (ف) سسکی لینا یہاں تک کہ بیہوشی طاری ہوجائے، تلقین کرنا، سمجھانا وغیرہ

تشریح

(۲۲۷) وَيُؤْثِرُوْنَ الخ یہ جملہ سورہ حشر کی آیت نمبر (۹) کا ایک جزء ہے۔ اس آیت میں باری تعالیٰ نے حضراتِ انصارؓ کے خاص فضائل اور ان کی چار صفات کا ذکر فرمایا ہے۔ (۱) ان کے ایمان کی مضبوطی و پختگی۔ (۲) حضراتِ مہاجرینؓ سے ان کا قلبی محبت اور والہانہ احترام کرنا۔ (۳) حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مہاجرینؓ کو عطا فرمایا اس پر ناگواری، دل تنگی اور احساس نہ ہونا۔ (۴) اور فقر و فاقہ و احتیاج کے باوجود اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دینا۔ اس مذکورہ جملہ میں حضراتِ انصارؓ کی چوتھی صفت کا ذکر ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ حضراتِ انصارؓ اپنے اوپر دوسروں کو یعنی مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت و ضرورت کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے۔ اگرچہ وہ خود فقر و فاقہ میں مبتلا اور حاجتمند ہوں۔ حضراتِ انصارؓ کے بیشمار واقعات اس پر شاہد ہیں جن میں سے بہت سے واقعات کو مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ گو تفسیرِ آیت ان واقعات پر موقوف نہیں، لیکن ان میں انسانیت کا اعلیٰ سبق اور زبردست عبرت ہے، اسلئے ان کو ذکر کیا ہے۔ اور ان میں کئی واقعات کو اس آیت کا شانِ نزول بھی قرار دیا ہے۔ صاحب مشکوٰۃ الآثار نے بھی ان میں سے یہاں تین واقعات ذکر کئے ہیں جنکا مطلب بالکل ظاہر ہے۔ اپنی محتاجی کے باوجود دوسرے کی حاجت محسوس کر کے اسکو کھلانا ملتی ہوئی جائیداد و جاگیر میں یہ شرط لگا دینا کہ ہمارے بھائیوں کو بھی ملے تو ہم لے سکتے ہیں۔ اور حد یہ ہے کہ پیاس سے دم توڑ دینا مگر دوسرے پیاسے کی سیرابی کے بغیر پانی کا قطرہ حلق سے نہ اتارنا اتنا زبردست ایثار ہے کہ وہ انہیں حضرات کا حصہ تھا، جن کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ تربیت نصیب ہوئی۔ اور وہ دل و جان سے آپ پر قربان تھے۔ ان حضرات کی برابری تو کس کو نصیب ہو سکتی ہے، اگر ان کی ہمدردی و ایثار کا ایک شمہ بھی کسی خوش قسمت کو میسر آجائے تو بڑی سعادت ہے۔

ایک شبہ کا جواب

مذکورہ واقعات پر ایک شبہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پورا مال صدقہ کر دینے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص ایک بیضہ کی برابر سونا لے کر حاضرِ خدمت ہوا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ نے اس سونے کو اس کی طرف پھینک کر فرمایا کہ بعض لوگ سارا مال صدقہ کرنے کو لے آتے ہیں۔ پھر محتاج ہو کر لوگوں سے بھیک مانگتے ہیں۔ تو یہاں کُل کائنات بکری کی سری یا پانی کے چند گھونٹ تھے، جو باوجودِ احتیاج انہوں نے دوسروں کو دیدیئے حالانکہ یہ ممنوع تھا۔

اِس شبہ کا جواب اِس قسم کے واقعات والی رِوایات ہی سے یہ نکلتا ہے۔ کہ لوگوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اور ہر حال کا حکم الگ ہے۔ پورا مال صدقہ کر دینے کی ممانعت صرف ان لوگوں کے لیۓ ہے جو کُل مال دینے کے بعد فقر و احتیاج پر صبر نہ کر سکیں، اور کیۓ ہوۓ صدقہ پر پچھتائیں یا لوگوں سے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور جو لوگ عزم و ہمت کیساتھ اس پر صبر کر سکتے ہوں ان کے لیۓ جائز ہے کہ وہ اپنا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر ڈالیں۔ چنانچہ صدیقِ اکبرؓ نے غزوۂ تبوک کے چندہ میں اپنا سارا مال پیش کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول بھی فرمایا۔ پس یہ واقعات بھی اسی انداز کے ہیں۔

حضرتِ ابو جہمؓ

هُوَ اَبُو جَهْمٍ عَامِرُ بْنُ حُذَيْفَةَ الْعَدَوِيُّ الْقُرَشِيُّ وَهُوَ مَشْهُوْرٌ بِكُنْيَتِهٖ وَقَالَ فِيْ تَرَاجِمِ الْاَحْبَارِ ص۳۸ ج۲ اَبُو الْجَهْمِ بْنُ حُذَيْفَةَ ابْنِ غَانِمِ بْنِ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ عُوَيْجِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَشِيُّ الْعَدَوِيُّ قَالَ الْبُخَارِيُّ وَجَمَاعَةٌ اِسْمُهٗ عَامِرٌ وَقِيْلَ عُبَيْدٌ بِالضَّمِّ قَالَ فِي الْاِصَابَةِ قَالَ الزُّبَيْرُ ابْنُ بَكَّارٍ كَانَ مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ وَهُوَ اَحَدُ الْاَرْبَعَةِ الَّذِيْنَ كَانَتْ قُرَيْشٌ تَاْخُذُ عَنْهُمُ النَّسَبَ قَالَ وَقَالَ عَمِّيْ كَانَ مِنَ الْمُعَمَّرِيْنَ حَضَرَ بِنَاءَ الْكَعْبَةِ مَرَّتَيْنِ وَحِيْنَ بَنَاهَا ابْنُ الزُّبَيْرِ ثَبَتَ ذِكْرُهٗ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ طَرِيْقِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ فَقَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِيْ جَهْمٍ وَّاْتُوْنِيْ بِاَنْبِجَانِيَّةِ اَبِيْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِيْ اٰنِفًا عَنْ صَلَاتِيْ۔ وَثَبَتَ ذِكْرُهٗ فِيْ حَدِيْثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ اِنَّ مُعَاوِيَةَ وَاَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِيْ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ لَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَبُوْ جَهْمٍ فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهٖ وَاَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ الخ

مِنْهَا قَبُوْلُ الْهَدِيَّةِ وَالْاِثَابَةُ عَلَيْهَا

ابواب برّ میں سے ہدیہ کا قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا بھی ہے

(۲۴۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم ایک دوسرے کو

تَهَادَوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ

ہدیہ دیا کرو کیونکہ ہدیہ سینہ کے کینہ کو دور کرتا ہے۔ اور کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے کسی چیز کو

لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسَنِ شَاةٍ۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۱ ترمذی ص۲۵ ج۲)

حقیر نہ جانے اگرچہ وہ کھری کا ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

(۲۴۲) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا۔ (بخاری ص۳۵۲ ج۱ ترمذی ص۱۷ ج۲ مشکوٰۃ ص۱۶۱)

ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ عطاء فرماتے تھے۔

(۲۴۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ مَنْ اُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِ بِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهٖ

کہ جس کو کوئی عطا دیجائے پھر وہ گنجائش پائے تو اس کا بدلہ دے اور اگر نہیں پاتا تو اس کی تعریف کردے اسلئے

فَمَنْ اَثْنٰى بِهٖ فَقَدْ شَكَرَهٗ وَمَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَهٗ۔ (مشکوٰۃ ص۲۶۱)

کہ جس نے عطا کیوجہ سے اس کی تعریف کی تو اُسنے اُسکا شکر ادا کردیا اور جس نے چھپالیا تو اُسنے اسکی ناشکری کی۔

وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اُبْلِيَ بَلَاءً فَذَكَرَهٗ

اور حضرت جابرؓ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ جس کو کوئی عطیہ دیا گیا اور اُسنے اس کا

فَقَدْ شَكَرَهٗ وَاِنْ كَتَمَهٗ فَقَدْ كَفَرَهٗ۔ (ابوداؤد ص۲۱۵ ج۲)

ذکر کیا تو اسکا شکر ادا کردیا اور اگر اسکو چھپالیا تو اس کی ناشکری کی۔

(۲۴۴) عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے ساتھ

مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ

کوئی احسان کیا گیا اور اس نے اس احسان کرنیوالے کو جزاک اللہ خیرا کہدیا تو اس نے تعریف

فِي الثَّنَاءِ۔ (ترمذی ص۲۴ ج۲ مشکوٰۃ ص۲۶۱)

کی انتہا کردی۔

(٢٤٥) عَنْ اَبِی سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے
مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۷، مشکوٰۃ ص۲۶۱)
لوگوں کا شکر ادا نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہ کیا۔

لغات تَهَادَوْا تفاعل سے جمع مخاطبین امر کا صیغہ ایک دوسرے کو ہدیہ دینا۔ یقال للهدیۃ هدیۃ لانها تهدی الی المحبۃ۔ وَحْرٌ کینہ، خیانت، سخت غضب، سینہ کی سوزش۔ (س) غضبناک ہونا، کینہ رکھنا۔ بَلَاءٌ (ن) آزمانا، تجربہ کرنا (س) بوسیدہ ہونا، تفعیل سے بوسیدہ کرنا۔ بَلَاءٌ آزمائش۔ اور وہ دو طرح ہوتی ہے۔ مصیبت دیکر صبر کی اور نعمت دیکر شکر کی کما قال تعالیٰ وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً۔ اور بہ نسبت شکر کے صبر کے حقوق کی بجا آوری زیادہ آسان ہوتی ہے۔ اسی لئے نعمت میں مصیبت و مشقت سے زیادہ آزمائش ہے۔ حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے بُلِیْنَا بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا وَبُلِیْنَا بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَصْبِرْ۔ یہاں اَبْلٰی بَلَاءً کے معنیٰ اُعْطِیَ عَطَاءً کے ہیں۔ احادیث کی ترکیب آسان ہے۔

تشریح (٢٤١) تَهَادَوْا بفتح الدال امر من التهادی بمعنی المُهَادَاۃ ای لیعط الهَدیۃ ویرسلها بعضکم لبعض فان الهدیۃ تذهب وحر الصدر۔ اَلْوَحْرُ بفتح الواو والحاء المهملۃ وهو الغش والحِقد والغضب، وقیل اشد الغضب وفی روایۃ لعائشۃ فان الهدیۃ تذهب الضَّغَائِن جمعُ ضغینۃ وهو الحِقد وفی روایۃ لها تَهَادَوْا تَزْدَادُوْا حُبًّا وفی روایۃ عن النبیؐ صلی اللہ علیه وسلم تَهَادَوْا تَحَابُّوْا۔
وَلَاتَحْقِرَنَّ الخ مر فی (١١٥) فی اول هذا الجزء۔
(٢٤٢) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند اخلاق تھا کہ آپ احسان کا بدلہ مرحمت فرماتے تھے۔ اگر عوض طے ہوجائے تو یہ بیع ہوجاتی ہے۔ ورنہ طرفین سے ہدیہ شمار ہوتا ہے جو عطا بغیر عوض ہے۔ ہدیہ چونکہ محبت کی دلیل ہے اور محبت کا جواب محبت ہے۔ اسی طرح ہدیہ ایک احسان ہے اور هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ اس لئے آپ نے اسی کی تعلیم دی۔ اور اسی پر خود بھی عمل فرمایا۔ حدیث میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا ہمپر کوئی احسان تھا ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے۔ ابوبکرؓ کے سوا کہ ان کا ہمپر ایسا احسان ہے کہ حق تعالیٰ ہی

قیامت کے دن اس کا بدلہ مرحمت فرمائیں گے۔ اور کسی کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہونچایا جتنا فائدہ ابوبکرؓ کے مال نے پہونچایا ہے۔ اور اگر میں کسی کو قلبی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن تمہارے صاحب خلیل اللہ ہیں۔ یعنی آپ کے اندرونِ قلب صرف اللہ کی محبت ہے۔ (مشکوٰۃ)

(۲۴۳) مَنْ اُعْطِیَ بصیغۂ مجہول عَطَاءً مفعول مطلق یا بمعنی عطیہ مفعول ثانی، اور ایک روایت میں شَیْئًا ہے تو اسکا مفعول ثانی ہونا متعین ہے۔ فَوَجَدَ ای سِعَۃً مَّالِیَۃً فَلْیَجْزِ بِہٖ ای بالعطاء فَلْیُثْنِ وفی روایۃٍ فَلْیَمْدَحْہُ وفی روایۃٍ فَلْیَدْعُ لَہٗ وفی روایۃٍ فَلْیَذْکُرْہُ اور سب کا مطلب تقریبًا ایک ہی ہے۔ کہ تعریف کے ساتھ اس عطار کا تذکرہ کرنا چاہیئے۔ کہ یہ بھی اس نعمت کی قدردانی اور شکریہ ہے۔ اس کے برخلاف چھپالینا اور تذکرہ و تعریف نہ کرنا ناقدری و ناشکری ہے۔

مَنْ اُبْلِیَ بَلَاءً الخ کا مطلب بھی یہی ہے۔ کیونکہ دونوں حدیثوں کا مضمون ایک ہی تھا۔ اسلئے مصنف نے اُن کو ایک ہی نمبر میں بیان فرمایا۔

(۲۴۴) مَنْ صُنِعَ اِلَیْہِ مَعْرُوْفٌ بصیغۂ مجہول ای مَنْ اُحْسِنَ اِلَیْہِ۔ اور ایک نسخۂ مشکوٰۃ میں مَعْرُوْفًا بالنصب ہے۔ تو وہ صُنِعَ کا مفعولِ ثانی ہے۔ فَقَالَ لِفَاعِلِہٖ یعنی بدلہ دینے سے اگر عاجز ہے۔ یا باوجودِ قدرت بھی جَزَاکَ اللہُ خَیْرًا کہدیا تو اس نے تعریف کا حق اَدا کردیا، اور اس نعمت کا شکر ادا کردیا۔ کیونکہ اس نے اس عطار کے بدلہ سے عجز کا اظہار کرکے اس کا بدلہ اُس قادرِ مطلق کے حوالہ کردیا جس سے بڑھکر کوئی قدرداں اور جزا دینے والا نہیں۔

(۲۴۵) مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ الخ جملہ شرط و جزا ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں لَمْ کی بجائے لَا ہے۔ اور مطلب دونوں صورتوں میں یہ ہے کہ جو بندوں کے احسانات کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گذار بھی نہیں ہے۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کا شکر اُس کی اِطاعت و فرمانبرداری سے پورے طور پر اَدا ہوتا ہے۔ اور اللہ کا حکم ہے کہ اپنے محسنوں کا شکر ادا کرو۔ تو جب بندہ نے اپنے کسی محسن کا شکر ادا نہ کیا تو حق تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور نافرمانی ہی کا دوسرا نام ناشکری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بندے درحقیقت اللہ کی نعمت پہنچاتے ہیں۔ تو جس نے پہونچانے والے کی عزت نہ کی۔ اور اس کے پہنچانے کی قدر و شکر گذاری نہ کی تو درحقیقت اُس نے اصل منعم کی شکر گذاری اور تعظیم نہ کی۔ کیونکہ غلام اور قاصد کی عزت و تعظیم اصل کی عزت و تعظیم اور اس کی توہین اصل کی توہین شمار ہوتی ہے۔ تو بندۂ محسن کی ناشکری محسنِ حقیقی کی ناشکری شمار ہوگی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جو بندہ کسی پر احسان کرتا ہے اس نعمت سے ثنا و شکر حاصل کرنا اس کا دِلی جذبہ ہوتا ہے۔ اور ناقدری و ناشکری سے

اس کو تکلیف واذیت پہونچتی ہے۔ توجب منعم علیہ نے ایسے محسن کا شکر ادا نہ کیا تو جب محسنِ اعظم کی اپنے احسان سے کوئی غرض وابستہ نہیں اور ناشکری سے اس کو تکلیف بھی نہیں پہونچ سکتی تو یہ بندہ اس کا شکر گذار کیسے بن سکتا ہے۔

حضرتِ اُسامہ بن زیدؓ

آپ کا نسب اُسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل وزن سراویل ابن کعب بن عبدالعزیٰ بن زید بن امرئ القیس الکلبی القضاعی ہے۔ کنیت ابو محمد یا ابو زید ہے۔ آپ بھی اور آپکے والد حضرتِ زید بھی حِبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرتِ ام ایمن تھیں۔ جنہوں نے بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وپرورش کی، جن کا نام برکت تھا۔ یہ حضرتِ ام ایمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں اور حضرتِ اُسامہ کے والدِ محترم حضرت زید سورۂ احزاب کے نزول تک ابن محمد کہلاتے۔ انکی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآنِ مقدس میں صرف انہیں کا نام (آیت فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا میں) صراحۃً مذکور ہے۔ اور کسی بھی صحابی کو یہ شرف خاص نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ذرا پہلے حضرتِ اُسامہ کو ایک ایسے لشکر کا امیر مقرر فرمایا جس میں حضرتِ عمرؓ جیسے جلیل القدر حضرات بھی تھے۔ حضرتِ ابوبکرؓ نے اس لشکر کو وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہی کی سرکردگی میں ملک شام بھیجا۔ اُسوقت ان کی عمر شریف تقریباً بیس سال تھی۔ حضرتِ عمرؓ انکا بہت اکرام واحترام فرماتے تھے۔ اور ان کو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے زائد وظیفہ مرحمت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ جب حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا بیٹے تو میرا محبوب ہے اور وہ میرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ حضرتِ عثمانِ غنیؓ کی شہادت کے بعد یکسوئی وخلوت نشینی اختیار فرمالی تھی۔ حضرتِ امیر معاویہؓ کی خلافت کے اخیر دور ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔ اولاً آپ دمشق کے قریب قریۂ مزہ میں مقیم ہوگئے۔ اس کے بعد وادی القریٰ میں رہے۔ پھر واپس مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ وہیں مقام جرف میں وفات پائی۔ اور آپکے جسدِ اطہر کو مدینہ منورہ منتقل کرکے دفن کیا گیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی۔ وقال ابن سعد ولد اسامة فی الاسلام ومات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولہ عشرون سنة وقال ابن خثیمة ثمانی عشرة۔ واللہ اعلم

(تراجم الاحبار ۱۶۲/۱ وغیرہ)

وَمِنْهَا اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ

اور ابواب بر میں سے آپس کی صلح صفائی کرنا بھی ہے۔

(۲۴۶) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :- عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ خیرات
بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
کی یا اور کسی نیکی کی یا لوگوں کے درمیان مصالحت کی ترغیب دیتے ہیں اور جو شخص یہ سب کام اللہ کی
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (النساء آیت ۱۱۴)
رضا جوئی کے لئے کریگا تو ہم عنقریب اُس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

(۲۴۷) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابو الدرداءؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غور سے سنو
اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّيَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ
میں تم کو بتا نہ دوں روزوں اور نماز اور صدقہ سے اونچے درجہ کی (نیکی) صحابہؓ نے عرض
قَالُوْا بَلٰى قَالَ صَلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ فَاِنَّ فَسَادَ ذَاتِ الْبَيْنِ هِيَ
کیا ضرور بتائیے، فرمایا کہ وہ آپس کی صلح صفائی ہے اسلئے کہ باہمی فساد ہی مونڈنے والی
الْحَالِقَةُ وَيُرْوٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ هِيَ
چیز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے، آپ نے فرمایا کہ وہ
الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّيْنَ۔ (ترمذی ج۲ ص۷۲، ابوداؤد ج۲ ص۳۲۵، مشکوٰۃ ص۴۲۸)
مونڈنے والی ہے میں نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ دین کا صفایا کر دیتی ہے۔

(۲۴۸) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اعْتَذَرَ اِلٰى
حضرت جابرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جو اپنے بھائی سے عذر خواہی کرے
اَخِيْهِ فَلَمْ يَعْذِرْهُ كَانَ عَلَيْهِ مِثْلُ خَطِيْئَةِ صَاحِبِ مَكْسٍ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۹)
اور وہ اس کا عذر قبول نہ کرے تو اس پر ظلماً ٹیکس وصول کرنیوالے کا سا گناہ ہوگا۔

(۲۴۹) عَنْ اُمِّ كُلْثُوْمٍ بِنْتِ عُقْبَةَ اَنَّهَا سَمِعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
حضرت ام کلثوم بنت عقبہؓ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِيْ يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَقُوْلُ خَيْرًا
کہ جھوٹا وہ شخص نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرادے اور بہتر بات کہے

وَيَنْمِي خَيْرًا۔ (بخاری ص۳۷۱ ج۱، مشکوٰۃ ص۴۲۸)

اور خیر بڑھائے۔

تشریح لَا خَيْرَ فِي كَثِيْرٍ الخ یعنی لوگوں کے باہمی مشورے اور تدبیریں جو فکرِ آخرت اور انجام میں غور وفکر سے آزاد ہوں۔ اور چند روزہ دنیاوی منافع ان کے پیشِ نظر ہوں تو ان مشوروں اور تدبیروں میں کوئی بھلائی نہیں۔ ہاں ان میں خیر ہو سکتی ہے تو اس طرح کہ آپسی غور وفکر اور مشورے صدقہ خیرات کی ترغیب دینے یا نیکیوں کا حکم کرنے یا لوگوں کے آپسی جھگڑے مٹا کر ان میں صلح کرانے کے لئے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ انسان کا ہر کلام اس کو مضر ہے، ہاں وہ کلام مفید ہے جس میں ذکر اللہ ہو یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو۔ معروف و منکر کی وضاحت اسی جزء میں گذر چکی ہے۔

امر بالمعروف کے وسیع مفہوم میں ساری نیکیاں یہانتک کہ صدقہ اور اصلاح بین النّاس بھی داخل ہیں، لیکن ان دونوں کو خصوصیت کے ساتھ علیحدہ اس لئے بیان فرمایا گیا کہ ان دونوں چیزوں کا نفع متعدی بھی ہے، اور اجتماعی، ملی زندگی کا سُدھار بھی ان پر موقوف ہے۔ نیز یہ دونوں کام خدمتِ خلق کے اہم ابواب پر حاوی ہیں، ایک میں جلبِ منفعت ہے یعنی خلقِ خدا کو نفع پہونچانا، دوسرے میں دَفعِ مضرت ہے۔ یعنی خلقِ خدا کو رنج و کلفت سے بچانا۔ صدقہ نفع رسانی کا اہم عنوان ہے تو اصلاح بین النّاس مخلوق کو مضرت ونقصان سے محفوظ رکھنے کا اہم باب ہے۔ اِسی لئے جمہور مفسرین کا قول ہے کہ اِس جگہ صدقہ عام ہے جس میں زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ ونافلہ ہر وہ نفع داخل ہے جو کسی کو پہونچایا جاسکے۔ اسی طرح معروف واصلاح میں بھی عموم ملحوظ ہے۔

صلح کرانیکی فضیلت

(۲۴۷) بافضل ای بعملٍ افضل درجۃً واکثر مثوبۃً۔ یعنی میں ایسا عمل تم کو نہ بتادوں جو روزہ، نماز اور صدقہ جیسی عبادات سے بڑھکر ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور بتایئے، آپنے فرمایا کہ وہ اِصلاحِ ذات البین ہے۔ یعنی جھگڑا ختم کراکر آپس میں صلح صفائی کرادینا ہے۔ اس حدیث میں روزہ ونماز سے مراد نفلی روزہ ونماز ہے۔ اور لفظِ صدقہ اس کا قرینہ ہے۔ کیونکہ اکثر لفظِ صدقہ نفلی صدقہ کے لئے مستعمل ہے۔ اور صَلٰوۃ کو باوجود افضل ہونے کے صِیام وصَدَقہ کے بعد ذکر کیا گیا۔ کیونکہ یہاں اَدنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ اور واوٴ چونکہ جمع کے لئے ہے اسلئے معنیٰ یہ ہیں کہ الصّلح افضل من مجموعھا۔ لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ بمعنیٰ اَوْ ہو۔ والاول ابلغ فی مقام الترغیب کما لا یخفیٰ۔

ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ فساد میں خونریزی، آبروریزی اور لوٹ مار سب ہی کچھ ہوجاتا ہے۔ اور اِصلاح میں جان و مال اور آبرو سب ہی چیزوں کی حفاظت ہے تو اِصلاح بین الناس فرائض سے بھی بڑھکر ہوگی۔ اسلئے کہ فرائض اپنی ذات تک محدود اور ترکِ فرائض کے بعد بھی ان کی قضا ممکن ہے، نیز وہ حقوق اللہ ہیں جو اللہ کے نزدیک بندوں کے حقوق سے اَہوَن اور آسان ہیں۔
اس تفصیل کے سمجھنے کے بعد اگر مذکورہ عبادات صیام، صدقہ اور صلوٰۃ سے مُراد فرائض ہی لے لیئے جائیں تو کیا اشکال ہے۔ فاذا کان کذٰلک فیصح ان یقال ھٰذا الجنس من العمل افضل من ھٰذا الجنس لکون بعض افرادہ افضل کالبشر خیر من الملك والرجل خیر من المرأۃ ای الصّلح بین الناس افضل من مجموع العبادات المذکورۃ۔ واللہ اعلم قلنا بلٰی وفی نسخۃ من المشکوٰۃ زیادۃ یا رسول اللہ۔

اِصلاح ذَاتِ البَین ذات البین سے مراد وہ قرابت و محبّت اور تعلق ہے جو قوم کے اَفراد کے درمیان ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کا مصداق وہ مخاصمت و مہاجرت ہے جو دو افراد یا دو جماعتوں کے درمیان ہوجاتی ہے۔ اور دونوں اِحتمال درست ہیں۔ کیونکہ لفظِ بَین اَضداد میں سے ہے۔ اور وصل وفرق دونوں معنی میں مستعمل ہے۔

ھِیَ الحَالِقَۃ۔ یہ ماخوذ ہے حلق سے جسکے معنیٰ (ض) سے مونڈنا۔ اور (ن) سے چھیلنا، حلق پر مارنا۔ مصیبت میں ڈالنا اور قتل کرنا ہیں۔ یہاں اول معنیٰ اس حدیث کے الفاظ تحلق الشعر سے متعین ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپسی بگاڑ نیکیوں کو مٹانے اور ان کے ثواب کو زائل و باطل کرنیوالا ہے یا اس کی نحوست سے توفیق کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ اور لڑنے جھگڑنے والے طاعات و عبادات کے کرنے ہی سے محروم ہوجاتے ہیں، اظہر یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مہلکہ یعنی باہمی قتل وقتال مراد ہے۔ وفی النھایۃ ھی الخصلۃ التی من شانھا ان تحلق ای تستاصل الدین کما یستاصل الموسٰی الشعر۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے قطع رحمی اور باہمی مَظالم مراد ہیں۔ اور تعبیرات مختلف ہونے کے باوجود مطلب تقریباً ایک ہی ہے۔ یعنی دین کی بربادی۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اصلاح کی ترغیب و تحریض اور اِفساد سے اِجتناب کی تاکید ہے۔ کیونکہ اِصلاح احکام خداوندی کو مضبوطی سے پکڑلینے اور مسلمانوں میں اِتفاق و اتحاد کا سبب ہے۔ جس سے مسلمانوں کی دوجہاں کی آبادی و شادابی ہے۔ اور افساد میں اسکے برخلاف دین و دنیا کی بربادی ہے۔ اور یہ عمل (اصلاح) ظاہر ہے کہ تمام عبادات سے افضل ہے۔

(۲۴۸) من اعتذر الی اخیہ۔ اَخ سے مراد مسلمان ہے۔ فلم یَعذِرہ بفتح الیاء وضمھا وکسر الذال باب ضَرَب وباب افعال دونوں سے قبولِ عذر یعنی معاف کردینے کے معنی میں آتا ہے۔

مشکوٰۃ میں اس کے بعد اَوْلَمْ یَقْبَلْ عُذْرَہٗ بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راوی کو شک ہے کہ فَلَمْ یَعْذِرْہُ فرمایا، یا لَمْ یَقْبَلْ عُذْرَہٗ فرمایا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ثانی اوّل کی تفسیر ہو۔
صَاحِبِ مَکْسٍ۔ بفتح المیم ای صاحب عُشر۔ کیونکہ عشر وصول کرنے والا اکثر ظلم کرتا ہے اور اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ اسی طرح اپنے بھائی کو معاف نہ کرنیوالا بھی گنہگار رہے۔ یا صاحب مکس سے مراد لوگوں کا مال ناحق لینے والا ہے۔ مکس کے اصل معنیٰ ظلم اور نقص کے آتے ہیں، تو جو ظلماً لوگوں کا مال لیتا ہے وہ ان کا مال گھٹاتا اور ظلم کرتا ہے۔
وفی المشکوٰۃ وقال ای البیھقی فی تفسیرہ المکاس العشّار وفی بعض الاصول الماکس العشّار ولعل المناسبۃ التشبیہ ان صاحب المکس ایضاً لم یقبل اعتذار التاجر فی قولہ ان مالہٗ مال امانۃ او اخذ منہ الاٰخر اوھو مدیون ونحو ذلک وکون المشبہ اَقویٰ ھو انہٗ مع ھٰذا یظلم علیہ باخذ مالہ مع التعدّی ای الزائد۔ (مرقات ۴۲۸/۵)
اور گنہگار ہونے کی وجہ ظاہر یہی ہے کہ معافی مانگنے والا صلح کی کوشش کر رہا ہے۔ اور معاف نہ کرنیوالا فساد کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ گویا عذر خواہ مُصلح ہے اور معاف نہ کرنے والا مُفسد۔
(۲۴۹) عن امّ کلثوم بضم الکاف صرح بہ المغنی وفی نسخۃ بفتحھا ففی القاموس ام کلثوم کزنبور۔ بنت عقبۃ ای عقبۃ بن ابی مُعَیط عدوّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیس الکذّاب مرفوع اسم لیس یا منصوب خبر لیس۔ اور الّذی اپنے صلہ سے مل کر شکل اول میں خبر اور ثانی میں اسم مؤخر ہوگا۔ اور کذّاب گو صیغہ مبالغہ ہے مگر یہاں بمعنی کاذب ہے۔ جیسے وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ سے ذی ظلم مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کیلئے اگر کوئی خلاف واقعہ ایسی باتیں کہدے جس سے آپس میں صلح ہو جائے تو اس کو کاذب نہ کہیں گے۔ اور ان باتوں پر اس کو گناہ نہ ہوگا۔ کیونکہ کذب کے اکثر افراد میں گناہ فساد ہی کی وجہ سے ہے۔ اور یہاں وہ علت موجود نہیں۔ یَقُوْلُ خَیْرًا کا مطلب یہ ہے کہ ایسی بات کہے جس سے صلح ہو جائے مثلاً زید سے کہے کہ تمہارا بھائی عمرو تم سے صلح چاہتا ہے، اور تم سے جدائی پر رنجیدہ اور لڑائی پر غمگین ہے۔ اور تمہاری بہت تعریفیں کر رہا ہے، اسی طرح کی باتیں زید کی جانب سے عمرو سے کہے۔
وینمی خیرًا۔ یعنی خیر کو بڑھائے، اور فریقین میں سے ایک دوسرے کی طرف اچھی بات کی نسبت کرے جو صلح کا ذریعہ بنجائے۔ وفی حدیث اٰخر قالت ای ام کلثوم المذکورۃ ولم اسمعہ تعنی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یرخص فی شیءٍ مما یقول الناس کذبٌ الا فی ثلٰث الحربُ والاصلاحِ بین الناس وحدیث الرّجل امرأتہٗ وحدیث المرأۃ زوجھا۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۸)

حضرتِ امِ کلثوم رضی اللہ عنہا

یہ دشمنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم "عقبہ بن ابی مُعَیط" کی بیٹی حضرت عثمانؓ کی اَخیافی (ماں شریک) بہن خاندانِ بنوامیہ کی خاتون ہیں۔ مکہ مکرمہ میں شروع دور ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور مکہ مکرمہ میں رہتی رہیں۔ ۷ھ میں صلح حدیبیہ کے دوران پیدل ہجرت کی۔ مکہ مکرمہ میں شادی نہیں کی تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں حضرتِ زید بن حارثہؓ سے نکاح کیا۔ وہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے۔ تو حضرتِ زبیر بن عوام سے انکا نکاح ہوا۔ انہوں نے طلاق دیدی تو حضرتِ عبدالرحمٰن بن عوف سے نکاح کیا۔ جن سے دو بیٹے ابراہیم و حمید پیدا ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی وفات کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ نے ان سے نکاح کیا۔ ان کے نکاح میں ایک ماہ رہیں۔ اور وفات ہوگئی۔ ابن اسحٰق" کہتے ہیں کہ حضرتِ زبیر بن عوام سے بھی ان کے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام زینب تھا۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی عورت ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ہجرت کی، اور ہمارے علم میں نہیں کہ ان کے سوا کوئی دوسری قریشی عورت اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر مسلمان ہوکر ہجرت کرآئی ہو۔ یہ مکہ مکرمہ سے تنہا نکلیں اور ایک خزاعی آدمی کے ہمراہ مدینہ پہونچگئیں۔ ان کے پیچھے ان کے دو بھائی مدینہ پہونچے، اور کہا کہ ہم نے جو شرط صلح میں لگائی تھی (کہ ہماری طرف سے جو مسلمان ہوکر آپ کے پاس پہونچیگا اس کو واپس کرنا ہوگا) اس کو پورا کیجئے اور ہماری بہن کو ہمارے ساتھ واپس کردیجئے۔ تو حضرتِ ام کلثوم بنت عقبہ نے کہا یا رسول اللہ میں عورت ذات ہوں، کمزور ہوں اپنے دین کے بارے میں ڈرتی ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو مصیبت میں مبتلا کریں گے، اور میں اس پر صبر نہ کرسکوں گی، اسلئے آپ مجھے واپس نہ فرمایئے تو اللہ تعالیٰ نے آیتِ امتحان یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ (الخ) نازل فرماکر عورتوں کے بارے میں اس عہد کو ختم کردیا۔ اور عورتوں کے بارے میں ایسا حکم دیا کہ طرفین اسپر راضی ہوگئے۔ جیسا کہ سورۂ ممتحنہ میں اسکی تفصیل موجود ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے آنیوالی عورتوں کا امتحان کرتے کہ وہ کسی آدمی یا مال وغیرہ کی محبت میں تو ہجرت کرکے نہیں آئی ہیں۔ اور صرف اللہ و رسول کی محبت میں اِخلاص کے ساتھ انہوں نے اپنا وطن چھوڑا ہے۔ اور جو امتحان میں پوری اُترتی اس کو مشرکین کی طرف واپس نہ کیا جاتا۔ ان سے یہ مذکورہ روایت منقول ہے جس کو امام بخاری و مسلم دونوں نے اپنی کتابوں میں لیا ہے۔ اور ابن ماجہ کے علاوہ ایک جماعت نے ان کی احادیث کی اپنی کتابوں میں تخریج کی ہے۔ قال فی الخلاصۃ لھا احادیث اتفقا علیٰ حدیث ان سے ان کے بیٹوں ابراہیم و حمید ابنا عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اور حمید بن نافع نے احادیث روایت کیں۔

(تراجم الاحبار ۵۳۳/۴ و مرقات ۶۲۵/۴)

مِنْهَا حُسْنُ الظَّنِّ

"ابوابِ بر میں سے اچھا گمان بھی ہے۔"

(۲۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الظَّنِّ

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ نیک گمان

مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ۔ (ابوداؤد ص۳۲۴ ج۲ ومشکوٰۃ ص۴۲۹)

حسن عبادت سے ہے۔

تشریح (۲۵۰) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا منجملہ اچھی عبادت کے ہے۔ گویا حسنِ عبادت کی ایک نوع یا اس کا ایک حصہ اللہ کے ساتھ اچھا گمان رکھنا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو اللہ کے ساتھ وہ گمان رکھنا مناسب نہیں جو عام لوگ رکھتے ہیں کہ عملِ صالح چھوڑ کر اللہ پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اللہ کریم ہے، اللہ غفور رحیم ہے۔ وہ کرم، رحم اور مغفرت کر دیگا۔ یا حدیث میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی خبر کو مبتدا پر اہتمام خبر کی بنا پر مقدم کر دیا گیا۔ اصل عبارت یوں ہے حُسْنُ الْعِبَادَةِ مِنْ حُسْنِ الظَّنِّ۔ مطلب یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہے تو اس حسنِ ظن سے حسنِ عبادت کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ اور بندۂ مؤمن کیونکہ اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھتا ہے اسلئے خلوت و جلوت میں اچھی عبادت کرتا اور اس کی قبولیت کی امید رکھتا ہے۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ۔ اس کے برخلاف جو ترکِ عبادت کے باوجود معبودِ حقیقی کے ساتھ حسنِ ظن کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ دھوکہ میں ہے۔ امام غزالیؒ نے اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ ایک شخص بیج بو کر اللہ سے غلّہ کا امیدوار رہتا ہے تو یہ امید اور اللہ کیساتھ حسنِ ظن درست ہے۔ اور بغیر بیج بوئے اللہ کے ساتھ گمان رکھے کہ غلّہ پیدا ہو جائیگا تو یہ اللہ کیساتھ حسنِ ظن نہوا، بلکہ اس کو یہ حسنِ ظن کا دھوکہ ہے۔ بعض حضرات نے حدیثِ پاک کا مطلب یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں خیر و صلاح کا گمان رکھنا حسنِ عبادت میں داخل ہے۔ کیونکہ عبادت میں دو ہی فرض ہیں۔ ایک حقوق اللہ دوسرا حقوق العباد دونوں کو ادا کرنا حسنِ عبادت ہے۔ اور مسلمانوں سے اچھا گمان رکھنا ایک فرض (حقوق العباد) کا جزء ہے۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ اس معنیٰ کے پیشِ نظر مِنْ تبعیضیہ ہے ای من جملة عبادة الله والاخلاص فیها حسن المعاشرة مع عباده۔

یہ بھی ممکن ہے کہ مِنْ ابتدائیہ ہو ای حسنُ الظّنِّ بِعبادِ اللہ ناشئ من حسنِ عبادۃِ اللہ۔ یعنی توحید میں پختگی اور اللہ کی عبادت سے بندوں کے حقوق کی ادائیگی وجود میں آتی ہے۔ اور جو

اللہ کا یقین نہ رکھتا ہو اور اس کی عبادت کی پروا نہ کرتا ہو تو وہ اسکے بندوں کے حقوق کو کیسے ادا کرسکتا ہے۔

ایک سوال اور اسکا جواب

ابن عدیؒ نے اور طبرانیؒ نے اوسط میں ایک حدیث نقل کی ہے اِحْتَرِسُوا مِنَ النَّاسِ بِسُوْءِ الظَّنِّ (لوگوں سے بدگمان رہکر ان سے چوکس رہو) یہ حدیث بظاہر حدیث مذکور کے خلاف ہے۔ جواب یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں مؤمنوں سے حسن ظن کا حکم ہے، اور اس حدیث میں بعض انسانوں سے بدگمانی کا۔ لہٰذا دونوں میں تعارض نہ رہا۔ اسی لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ (بہت بدگمانی کرنے سے بچو۔) یہ نہیں فرمایا گیا کہ کسی سے بدگمانی نہ کرو۔ یا اوپر والی حدیث کا تعلق باطن سے ہے۔ اور دوسری حدیث کا ظاہر سے۔ یعنی دل سے بدگمانی نہ کرو، ہاں ظاہر میں محتاط رہو۔ اگر سب کو نیک سمجھکر آدمی غفلت کی نیند سو جائے تو جیب تراش سرمایہ لے جائیگا۔ اور اگر محتاط رہا ہر ایک سے یہ گمان رکھا کہ نہ معلوم ان میں سے کون چور ہے تو ایسا آدمی اپنی پونجی کی حفاظت کرلیگا۔

وَمِنْهَا تَغْيِيْرُ الْمُنْكَرِ

اور "ابواب بر" میں سے منکر کو بدل دینا ہے۔

(۲۵۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ

يَقُوْلُ مَنْ رَّاٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ

فرماتے تھے کہ تم میں جو بھی کسی منکر کو دیکھے تو اس کو چاہیئے کہ اس کو اپنی طاقت سے بدل ڈالے پھر اگر اسکو طاقت سے

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔ (مسلم ج۱ ص۵۱ مشکوٰۃ ص۴۳۶)

نہ بدل سکے تو اپنی زبان سے بدل دے اور اگر اسکی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل ہی سے بدل دے۔ اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے

(۲۵۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

وَسَلَّمَ لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ فِي الْمَعَاصِيْ فَنَهَتْهُمْ عُلَمَآؤُهُمْ

جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوگئے تو ان کے علماء نے اُن کو گناہوں سے روکا وہ

فَلَمْ يَنْتَهُوْا فَجَالَسُوْهُمْ فِيْ مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوْهُمْ وَشَارَبُوْهُمْ

باز نہیں آئے تو ان کے علماء نے ان کی مجلسوں میں ان کے پاس بیٹھنا اور انکے ساتھ کھانا پینا شروع

فَضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ

کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایکدوسرے کیساتھ ملادیا (اور یکساں کردیا) اور حضرت داؤدؑ و

عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ قَالَ فَجَلَسَ
حضرت عیسیٰؑ کی زبانی ان سب پر لعنت بھیجدی، یہ اسوجہ سے ہوا کہ انہوں نے حکم نہ مانا، اور انکو حد سے بڑھ جانیکی عادت
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ لَا وَالَّذِيْ
تھی ہی۔ ابن مسعودؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے اور وہ تکیہ (ٹیک) لگائے بیٹھے تھے
نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى تَاْطِرُوْهُمْ اَطْرًا ؕ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَقَالَ لَا حَتّٰى
پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے چھٹکارا نہ ہوگا جبتک کہ تم ان کو پھیر نہ دوگے۔ اور ایک روایت
تَاْخُذُوْا يَدَ الظَّالِمِ فَتَاْطِرُوْهُ عَلَى الْحَقِّ اَطْرًا۔ (ترمذی ۲۹/۲۲ مشکوٰۃ ۴۳۵)
میں یہ ہے آپنے فرمایا کہ چھٹکارا نہ ہوگا جبتک کہ تم ظالم کا ہاتھ نہ پکڑلو پھر اس کو حق پر نہ لوٹا دو۔

لغات | تَاْطِرُوْهُمْ اَطْرًا (ن ض) موڑنا، پھیرنا۔ اَطْرٌ الامالۃ والتحریف من جانب الی آخر۔

ترکیب | (۲۵۱) فَبِلِسَانِهٖ ای فلیغیّرہ بلسانہ وکذلك فَبِقَلْبِهٖ ومفعول فان لم یستطع التغییر بالید والتغییر باللسان علی الترتیب والترکیب ظاہر۔
(۲۵۲) لمّا الخ جملہ شرط فنهتهم جملہ اپنے دونوں معطوفوں فلم ینتهوا الخ اور فضرب اللہ الخ سے مل کر جزا۔ اور فجالسوھم الخ تینوں جملے آپس میں معطوفات مل کر فلم ینتهوا پر عطف اسی طرح ولعنہم کا اپنے ماقبل پر عطف ہے۔ اَطْرًا مفعول مطلق ہے تاکید کے لئے۔ وحتّی متعلقۃ بلا کانّ قائلا قال عند ذکرہ مظالم بنی اسرائیل ھل یعذر فی تخلیۃ الظالمین وشأنهم فقال لاحتّی تاطروھم وتاخذوا علی ایدیھم۔ والیمین معترضۃ بین لا وحتّی ولیست ھٰذہ بتلك التی یجیئ بها المقسم تاکیدًا القسمہ۔ واللہ اعلم

تشریح | (۲۵۱) فی النهایۃ المعروف اسم جامع لکل ما عرف من طاعات اللہ تعالیٰ والتقرب الیہ والاحسان الی الناس وکل ماندب الیہ الشرع ونهی عنہ من المحسنات والمقبحات وھو من الصّفات الغالبۃ ای امر معروف بین الناس اذا رأوہ لاینکروہ کالعدل وحسن الصّحبۃ مع الاھل وغیرھم من الناس والمنکر ضدہٗ والمعروف بالمعنی المذکور یعمّ النهی عن المنکر ایضًا ومرّ تحقیقهما من قبل فی ھٰذا الجزء۔
مَنْ رَاٰى ای عَلِمَ مِنْكُمْ اس میں اصالۃً صحابہؓ کو اور تبعًا پوری امت کو خطاب ہے۔ اور مِنْ

تبعیضیہ ہے جس سے اسکے فرضِ کفایہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کا نہیں ہے۔ بلکہ اسی کا ہے جو احسان کے مراتب اور منکرات کے تفاوت کو جانتا ہو۔ اور متفق علیہ اور مختلف فیہ مسائل کا علم بھی رکھتا ہو۔ اور یہ ارشاد ماخوذ ہے باری تعالیٰ کے قول وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ الآیۃ سے حاصل یہ ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی بشرطِ اہلیت کسی منکر کو دیکھے تو اس کو اپنی طاقت سے روکدے۔ اس طاقت کو ہاتھ سے تعبیر کر دیا گیا۔ کیونکہ اکثر افعال ہاتھ ہی سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور اسی سے طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر اس کی طاقت نہو۔ اسوجہ سے کہ مرتکبِ منکر اس سے قوی ہے یا نکیر کے نافع ہونے کی امید نہیں۔ یا اس کے نتیجہ میں ناقابلِ برداشت مصیبت یا فتنہ زائد ہو جانے کا اندیشہ ہے تو زبان ہی سے منع کر دے۔ اس طرح پر کہ اس منکر کے نتائج بد سے آگاہ کرے، اس سلسلہ کی وعیدیں سُنائے، اور حق تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائے۔ اور اگر وجوہِ مذکورہ میں سے کسی وجہ کی بنا پر اس کا بھی موقع نہو تو دل ہی سے انکار کرے اس طرح پر کہ اس منکر کو دل سے بُرا جانے، اور اپنی قلبی توجہات اور دُعاؤں کو اس منکر کے مٹانے پر صرف کرے۔ اور یہ انکار بالقلب ایمان کا کمترین درجہ ہے۔ اس کے بعد ایمان کا کوئی شعبہ و مرتبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ مِّنْ خَرْدَلٍ (اسکے بعد ایک رائی کے دانہ کی برابر بھی ایمان نہیں) وجہ یہ ہے کہ بُرائی اور گناہ کو بُرا نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔

بعض حضرات وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ کا مطلب یہ بتاتے ہیں، وَذٰلِكَ اَضْعَفُہٗ مِنَ الْاِيْمَانِ یعنی انکارِ قولی تک کی عدمِ استطاعت، اور صرف دِل میں بُرائی کو بُرا سمجھنا اُس وقت ہوگا جبکہ اہلِ ایمان کو نکیر کی قدرت اور نہی عن المنکر کرنے والے کی اعانت کی طاقت نہ رہیگی۔ یا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو بُرائی کو صرف دِل سے بُرا جانتا ہے، ہاتھ اور زبان سے بُرائی کو نہیں مٹاتا وہ اہلِ ایمان میں سب سے زیادہ کمزور ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ قوی اور متصلبُ الایمان ہوتا تو انکارِ قلبی پر اکتفاء نہ کرتا۔ قویُ الایمان لوگوں کے بارے میں قرآن میں ہے وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ اور حدیث میں ہے اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ۔ بعض علماء کا قول ہے کہ حدیث میں تین مرتبوں کا ذکر تین قسم کے لوگوں کے لئے ہے۔ اوّل امراء کے لئے۔ ثانی علماء کے لئے۔ اور ثالث عوام کے لئے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے مراتب و شرائط پہلے گذر چکے۔

(۲۵۲) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آداب و شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہی عن المنکر ضرور کرنی چاہیئے اور ظالم کو ظلم سے ہٹا کر حق پر ضرور لانا چاہیئے۔ ورنہ تو اس فریضہ کو فراموش کرنے کا بُرا نتیجہ یہ ہوگا کہ قلوب سے منکرات کی بُرائی جاتی رہیگی۔ اور یہ لوگ بھی منکرات کا ارتکاب کرکے ان جیسے ظالم و فاسق بن جائیں گے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے علماء کا یہی حال ہوا۔ اس حدیث

سے یہ بھی معلوم ہوا کہ منکر سے منع کرنا جس طرح فرض ہے اسی طرح منکر میں شمولیت سے اور منکرات کے مرتکب لوگوں کی صحبت اور ان کے اختلاط سے بچنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ ان کی صحبت و اختلاط کے نتیجہ میں منکرات میں مبتلا ہو کر نافرمان بن جانے کا اندیشہ ہے۔

وَمِنْهَا السَّتْرُ عَلَى الْمُسْلِمِ

اور ابواب بر میں سے مسلمانوں کی پردہ پوشی بھی ہے۔

(۲۵۳) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت عقبہ بن عامرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ

مَنْ رَأَى عَوْرَةً فَسَتَرَهَا كَانَ كَمَنْ أَحْيَى مَوْءُودَةً (ابوداؤد ج۲ ص۳۲۳ و مشکوٰۃ ص۴۲۴)

جو کسی کا ستر دیکھے اور اس کو چھپائے تو وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے کسی زندہ درگور ہونیوالی لڑکی کو بچا لیا۔

تشریح (۲۵۳) عورت کے معنیٰ ہیں مایکرہ الانسان ظہورہٗ (جس کا ظاہر ہونا انسان کو ناگوار ہو) مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کے عیب پر یا کسی برائی پر واقف ہو اور اس کو چھپالے یا کسی مسلمان آدمی کا ستر نیند یا غفلت کی حالت میں کھل جائے۔ اور وہ اس کو اسی کے کپڑے سے یا اپنے کپڑے سے ڈھک دے۔ یا کسی برہنہ مسلمان کو کپڑا پہنا کر اس کی برہنگی کو چھپا دے، تو اس کو اتنا ثواب ملیگا جتنا اس شخص کو ملتا ہے جو کسی ایسی لڑکی کی جان بچالے جس کو زندہ درگور کیا جارہا ہو۔ بعض نے موؤدہ کا مطلب بیان کیا ہے نفسًا مَوْءُوْدَةً یعنی اس شخص جیسا ثواب ملیگا جس نے یہ دیکھا کہ ایک زندہ آدمی کو قبر میں دفن کیا جارہا ہے تو اس مدفون کو اس نے قبر سے نکال کر یا کسی تدبیر کے ذریعہ ان دفن کرنیوالوں کے ہاتھوں سے چھڑا کر موت سے بچا لیا ہو۔

اور وجہ تشبیہ اس میں یہ ہے کہ وہ شخص جس کی بے عزتی کردی گئی یا وہ رسوا ہو گیا تو مردہ کی طرح ہو گیا۔ کیونکہ جب انسان ذلیل ہوتا ہے تو موت کو پسند کرتا ہے۔ مقولہ مشہور ہے "کہ ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے"، تو جب کسی نے اس کو اس ذلت و رسوائی سے بچا لیا تو گویا اس حالت سے نجات دیدی جو موت کے درجہ میں تھی۔ یا وجہ تشبیہ نسبت تباین اور مناسبت ضدیت ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ من ستر ماشرع اللّٰہ سترہٗ کمن رفع الستر عما لم یشرع سترہٗ۔ (مشروع چیز کو چھپا لینا ایسا ہے جیسا کہ غیر مشروع چیز کو کھولنا) یا وجہ تشبیہ اصلاح الفساد ہے فلا اشکال واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ وجہ شبہ امر عظیم ہے یعنی ستر مسلم بھی ایسا ہی امر عظیم ہے جیسا کہ احیاء موؤدہ امر عظیم ہے۔ قلت وھٰذا المعنی لاینافیہ اعتبار وجہ الشبہ فیما سبق۔

وَمِنْهَا الشَّفَقَةُ وَالرَّحْمَةُ عَلٰى خَلْقِ اللّٰهِ

اور "ابواب بر" میں سے اللہ کی مخلوق پر شفقت ورحمت بھی ہے۔

(۲۵۴) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ وَعِنْدَهُ اَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ جَالِسٌ فَقَالَ

حسن بن علیؓ کو چوما اور آپکے پاس اقرع بن حابسؓ بیٹھے تھے

الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ اِنَّ لِيْ عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا فَنَظَرَ

اقرع بن حابسؓ نے کہا کہ میرے تو دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کو بھی نہیں چوما تو

اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھا پھر فرمایا جو رحم نہیں کرتا اسپر رحم نہیں کیا جاتا۔

(بخاری ص۸۸۷ مشکوٰۃ ص۴۲۰)

(۲۵۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک گاؤں والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔

فَقَالَ اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ فَمَا نُقَبِّلُهُمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور کہا کیا آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں ہم تو بچوں کو نہیں چومتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

وَسَلَّمَ اَوَ اَمْلِكُ لَكَ اَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ۔ (بخاری ج۲ ص۸۸۷ مشکوٰۃ ص۴۲۱)

فرمایا کیا مجھ کو تیرے لئے کچھ اختیار ہے اگر اللہ تعالیٰ نے تیرے دل سے نرمی نکال لی۔

(۲۵۶) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَ صَبِيًّا فِيْ

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچہ کو اپنی گود میں رکھ لیا۔

حَجْرِهٖ فَحَنَّكَ فَبَالَ عَلَيْهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهٗ۔ (بخاری ج۲ ص۸۸۸)

پھر تحنیک کی تو اُسنے آپ پر پیشاب کر دیا آپنے پانی منگا کر اسپر ڈال دیا۔

(۲۵۷) عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت سُراقہ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا

کیا میں تجھ کو بہترین صدقہ نہ بتادوں؟ وہ تیری بیٹی ہے جو تیری جانب واپس کر دی گئی جس کے لئے

كَاسِبٌ غَيْرُكَ۔ (ابن ماجہ ص۲۶۹ مشکوٰۃ ص۴۲۵)

تیرے سوا کوئی کمانے والا نہیں۔

(۲۵۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُنِي
حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی جسکے ساتھ اسکی دو بچیاں تھیں جو مجھ سے سوال کرتی تھی
فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ
تو اسنے میرے پاس ایک چھوارہ کے سوا کچھ نہ پایا میں نے اس کو وہی ایک چھوارہ دیدیا تو اس کو اُس نے اپنی دونوں بچیوں کے
ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ فَدَخَلَ النَّبِيُّ
درمیان تقسیم کردیا اور اسمیں سے خود نہ کھایا پھر وہ اُٹھکر چلی گئی اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ فَقَالَ مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ
تشریف لے آئے تو میں نے آپ کو اُس کا قصہ سُنایا آپنے فرمایا کہ جو اِن لڑکیوں میں کسی طرح بھی
بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ۔ (بخاری ص۸۸۸ مشکوٰۃ ص۴۲۱)
مبتلا کیا جائے اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ اسکے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ
کہ رحم کرنیوالوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر
فِي السَّمَاءِ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۴ مشکوٰۃ ص۴۲۳)
رحم کرے گا۔

(۲۶۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْهُ
کہ ایک مرتبہ ایک شخص چلا جارہا تھا تو اس کو سخت پیاس لگی وہ کنویں میں اترا اور اس سے پانی پی کر باہر
ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا هُوَ بِكَلْبٍ يَلْهَثُ وَيَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ
نکلا تو ایک کتے کو دیکھا کہ وہ ہانپ رہا ہے اور پیاس کی وجہ سے تر مٹی کھا رہا ہے تو اسنے کہا کہ اسکو
لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا مِثْلُ الَّذِي بَلَغَ لِي فَنَزَلَ بِئْرًا فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ
ایسی ہی تکلیف پہونچ رہی ہے جیسی مجھ کو پہونچی تھی۔ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے موزہ کو پانی سے بھر کر
أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ ثُمَّ رَقِيَ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوْا
اسکو اپنے منہ سے تھاما اور اوپر کو چڑھ آیا اور اس کتے کو پانی پلادیا اللہ تعالیٰ نے اسکا یہ عمل قبول فرماکر اسکی
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا قَالَ فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ۔ (بخاری ج۱ ص۳۱۸)
مغفرت کردی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ کیا جانوروں میں بھی ہمکو ثواب ملیگا فرمایا ہر تر جگر والے (کی خدمت) میں ثواب ہے۔

(۲۶۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت
عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰی مَاتَتْ جُوْعًا فَدَخَلَتْ فِیْهَا
کو ایک بلی کیوجہ سے عذاب دیا گیا اُسنے ایک بلی کو بند کر لیا تھا یہانتک کہ وہ بھوکی مرگئی تو وہ عورت اسکی وجہ سے دوزخ
النَّارَ قَالَ فَقَالَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ لَا اَنْتِ اَطْعَمْتِیْهَا وَلَا سَقَیْتِیْهَا
میں چلی گئی آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ نہ تونے اسکو کھلایا اور نہ اس کو پلایا
حِیْنَ حَبَسْتِیْهَا وَلَا اَنْتِ اَرْسَلْتِیْهَا فَاَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ
جب تونے اس کو بند کیا تھا اور نہ تونے اس کو چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھالیتی۔؟
(بخاری ص۴۱۵/۱ مشکوٰۃ ص۱۶۸)

(۲۶۲) عَنْ اَنَسٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت انس وحضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ
اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِهٖ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۵)
مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کا سب سے زیادہ چہیتا وہ ہے جو اُسکے کنبہ کیساتھ اچھا سلوک کرے۔

(۲۶۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے منقول ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری آدمی
دَخَلَ حَائِطًا لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا جَمَلٌ فَلَمَّا رَاَی النَّبِیَّ
کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ تھا جب اونٹ نے نبی کریم صلی اللہ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَیْنَاهُ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی
علیہ وسلم کو دیکھا تو رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ هٰذَا الْجَمَلِ
اس اونٹ کے پاس آئے اور اسکی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہوگیا پھر آپنے فرمایا کون ہے اس
لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ فَجَاءَ فَتًی مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اونٹ کا مالک، کس کا ہے یہ اونٹ؟ تو ایک انصاری جوان نے آکر کہا کہ میرا ہے یہ، اے رسول خدا!
قَالَ اَفَلَا تَتَّقِی اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ الْبَهِیْمَةِ الَّتِیْ مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِیَّاهَا
آپنے فرمایا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے ہو اس بے زبان جانور ... کے بارے میں اللہ نے جس کا مالک تمہیں بنادیا ہے۔
فَاِنَّهٗ شَكَا اِلَیَّ اَنَّكَ تُجِیْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ۔ (ابوداؤد ص۳۵۲/۱ مشکوٰۃ ص)
کیونکہ اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اسکو بھوکا رکھتے ہو اور اس کو تھکاتے ہو۔

(۲۶۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهُ قَالَ كُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَّا نُسَبِّحُ
حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ہم جب کسی منزل پر اترتے تو اسوقت تک نماز نہ پڑھتے تھے
حَتّٰى نَحُلَّ الرِّحَالَ۔ (ابوداؤد ص۳۵۲ ج۱)
جبتک کجاوے نہ کھولدیتے۔

لغات قَبَّلَ تفعیل سے بوسہ دینا، چومنا۔ (س) قبول کرنا، پسند کرنا۔ نَزَعَ نزعًا (ض) اکھیڑنا، کھینچنا، معزول کرنا، اتارنا۔ نُزُوعًا باز رہنا، مشابہ ہونا۔ (ف) مشتاق ہونا وغیرہ۔ حَجْرًا (ن ض) منع کرنا، روکنا، دفع کرنا، فاصلہ کرنا۔ حِجْرٌ گود، حرام، عقل، گھوڑی۔ حُجُورٌ، حُجُورَةٌ، اَحْجَارٌ۔ حَجَرٌ پتھر ج اَحْجَارٌ حِجَارَةٌ، اَحْجُرٌ۔ حَنَّكَ تفعیل سے چباکر نرم بنانا۔ تحنیک کہتے ہیں کھجور، چھوارہ چباکر منہ کا لعاب نومولود کے حَنَک یعنی تالو میں لگانے کو۔ (ن ض) سمجھنا، چباکر نرم کرنا، الفرس گھوڑے کے منہ میں رسی لگانا۔ مہذب بنانا، غالب ہونا وغیرہ اُبْتُلِيَ صیغہ واحد مذکر غائب مجہول۔ (ن) آزمانا، مبتلا کرنا۔ اَلْعَطَش پیاس (س) پیاسا ہونا، مشتاق ہونا۔ اَلْعَطِش و اَلْعَطْشُ پیاسا۔ يَلْهَثُ (س) پیاسا ہونا، ہانپتے ہوئے کتے کا زبان نکالنا۔ صفت مذکر لَهْثَان كَعَطْشَان والمؤنث لَهْثٰى كَعَطْشٰى۔ الثَّرٰى ثَرِيَ (س) خشک ہونے کے بعد تر و نرم ہونا۔ عِيَالٌ وعَيَائِل وعَالَة جمع عَيِّل گھر کے لوگ جن کا نان ونفقہ ذمہ واجب ہو۔ عَالَ عَوْلًا (ن) کثیر العیال ہونا، ظلم کرنا، خیانت کرنا، کجرو ہونا۔ حَائِطًا دیوار، باغ ج حِيْطَان وحِيَاطٌ (ن) گھیر لینا، حفاظت ونگہبانی کرنا۔ حَنَّ (ض) خوشی یا غم سے آواز نکالنا، مشتاق ہونا، مہربان ہونا (ن) پھیرنا باز رکھنا۔ ذَرَفَتْ (ض) بہنا، بہانا، سست چال چلنا۔ خبردار کرنا۔ بڑھ جانا۔ تُدِيْبُهُ افعال سے تھکانا، عاجز بنانا، جبر کرنا (ن) کوشش کرنا، مشقت اٹھانا۔ نَحُلّ (ن) کھولنا۔

ترکیب (۲۵۴) الحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ قَبَّلَ کا مفعول بہ وَعِنْدَهُ الخ خبر مقدم ومبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ حالیہ۔ (۲۵۵) تُقَبِّلُوْنَ الصِّبْيَانَ ہمزۂ استفہامیہ محذوف۔ جملہ فعلیہ انشائیہ۔
اَوَ اَمْلِكُ لَكَ بفتح الهمزة الاستفهامية الانكارية و واو العاطفة او الرّابطة۔
اَنْ نَزَعَ اللّٰهُ بفتح همزة اَنْ فهو مع الفعل مصدر وقع موقع الظرف وفى نسخة بكسرها فانْ شرطية دلّ على جزائها ما قبلها و المعنى فى الصّورة الاولى بتقدير المضاف۔ لا املك لك دفع نزع الله من قلبك الرحمة اولا اَمْلِكُ لَكَ اَنْ اَصْنَعَ فِيْ قَلْبِكَ مَا نَزَعَهُ اللّٰهُ مِنْهُ مِنَ الرَّحْمَةِ وفى الثانية ان نزع الله من قلبك

الرّحمۃ لا املك لك دفعہٗ ومنعہٗ۔ واللہ اعلم۔

(۲۵۶) پانچوں جملے فعلیے مل کر اَنّ کی خبر ہے۔ اور چاروں فائیں برائے تعقیب وعطف ہیں۔

(۲۵۷) لیس لھا الخ جملہ حالیہ یا مستانفہ ہے۔

(۲۵۸) ومعھا ابنتان مبتدا مؤخر خبر مقدم جملہ اسمیہ امرأۃ سے حال اور جملہ تسألھا بھی اسی سے حال ہے۔ غیر تمرۃٍ واحدۃٍ مرکب اضافی مبتدا مؤخر۔ عندی خبر مقدم فلم تجد کے دو مفعولوں کے قائم مقام۔ مَنِ ابتُلِیَ الخ شرط کنّ الخ جزا۔

(۲۵۹) الرّاحمون مبتدا۔ یرحمھم الرّحمٰن جملہ فعلیہ خبر۔

(۲۶۰) یاکل الثّری من العطش فعل، فاعل ضمیر، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ ضمیر یلھث سے حال۔

تشریح رحمت کے معنی رقّتِ قلب کے ہیں۔ اور اسی نرم دلی کا ثمرہ مہربانی اور ہمدردی ہے۔ اسی ثمرہ ونتیجہ پر لفظِ رحمت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور الشفقۃ اسم ہے جو ماخوذ ہے اِشفاق سے جس کے اصل معنی خوف کے آتے ہیں۔ اور عرف میں ایسی توجہ کو کہتے ہیں جس میں خوف کی جھلک بھی ہو۔ مُشفِقْ، مشفَق علیہ سے محبت کرتا ہے۔ اور اس کی دنیوی واخروی مشقتوں سے اندیشہ بھی کرتا ہے۔

(۲۵۴) انّ لی عشرۃً مّن الولدِ۔ بفتحتین ویجوز ضمّ الواوِ وسکون اللام بمعنی الاولاد۔ فنظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای نظر تعجّب اَوْ نظر غضب۔ مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمْ۔ بسکون المیم وضمھا۔ قال الطیبی یجوز فیہ الجزم والرّفع علی انّ مَنْ شرطیۃ اَوْ موصولۃ۔ ومعنی الحدیث من لم یشفق علی الاولاد لا یرحمہ اللہ تعالیٰ والرحمۃ اعمّ من الشفقۃ وحذف المفعول لیذھب الفھم کلّ المذھب۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اپنے چھوٹے بچہ کا رخسار چومنا واجب ہے۔ اسی طرح رخسار کے علاوہ اطراف بدن وغیرہ کو شفقت ومحبت اور لطف ورحمت کے جذبہ سے چومنا سنت ہے۔ وہ اپنا بچہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ اسی طرح اپنے دوستوں اور عزیزوں کے بچوں کو محبت سے پیار کرنا سنت ہے۔ ہاں شہوت سے کسی بھی بچہ کو چومنا بالاتفاق حرام ہے۔ وکون تقبیل الرجل خدَّ وَلدِہٖ الصّغیر واجبًا یحتاج الی حدیثٍ صریحٍ صحیحٍ اوقیاسٍ صحیحٍ۔ والصحیح عندنا التقبیل سنۃ۔

(۲۵۵) اوپر والی حدیث کی تشریح سے اس کا مطلب بھی واضح ہوگیا۔

(۲۵۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی سے پیار کرتے تھے خصوصًا بچوں سے آپکو بہت پیار تھا۔ عورتیں اپنے نومولود کو دعائے برکت اور تحنیک کے لئے لاتیں تو آپ اس کو اپنی آغوش

مبارک میں لے لیتے۔ اور تحنیک و دُعائے برکت فرماتے۔ مشکوٰۃ ص۵۱ میں ہے۔ ام قیس بنتِ محصن خود اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے چھوٹے سے بچہ کو جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا آپ کی خدمت میں لے گئی۔ آپنے اس کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ اس بچہ نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کردیا تو آپنے پانی منگا کر اس کپڑے کو معمولی طریقہ پر دھولیا۔ اس حدیثِ عائشہ میں فدعا بماءٍ فاتبعہٗ ہے۔ اور ام قیس کے واقعہ میں فدعا بماءٍ فنضحہٗ ولم یغسلہ ہے مطلب دونوں کا یہ ہے کہ آپنے دھونے میں زیادہ مبالغہ نہیں فرمایا۔ اور غسلِ خفیف پر اکتفاء کیا۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے بچہ کے پیشاب میں جو کھانا نہ کھاتا ہو زیادہ بدبو نہیں ہوتی جس کو زائل کرنے کے لئے خوب دھویا جائے۔

احناف کے نزدیک بچوں کا پیشاب بھی ناپاک ہے۔ خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ ومن قال ھوطاھر فقد اَخطأ۔ قال علی القاری وفی الحدیث دلیل علیٰ استحباب حمل الاطفال الی اھل الفضل والکمال للتبرک سواء کانوا فی حال الولادۃ اوغیرہ وفیہ الندب الیٰ حسن المعاشرۃ واللین والتواضع بالصغار وغیرھم قالہ الطیبیؒ۔

(ف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں سے پیار کرتے اور ان کو گود میں لے لیتے تھے۔ آپ کی گود میں متعدد بچوں نے پیشاب کیا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ بچوں نے آپ کی گود میں پیشاب کیا ہے۔ حضرتِ حسنؓ، حضرتِ حسینؓ، حضرتِ عبد اللہ بن الزبیرؓ، حضرتِ عبد اللہ بن ام قیسؓ، حضرتِ سلیمانؓ۔ حجۃ الاسلام حضرتِ مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ نے ان کو ایک شعر میں جمع فرمایا ہے ؎

بائل بحجر احمدؐ ابن الزبیرؓ ہست ٭ ہم ابن ام قیسؓ، سلیمانؓ، حسنؓ، حسینؓ

(۲۵۷) ابنتک مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ای ھو صدقتھا مردودۃ منصوب علی الحالیۃ ہے ای رُدّت الیک بالطلاق لیس لھا کاسب ای مُنفِق علیھا غیرک بالرفع علی الوصفیۃ وفی نسخۃ بالنصب علی الاستثناء لکنہ ضعیف لان الصحیح فی ذی الحال ان یکون معرفۃ مطلب حدیث کا ظاہر ہے کہ اپنی لڑکی جو مطلقہ ہوکر واپس ہوگئی ہو اور بے سہارا ہو اس پر خرچ کرنا بہترین صدقہ ہے۔ کیونکہ اس میں بے سہارا مسکینہ پر خرچ کرنے کے علاوہ صلہ رحمی بھی ہے۔ حدیث میں ہے الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وھی علیٰ ذی الرحم ثنتان صدقۃٌ وصلۃٌ۔

(رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ص۱۷۱)

(۲۵۸) حضرتِ عائشہؓ نے سائلہ کو ایک چھوارہ ہی عطا فرمادیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تھوڑی چیز ہی اگر موجود ہو تو راہ خدا میں اس کو دیدینا بھی باعثِ ثواب ہے۔ مقدارِ قلیل کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ وہی اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول اور بہانۂ بخشش ہوجائے۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ

ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ (جو شخص ایک ذرّہ برابر نیکی کریگا وہ اس کو بھی دیکھ لیگا) کوئی نیکی ضائع نہ ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس کتاب کے شروع میں آچکا ہے اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ۔ یہ ماں کی ما متا تھی کہ خود بھوکی ہونے کے باوجود اپنی دونوں لڑکیوں کو آدھا آدھا چھوارہ کھلا دیا حضرت عائشہؓ نے جب یہ واقعہ سرکار سے بیان کیا تو آپنے اس کی تصویب فرمائی۔ اور لڑکیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ جس کو لڑکیاں ملیں (اور اس کو امتحان و ابتلاء سے تعبیر فرمایا کیونکہ انپر خرچ ہی کیا جاتا ہے، اور ان کے لئے مشقتیں ہی برداشت کی جاتی ہیں۔ نفع کی توقع ان سے نہیں ہوتی) اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ یعنی ان کی تعلیم و تربیت کرے، ان کو لڑکوں سے حقیر نہ سمجھے، اور ان کا اچھی جگہ (جہاں ان کو راحت میسّر ہو۔ اور دینداری پر قائم رہیں ایسی جگہ) نکاح کر دے، تو اس مؤمن کو دوزخ سے نجات ہوجائیگی، گویا وہ لڑکیاں جہنم کے اور اس کے درمیان آڑ بنجائیں گی۔ وجہ یہ ہے کہ لڑکیاں لڑکوں سے زائد احسان کی محتاج ہوتی ہیں۔ توجس نے ان کو اپنے احسان میں چھپالیا اور ان کو ذلت وعار سے بچالیا تو اسکو اللہ تعالیٰ دوزخ سے چھپالیں گے اور عذاب نار سے بچالیں گے جیسا عمل ویسا ہی اس کا پھل —

والظاهر ان الثواب المذكور يحصل لفاعله اذا استمر عليه الى ان يحصل استغناؤهن عنه بزوج اوغيره۔ والله اعلم

(۲۵۹) رحم کرنے والے چونکہ رحمتِ باری کے مظاہر اور متخلق باخلاق اللہ ہیں، اسلئے وہ لوگ رحمت ربّانی کے مرکز و مہبط ہوتے ہیں۔ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ میں بڑا عموم ہے جو مخلوق کی تمام اصناف کو شامل ہے۔ یعنی رحم کے مستحق انسان، غیر انسان، ابرار، فجار، حیوانات، طیور و وحوش سب ہیں۔ اور لفظ مَنْ ذوی العقول کو اُن کے شرف کی بنا پر غیر ذوی العقول پر غلبہ دیکر لایا گیا ہے۔ یا مَنْ فِی السَّمَآءِ کے مقابلہ کی وجہ سے، یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ اس کو جواب کیوجہ سے مجزوم بھی پڑھ سکتے ہیں اور استیناف کیوجہ سے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اور مَنْ فِی السَّمَآءِ کا مطلب ہے مَن ملكہ الواسع وقدرتہ الباهرة في السّماء اومَن امرهٗ نافذ في السّماء والارض۔ اور والارض کو حذف کرکے صرف السّماء کو ذکر فرما دیا گیا۔ اور ایسا محاورات عرب میں رائج ہے۔ کہ احد الشیئین کو حذف کرکے صرف ایک کے ذکر پر اکتفار کر لیتے ہیں۔ اور آسمان کو خصوصیت سے اس کی وسعت و شرافت اور رفعت کی وجہ سے ذکر کر دیا گیا۔ دوسرے آسمان زمین کو محیط ہے اور زمین محاط ہے۔ اور محیط میں محاط خود بخود آجاتا ہے۔ بعض شراحِ حدیث کا قول ہے کہ مَنْ فِی السَّمَآءِ کا مصداق ملائکہ ہیں، تو مطلب یہ ہوگا کہ رحم کرنیوالوں سے فرشتے پیار کرتے اور ان کے لئے دعائے مغفرت و رحمت کرتے ہیں کما قال تعالیٰ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یقولون رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَۃً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ

لِلَّذِيْنَ تَابُوْا۔ الآية (سورة الغافر)
اسی لئے وہ اُن کو اُن کے دشمنوں اور موذیوں سے بچاتے ہیں وغیرہ۔ لیکن اول معنیٰ یعنی مَنْ فِی السَّمَآءِ سے مراد حق تعالیٰ شانہ ہیں، زیادہ ظاہر ہیں۔ اور آسمان کی خصوصیتِ ذکر کی وجہ مذکور ہوگئی۔ نیز فرشتوں کی رحمت و محبت اللہ کی رحمت کی فرع ہے، اصل رحمت حق ہی ہے۔

(۲۶۰) اس حدیث میں مَنْ فِی الْاَرْضِ کے عموم کو بیان فرمایا گیا کہ ایک کتے کو پانی پلانے اور اس ایک حیوان پر رحم کرنے پر حق تعالیٰ نے اس شخص کی مغفرت فرمادی جس نے کتے پر رحم کھاکر اس کو پانی پلادیا تھا۔ اور جب صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ جانوروں پر رحم کھانے میں بھی ہم کو ثواب ملیگا؟ تو آپ نے فرمایا، ہر جاندار پر رحم کرنے اور اس کی خدمت کرنے میں اجر ہے فِیْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ سے مراد جاندار ہے۔ اسی قسم کا واقعہ احادیث میں ایک فاحشہ عورت کا بھی آتا ہے کہ اس عمل سے اس کی بھی مغفرت ہوگئی تھی۔ (مشکوٰۃ ص۱۶۸)

(۲۶۱) جس طرح حدیثِ بالا میں رحم کرنے کی فضیلت واہمیت مذکور ہے۔ اس حدیث میں رحم نہ کرنیکی وعید اور مذمت ہے۔ کہ ایک عورت اسوجہ سے جہنم رسید ہوگئی کہ اس نے ایک بلّی پر ظلم کیا تھا کہ اس کو باندھ کر ڈالدیا تھا نہ اس کو کھانے پینے کے لئے کچھ دیا نہ آزاد کیا کہ وہ حشراتُ الارض اور کیڑے مکوڑے کھاکر گذر کرلیتی۔ حضرتِ اسماء بنت ابی بکرؓ کی روایت میں ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں جب دوزخ اور جنّت کا مشاہدہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلّی کو بند کرنے والی عورت کو دوزخ میں دیکھا۔ کہ وہ بلی اس عورت کو نوچ رہی ہے۔ (بخاری شریف ص۳۱۸)
اس روایت میں فقال واللہ اعلم کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ راوی کو آگے کے الفاظ پورے طور پر محفوظ نہیں تھے۔ اسلئے احتیاطاً واللہ اعلم کہدیا۔ خَشَاش میں خاء پر تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ البتہ مشہور فتحہ ہے۔ اور خشاش الارض سے مراد حشرات الارض یعنی زمین پر رینگنے والے کیڑے مکوڑے ہیں جن میں چوہے وغیرہ بھی داخل ہیں اور چھوٹے چھوٹے پرندے بھی۔ یہ روایت کچھ اضافہ کے ساتھ مسلم شریف میں حضرتِ جابرؓ سے مروی ہے۔ کذا فی المشکوٰۃ ص۴۵۶) وایضاً فی المشکوٰۃ ص۱۶۸ عن ابن عمرؓ وابی هریرةؓ۔

(۲۶۲) حضرتِ انسؓ وحضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ دونوں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا الخلق عیال اللہ۔ عیال بکسر العین من یعوله ویقوم برزقه وانفاقه آدمی کے بال بچوں اور کنبہ کو عیال اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ انپر خرچ کرتا اور ان کے رزق کی کفالت کرتا ہے انسان تو ظاہری طور پر روزی رساں اور ذمہ دار ہوتے ہیں، ورنہ حقیقۃً رزاق وہی خالق برحق ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ اس لئے

حقیقت میں مخلوق اس مالک وخالق ہی کے عیال ہیں۔ خیر الناس انفعھم للناس کے اصول سے سب سے بہتر اور اللہ کا محبوب ترین وہی بندہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ بہترین سلوک اور زیادہ احسان کرے۔ چنانچہ جامع صغیر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں فاحبھم الی اللہ انفعھم لعیالہ۔ (مرقات ۱۳۶ ج ۹) یاد رہے کہ اس حدیث میں لفظ الخلق سے عموم اور شمول معلوم ہوا جیساکہ (۲۶۰) میں مَنْ فِی الْاَرْضِ کے ذیل میں مذکور ہوا۔

(۲۶۳) اس حدیث کا شروع حصہ اس طرح ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ اَرْدَفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلْفَہٗ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَسَرَّ اِلَیَّ حَدِیْثًا لَا اُحَدِّثُ بِہٖ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ وَکَانَ اَحَبَّ مَا اسْتَتَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِہٖ ھَدَفًا اَوْحَائِشَ نَخْلٍ فَدَخَلَ الخ

عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی سواری (ای علی بغلتہ کما فی روایۃ) پر اپنے پیچھے سوار کیا پھر چپکے سے ایک بات فرمائی میں وہ کسی سے بیان نہ کرونگا (کیونکہ وہ حضور کا راز تھا) اور آپ کو یہ بات پسند تھی کہ جتنا بھی اپنی انسانی حاجت کیلئے چھپ سکیں کسی اونچی عمارت یا گنجان کھجوروں کی آڑ میں اتنا چھپ جائیں۔ چنانچہ اسی غرض سے آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ نے جب آپ کو دیکھا تو آواز سے روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا (ذِفْرا بکسر الذال کان کے پیچھے کی ہڈی کہتے ہیں اس کی تثنیہ ذِفْرَیانِ اور جمع ذِفَارِیْ اور ذِفْرَیَات آتی ہے) تو اس کو سکون ہوا اور وہ خاموش ہوگیا۔ آپنے فرمایا کون ہے اس اونٹ کا مالک؟ اور پکار کر فرمایا کس کا ہے یہ اونٹ؟ تو ایک انصاری جوان نے آکر کہا کہ یہ میرا ہے (اس جوان کا نام معلوم نہیں) تو آپنے اس جوان کو تنبیہ فرمائی کہ یہ اونٹ شکایت کررہا ہے کہ تم اس کو بھوکا مارتے ہو۔ اور کام زیادہ لیکر اسکو تھکا دیتے ہو۔ کیا تم ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس نے تم کو انکا مالک بنادیا ہے۔ کہ وہ ان کے حقوق کے بارے میں تم سے بازپرس کریگا۔

یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حیوانات تک کو بھی حاصل تھی۔ نیز اس میں حیوانات کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم وترغیب بھی ہے۔

(۲۶۴) اسی تعلیم وتربیت اور بہائم کے بارے میں حسنِ سلوک کی تاکید وترغیب کا نتیجہ تھا کہ حضرتِ انس صحابۂ کرام کی عادت کا ذکر فرماتے ہیں کہ ہم جہاں اپنی سواریوں سے اُترتے تو ہم نماز کا اہتمام بعد میں کرتے پہلے ان کی پیٹھوں سے کجاوے، پالان اور سروسامان اُتار کر ان کو آزاد کردیتے تھے۔

تا کہ وہ آرام کرلیں اور گھاس پات چرلیں۔

امام نوویؒ و امام داؤدیؒ فرماتے ہیں کہ حسنِ سلوک ان بہائم کے ساتھ خاص ہے۔ جن کے قتل کا حکم نہیں ہے خنزیر اور موذی واجب القتل جانوروں کو کھلانے پلانے کا مطلب ان کو قوت اور حیوٰۃ دینا ہے۔ اور اس سے مزید ضرر کا اندیشہ ظاہر ہے۔ ابن تینؒ فرماتے ہیں کہ ان نصوص (مثلاً فی کل کبد رطبۃ اجرٌ وغیرہ) کو بہائم محترم کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ نصوص کو ان کے عموم پر جاری رکھا جائے، ہاں سلوک الگ الگ ہوگا۔ موذی جانوروں کو کھلا پلا کر قتل کیا جائیگا۔ ان کا مُثلہ نہ کیا جائیگا اور ایک دم قتل کردیا جائیگا۔ قتل میں ان کو زائد اذیت نہ دی جائے گی وغیرہ۔ اور بہائم محترم کو قوت وحیات کے لئے کھلایا پلایا جائے، اور ان کی ہر طرح قدر کی جائے۔ وھٰذا ھو الاصح عندی واللہ اعلم۔

حضرتِ حسن بن علیؓ

اسم گرامی حسن کنیت ابو محمد ہے۔ علی بن ابی طالب کے فرزند ارجمند۔ فاطمۃ الکبریٰ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپؐ کے ریحان (پھول) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اصح قول پر نصفِ رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے، اور وفات ۵۰ھ میں ہوئی۔ ان کی وفات میں ۵۸ھ، ۴۹ھ، ۴۴ھ کے اقوال بھی ہیں۔ جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ آپ چہرہ سے ناف تک اور آپکے چھوٹے بھائی حضرتِ حسینؓ اسفلِ بدن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے والد حضرتِ علیؓ، اپنے بھائی حضرت حسینؓ اور اپنے ماموں حضرتِ ہند بن ابی ہالہؓ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے ان کے بیٹے حسنؓ، ام المومنین حضرتِ عائشہؓ اور تابعین کی ایک جماعت کثیرہ روایت کرتی ہے۔

حضرت اقرع بن حابسؓ

ھو اقرع بن حابس بن عِقال (بکسر العین وتخفیف القاف) ابن محمد بن سفیان بن مشاجع بن دارم (بکسر الراء) ابن مالک بن حنظلۃ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم التمیمی وفد علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع عطارد بن حاجب بن زُرارۃ والزبرقان بن بدر وقیس بن عاصم وغیرھم من اشراف تمیم بعد فتح مکۃ وقد کان الاقرع بن حابس وعیینۃ حصن الفزاری شھدا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکۃ وحنینا وحصار الطائف وھو من المؤلفۃ قلوبھم وقد حَسُن اسلامہٗ وھو احد وفد بنی تمیم الذین نادوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وّراء الحجرات فنزل فیھم اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ الآیۃ وشھد الاقرع مع خالد بن الولید حرب اھل العراق وشھد معہٗ

فتح الانبار وھو کان علی مقدمۃ خالد بن الولیدؓ قال ابن دریدؒ اسم الاقرع فراس ولقب الاقرع لقرعٍ کان بہ فی رأسہ والقرع انحصاص الشعر وکان شریفاً فی الجاھلیۃ والاسلام واستعملہٗ عبد اللہ بن عامر علی جیشٍ سیّرہٗ الی خراسانٍ فاصیب بالجوزجان ھو والجیش وذلک فی زمن عثمان رضی اللہ عنہ، روی عنہ جابر وابوھریرۃ۔

(تراجم الاحبار ص۱۳ ج۱ والاکمال لولی الدین التبریزیؒ)

حضرت سُراقہ بن مالکؓ

سُراقۃ (بضم السین وخفۃ الرّاء وبقاف) ابن مالک بن جُعشم (بضم الجیم) ابن مالک بن عمرو بن مالک بن تیم الکنانی المدلجی مشہور صحابہ میں سے تھے۔ بہت جید شاعر بھی تھے۔ آپ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور آپ سے حضرتِ جابر بن عبد اللہ، حضرتِ ابن عباس، حضرتِ عبد اللہ بن عمرو بن العاص، سعید بن المسیب، طاؤس، عطاء، علی بن رباح، حسن بصری، نیز ان کے بیٹے محمد بن سُراقہ، ان کے بھائی مالک بن جعشم، ان کے بھتیجے عبد الرحمٰن بن مالک بن جعشم وغیرہم روایت کرتے ہیں۔ حضرتِ عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت کے شروع میں ۲۴ھ میں یا اس کے کچھ بعد وفات ہوئی۔ امام بخاریؒ واصحابِ سُنن اور امامِ طحاویؒ نے اُن کی احادیث سے اپنی کتابوں کو مزیّن فرمایا ہے۔

(تراجم ص۱۱ ج۲)

حضرتِ عبد اللہ بن جعفرؓ

عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب القرشی الھاشمی ان کی والدہ اسماء بنتِ عمیسؓ تھیں۔ سرزمینِ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ اور حبشہ میں اسلام میں سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے۔ وکان جواداً ظریفاً حلیماً عفیفاً یسمی بحر الجود وقیل لم یکن فی الاسلام اسخیٰ منہ۔ ولہٗ صحبۃ۔

انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اپنی والدہ اسماء بنت عمیسؓ، اپنے والد حضرت جعفر بن ابی طالب، اپنے چچا حضرتِ علیؓ اور حضرتِ عثمانؓ و حضرتِ عمار بن یاسرؓ سے احادیث روایت کیں۔ اور اُن سے اُن کے بیٹوں (معاویہ و اسحٰق و اسمٰعیل) نے اور ان کے بھائی عبد اللہ بن شداد بن الھاد، ان کے ماں شریک بھائی کے بیٹے قاسم بن محمد بن ابی بکر، حسن بن حسن بن علی، عبد اللہ بن حسن، عبد اللہ بن محمد بن عقیل، اور ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین وغیرہم بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ نے روایت کی ہے۔ نوّے سال کی عمر میں ۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں وفات ہوئی۔

اِماطۃُ الأذیٰ

تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا

(۲۶۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِیْمَانُ
حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ایمان کے
بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ
کچھ اوپر ستّر شعبے ہیں۔ پھر ان میں افضل لا الٰہ الا اللہ کہنا ہے۔ اور ان میں سے ادنیٰ تکلیف دہ
الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔ (مسلم ص۴۷ ج۱ مشکوٰۃ ص۱۲)
چیز کا راستہ سے ہٹا دینا ہے۔ اور حیاء ایمان کا ایک اہم شعبہ ہے۔

(۲۶۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ
اِتَّقُوا اللَّعَّانَیْنِ قَالُوْا وَمَا اللَّعَّانَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِیْ
دو ملعون کاموں سے بچو، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ دو ملعون کام کیا ہیں؟ فرمایا
یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ اَوْ ظِلِّهِمْ۔ (مسلم ص۱۳۰ ج۱ مشکوٰۃ ص۴۲)
لوگوں کے راستہ پر پاخانہ کرنا یا ان کے سایہ میں۔

(۲۶۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَمَا
حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ
رَجُلٌ یَّمْشِیْ فِی الطَّرِیْقِ اِذْ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ فَاَخَّرَهٗ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهٗ
ایک آدمی راستہ پر چلا جا رہا تھا اس نے کانٹے کی ایک ٹہنی پائی تو اس کو ہٹا دیا اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ
فَغَفَرَ لَهٗ۔ (ترمذی ص۱۷ ج۲ مشکوٰۃ ص۱۶۸)
نیکی قبول فرما کر اسکی مغفرت فرما دی۔

تشریح

(۲۶۵) یہ حدیث مع تفصیلات جزء اول (۱۴۱) میں گذر چکی ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمالی جائے۔

(۲۶۶) یہ الفاظ مسلم کی روایت کے ہیں اِتَّقُوا اللَّعَّانَیْنِ اور مطلب یہ ہے اِتَّقُوْا فِعْلَ اللَّعَّانَیْنِ ای صاحبی اللعن یعنی دو لعنت والوں سے بچو۔ جن پر لوگ عادۃً لعنت کرتے ہیں۔ اور ابو داؤد شریف کے الفاظ اِتَّقُوا اللَّاعِنَیْنِ ہیں۔ امام ابو سلیمان خطابیؒ نے فرمایا لاعنین سے مراد دو ایسے کام ہیں جو لعنت کا سبب بنتے ہیں، اور لوگوں کو ایسا کام کرنے والوں پر لعنت و ملامت اور گالی گلوج کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ یعنی لوگوں کی عادت ہے کہ راستہ میں پاخانہ کرنے والوں اور سایہ میں پاخانہ کرنے والوں پر لعنت کرتے اور ان کو گالیاں دیتے ہیں حاصل یہ ہے کہ ایسی حرکت کرنے والے کیونکہ سبب لعنت ہیں اسلئے انہیں کی طرف لعنت کی

نسبت کردی گئی، گویا کہ وہ خود اپنے اوپر لعنت کرنے والے ہیں۔ اور کبھی لاعن بمعنی ملعون بھی ہوتا ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے اتقوا الامرین الملعونین فاعلهما (ایسے دو کاموں سے بچو جن کے کرنے والوں پر لعنت کیجاتی ہے) یہ مطلب ابوداؤد شریف کی روایت کا ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف ص۴۲ پر بحوالہ مسلم مذکور ہے۔ اور حوالہ مسلم غالباً اسوجہ سے ہے کہ اس کے ایک نسخہ میں جو حاشیہ پر مذکور ہے وہی الفاظ ہیں جو روایت ابوداؤد کے ہیں۔ واللہ اعلم

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لَاعِنَیْن اور لَعَّانَیْن دونوں قسم کے الفاظ بمعنی ملعونین ہوں۔ اور مضاف فعل وغیرہ کچھ بھی مقدر نہ مانا جائے۔ اور مطلب یہ ہو کر دو ملعونوں سے جنپر لوگ لعنت کرتے ہیں، بکسو رہو اور ان کی صحبت و معیت سے بچو تاکہ تم دنیا کی نگاہوں میں ان کی طرح ذلیل نہو جاؤ۔ اور تمہاری عادت انکی صحبت کے اثر سے خراب نہو جائے کہ تم بھی ایسی موذی اور گھناؤنی حرکت کرنے لگو۔ واللہ اعلم

اَلَّذِیْ یَتَخَلّٰی ای یتغوط وینجس یہ مبتدا محذوف احدھما کی خبر ہے۔ اور خبر میں مضاف مقدر مانا جائے۔ عبارت یوں ہوگی احدھما تخلی الذی یتخلی فی طریق الناس۔ اَوْ فِیْ ظِلِّهِمْ ای فی مستظلهم۔ لوگوں کے سایہ لینے اور آرام کرنے کی جگہ میں۔ یہاں بھی مبتدا ثانیہما محذوف ہوگا اور عبارت یوں ہوگی و تخلی الذی یتخلی فی ظلهم جبکہ اَوْ بمعنی واؤ مانا جائے۔ مطلب اس جملہ کا یہ ہے جس جگہ لوگ سایہ لینے اور آرام کرنے یا گفت گو کرنے کے لئے بیٹھتے ہیں اس جگہ کو ناپاک کرنا بھی سبب لعنت ہے۔ اسی کے حکم میں وہ جگہ بھی ہے جہاں جاڑوں کے موسم میں لوگ دھوپ میں بیٹھتے ہیں قال الابھری ومواضع الشمس فی الشتاء کالظل فی الصیف الخ ومثلها موارد الماء وھی طرقه کمافی روایة اُخری۔ طریق الناس اور ظلهم کی اضافت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس مقام کے متعلق ہے جو مُباح اور سب کے لئے عام ہے۔ یعنی کسی کی ملک میں داخل نہیں۔ تو ایسی صورت میں ایسی جگہ کو ناپاک کرنا مکروہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ مقام کسی کا مملوک ہے تو مالک کی اجازت کے بغیر اس مقام پر قضائے حاجت اور بول وبراز وغیرہ حرام ہوں گے۔

(۲۶۷) یہاں ترمذی شریف ص۱۷ کی روایت مذکور ہے بخاری ومسلم میں۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰی ظَهْرِ طَرِیْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّیَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ لَا یُؤْذِیْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْ مُسْلِمٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص ایک درخت کی ٹہنی کے پاس کو ایک راستہ پر گذرا اور اسنے کہا کہ میں اسکو مسلمانوں کے راستہ سے ضرور ہٹا ؤنگا تاکہ انکو یہ ایذا نہ پہونچائے تو اسکو جنت میں داخل کردیا گیا۔ اور مسلم شریف کی ایک

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ۔

(مشکوٰۃ ص۱۶۸)

روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں قلابازیاں کھاتے دیکھا ہے ایک درخت کی وجہ سے جس کو اُسنے راستہ پر سے کاٹ دیا تھا کہ وہ درخت لوگوں کو تکلیف پہونچاتا تھا۔

قوله فادخل الجنّة ای فنحّاه وابعده فادخل الجنّة وقال الطیبی یمکن ان یکون ادخاله الجنّة بمجرد النیّة الصالحة وان لم ینحه او ان یکون قد نحاه۔

قوله یتقلّب فی الجنّة ای یتبختر ویتنعّم فی عیش مرضیّ وراحة قائمة فی شجرة فی تعلیلیة ای لاجلها وبسببها کانت تؤذی النّاس ای یتأذّی به النّاس وفیه تحریض علی قتل الموذی وبازالة الاذی بایّ وجه کان۔ والله اعلم بالجنان۔

حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ مجھ کو کوئی فائدہ والی بات بتادیجئے۔ آپنے فرمایا مسلمانوں کی راہ سے تکلیف دہ چیز ہٹادو۔ (مشکوٰۃ ص۱۶۸)

ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ایمان کا ادنیٰ اور سہل الحصول شعبہ (اماطۃ الاذیٰ عن الطریق) بھی کس قدر اہم اور نتیجہ خیز ہے۔ ہر شخص کو اپنے متعلق غور کرنا چاہیئے کہ کیا مجھے ایمان کے شعبوں میں سے یہ ادنیٰ اور آسان شعبہ بھی حاصل ہے یا نہیں۔ ہم راہوں سے ایذارساں چیزوں کو دور کرتے ہیں یا راستوں کو مزید تکلیف دہ بناتے ہیں۔ اور راستہ پر چلنے والوں کے لئے ظاہری اور باطنی دنیوی اور دینی راہوں کو دشوار بنا رہے ہیں۔

مِنْهَا الصِّدْقُ فِي الْأُمُوْرِ كُلِّهَا

"ابواب بر" میں سے تمام معاملات میں سچائی بھی ہے۔

(۲۶۸) قَالَ اللهُ تَعَالٰى يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ایمان والو! تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔

(۲۶۹) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ
کہ تم سچائی کو لازم پکڑلو کیونکہ سچائی نیکی کی طرف لیجاتی ہے اور بیشک نیکی جنت تک پہونچاتی
إِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى
ہے۔ اور ہمیشہ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کا قصد کرتا رہتا ہے یہانتک کہ
يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيْقًا وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ
اللہ کے نزدیک وہ صدیق لکھدیا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے بچتے رہو کیونکہ جھوٹ نافرمانی کی طرف
إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ
رہبری کرتا ہے۔ اور نافرمانی دوزخ میں لے جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے۔
وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔ (مسلم ج۲ ص۳۲۶، ترمذی ج۲ ص۱۹، مشکوٰۃ ص۴۱۲)
اور جھوٹ کا قصد کرتا رہتا ہے یہانتک کہ اللہ کے نزدیک وہ کذاب لکھدیا جاتا ہے۔

(۲۷۰) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِيْ قُرَادٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن
تَوَضَّأَ يَوْمًا فَجَعَلَ أَصْحَابُهُ يَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِهِ فَقَالَ لَهُمُ
وضو فرمایا تو آپؐ کے صحابہؓ آپ کے وضو کے پانی کو اپنے اوپر ملنے لگے تو نبی کریم
النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُّحِبَّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جس کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اللہ اور اسکے رسول سے محبت
أَوْ يُحِبَّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ فَلْيَصْدُقْ حَدِيْثَهُ إِذَا حَدَّثَ وَلْيُؤَدِّ أَمَانَتَهُ
کرے یا اس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کریں تو وہ اپنی بات میں سچا رہے اور اپنی امانت ادا کیا کرے
إِذَا ائْتُمِنَ وَلْيُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَهُ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۴)
اور اس کے پڑوس کا حق اچھی طرح ادا کرے جس کا وہ پڑوسی ہے۔

(۲۷۱) عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قُلْتُ لِحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ مَا حَفِظْتَ
حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ میں نے حسن بن علیؓ سے کہا کہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ
کیا بات یاد ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد ہے
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ
کہ جو چیز تمکو تردد میں مبتلا کرے اس کو چھوڑکر اس کو اختیار کرلو جس میں تمکو تردد نہو۔ کیونکہ
طُمَأْنِيْنَةٌ وَإِنَّ الْكَذِبَ رِيْبَةٌ۔ (ترمذی ج۲ ص۷۵، مشکوٰۃ ص۲۴۲)
سچائی (میں) اطمینان اور جھوٹ (میں) تردد ہوتا ہے۔

لغات یَتَحَرّٰی تفعّل سے قابلِ استعمال چیز طلب کرنا۔ دو چیزوں میں سے اولیٰ کو طلب کرنا، قصد کرنا، فضیلت دینا، ٹھہرنا۔ حَرٰی حَرْیًا (ض) گھٹنا، کم ہونا۔ اِفعال سے متعدی
تمسّح ملنا مَسْحًا (ف)، پونچھنا، ملنا، مَسْحًا ومِسَاحَۃً (ف) پیمائش کرنا مُسُوْحًا (ف) جانا۔ مَسَحًا (س) کپڑے کے کھردرے پن کی وجہ سے رانوں کا چھل جانا۔

تشریح (۲۶۸) اس آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ کی ہدایت فرمائی گئی۔ اور کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ میں صفتِ تقویٰ حاصل کرنیکا طریقہ بتایا گیا ہے۔ کہ وہ صالحین وصادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے۔ سورۂ توبہ میں اس آیت سے پہلے جو تین مخلص مسلمانوں کا غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے کا اور ان کی توبہ کا واقعہ ذکر ہوا ہے۔ شاید اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہو کہ جن حضراتؓ سے باوجود مخلص ومؤمن ہونے کے یہ لغزش ہوئی، اس میں منافقین کی صحبت ومجالست اور ان کے غلط مشوروں کو بھی دخل تھا، اسلئے اللہ کے نافرمانوں کی صحبت سے دور رہنا اور نیکوں کی صحبت اختیار کرنا چاہیئے ؎

صحبتِ صالح ترا صالح کند ٭ صحبتِ طالح ترا طالح کند

صحبت ومجالست اور تعلق ومحبت کا اثر لازمی ہوتا ہے۔ اس جگہ قرآن حکیم نے صالحین اور متقین جیسے الفاظ کی بجائے صادقین کا لفظ اختیار فرماکر عالم وصالح اور متقی کی پہچان بتادی کہ صالح ومتقی وہی شخص ہوسکتا ہے جس کے ظاہر وباطن یکساں ہوں، وہ نیت وارادہ میں بھی سچا ہو۔ اور اقوال واعمال میں بھی سچا ہو۔ سورۂ حجرات کی آیت نمبر (۱۵) میں صادقین کی یہی پہچان بتائی گئی ہے کہ جن مؤمنوں کے قلب میں مضبوط ایمان ہے۔ اور ان کے جان ومال اللہ کی مرضی کے موافق استعمال ہوتے ہیں وہی صادقین ہیں۔ ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

کامل مؤمن تو وہی ہیں جو اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لائے پھر انہوں نے (کبھی) شک نہیں کیا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے راہِ خدا میں محنت اٹھائی وہی لوگ سچے ہیں۔

(۲۶۹) عَلَیْکُمْ بِالصِّدْقِ۔ یعنی تم صدق کو لازم پکڑلو۔ الصِّدق ھو الاخبار علی وفقِ ما فی الواقع۔ فَاِنَّ الصِّدْقَ الخ صدق بشرطِ ملازمت ومداومت بِر تک پہونچاتا ہے۔ اور بِر ایک ایسی صفت ہے جو تمام بھلائیوں (اکتسابِ حسنات واجتناب عن السّیّئات) کو شامل وجامع ہے۔ یعنی صدق سے تمام بھلائیوں کی توفیق میسّر آجاتی ہے۔ اور بِر جنت میں پہونچاتی ہے۔

اور صدق پر مداومت کے نتیجہ میں آدمی اللہ کے یہاں صدیق لکھدیا جاتا ہے۔ یعنی بہت زیادہ سچا قرار دیدیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں صاحبِ صدق کے حُسنِ خاتمہ کی خبر ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صدیق مامونُ العاقبۃ ہوتا ہے۔ اور لکھدینے کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کے صدیق ہونے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔ اور ملاءِ اعلیٰ میں اس کا اظہار فرمادیتے ہیں جس کا نتیجہ دنیا میں محبت و مقبولیت بھی ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف کذب اور کذاب کی تفصیل و تشریح سمجھ لینی چاہیئے۔

(۲۷۰) مَا يَحْمِلُكُمْ۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ صحابہؓ آپؐ کے وضو کا پانی عقیدت و محبت ہی کیوجہ سے اپنے چہروں اور کپڑوں پر مل رہے ہیں۔ مگر پھر سوال اِسوجہ سے فرمایا کہ اسپر جواب مرتب ہوجائے۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ صرف اللہ اور اسکے رسول کی محبت ہم کو اس عمل پر اُبھار رہی ہے۔ آپنے فرمایا کہ جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرے۔ یا جس سے اللہ اور اسکے رسول محبت کریں، اس میں صدق و اَمانت اور پڑوسیوں کے ساتھ حُسنِ سُلوک جیسی صِفات ہونا ضروری ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اپنے پڑوسیوں سے اچھا برتاؤ کریگا جن کے ساتھ بود و باش ہمہ وقت ہے تو دوسروں کے ساتھ بدرجہٴ اولیٰ اچھا برتاؤ کریگا۔

اَوْ يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ میں لفظ اَوْ تنویع کے لئے ہے۔ جس کا مطلب مذکور ہوا۔ یا بمعنی بَل ہے۔ یعنی جو اللہ اور اسکے رسول سے محبت کرنا چاہتا ہے بلکہ انکا محبوب بننا چاہتا ہے اس کو اپنے اندر یہ مذکورہ تین ایمانی صِفات پیدا کرنی چاہئیں۔ اسکے برخلاف کذب و خیانت اور ایذائے جار منافق کی علامات ہیں جو عدو اللہ اور عدو الرسول ہوتا ہے۔

قال علی القاریؒ جِوار بکسر الجیم ای مجاورۃ جیرانہ ومعاشرۃ اصحابہ واخوانہ فان ھٰذہ الاوصاف من اخلاق المؤمنین المحبین للہ ورسولہ واضدادھا علامات المنافقین اعداء اللہ ورسولہ والمؤمنین فالمدار علی الاعمالِ الباطنۃ دون الاحوالِ الظاھرۃ۔

(۲۷۱) اس حدیث کے مضمون کی توضیح اور ریبہ و طمانیت کی تفصیل (حسّان بن ابی سنانؓ کی روایت (۱۵۲) میں اسی جزء میں گذر چکی ہے۔ وہیں ملاحظہ فرمالیں۔

حضرتِ عبد الرحمٰن بن ابی قُرادؓ

ھو عبد الرحمٰن بن ابی قُراد الاسلمی صحابی یعد فی اھل الحجاز روی عنہ ابو جعفر الخطمی وغیرہ وقُراد بضم القاف وتخفیف الدال (الاکمال لخطیب التبریزی) ولم اطلع علی ترجمتہ بالتفصیل۔ نسیم احمد غازی مظاہری

مِنْهَا حُسْنُ الْخُلُقِ

ابواب بر، سے اچھی عادت بھی ہے۔

(۲۷۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ اَنَّهٗ وَصَفَ حُسْنَ الْخُلُقِ فَقَالَ هُوَ بَسْطُ الْوَجْهِ وَبَذْلُ الْمَعْرُوْفِ وَكَفُّ الْاَذٰى۔ (ترمذی ج۲)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے حسن خلق کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ حسن خلق کشادہ روئی اور اللہ کی عطاؤں کی بخشش کرنا اور ایذاء رسانی سے باز رہنا ہے۔

(۲۷۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۳۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو اسلئے بھیجا گیا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں۔

(۲۷۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَخْيَرِكُمْ اَحْسَنُكُمْ خُلُقًا۔ (بخاری ص۸۹۱ مشکوٰۃ ص۴۳۱)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والا ہے۔

(۲۷۵) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ شَیْءٍ يُوْضَعُ فِی الْمِيْزَانِ اَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَاِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهٖ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوةِ۔ (ترمذی ص۲۲ج۲ مشکوٰۃ ص۴۳۲)

حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی ایسی چیز جو میزان میں رکھی جائے حسن خلق سے زائد بھاری نہ ہوگی۔ اور یقیناً حسن خلق والا حسن خلق کے سبب روزہ دار اور نمازی کے مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے۔

(۲۷۶) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو اور گناہ کے بعد نیکی کرکے اس گناہ کو مٹادو اور لوگوں سے

النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔ (ترمذی ج۲ ص۲۰ مشکوٰۃ ص۴۳۲)

اچھے اخلاق کا برتاؤ کرو۔

(۲۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُ

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ مومن بھولا بھالا (اور)

غِرٌّ كَرِيْمٌ وَالْفَاجِرُ خِبٌّ لَئِيْمٌ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۸ مشکوٰۃ ص۴۳۲)

سخی ہوتا ہے اور بدکار چالاک (اور) کنجوس ہوتا ہے۔

(۲۷۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

خَيْرُ الْاَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهٖ وَخَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ

ساتھیوں میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے سب سے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں اللہ کے

اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهٖ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۶)

نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لئے سب سے بہتر ہو۔

(۲۷۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت حذیفہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم

لَا تَكُوْنُوْا اِمَّعَةً تَقُوْلُوْنَ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَحْسَنَّا وَاِنْ ظَلَمُوْا

لوگوں کے اندھے مقلد نہ بنو کہ تم کہنے لگو کہ اگر لوگ بھلائی کریں گے تو ہم بھی بھلائی کریں گے اور اگر لوگ

ظَلَمْنَا وَلٰكِنْ وَطِّنُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنْ اَحْسَنَ النَّاسُ اَنْ تُحْسِنُوْا

ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے لیکن خود کو اس بات کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ نیکی کریں تو تم بھی نیکی کرو

وَاِنْ اَسَاءُوْا فَلَا تَظْلِمُوْا۔ (ترمذی ج۲ ص۲۱ مشکوٰۃ ص۴۳۵)

اور اگر برائی کریں تو تم ظلم نہ کرو۔

لغات بَسْطُ الْوَجْهِ کشادہ روئی، ہنس مکھ رہنا۔ بَسْطٌ (ن) پھیلانا، کشادہ کرنا (ک) بسیط (کشادہ) ہونا۔ پرمذاق ہونا۔ بِسَاطٌ بچھونا، فرش ج بُسُطٌ۔ بذل (ن ض) دینا، سخاوت کرنا۔ المعروف مفعول مشہور، خیر، رزق، احسان (ض) پہچاننا، جاننا۔ (ن ک) چودھری ہونا (س) خوشبو ترک کر دینا۔ خُلُقٌ بسکون اللام وضمہا طبعی خصلت، طبیعت، مروت عادت ج اَخْلَاقٌ۔ (ن) پیدا کرنا۔ (س ك) چکنا و نرم ہونا۔ بوسیدہ ہونا، لائق ہونا۔ مفاعلۃ سے خوشخوئی کے ساتھ معاشرت کرنا۔ غِرٌّ ناتجربہ کار جوان۔ مونث غِرَّةٌ و غِرَّةٌ ج اَغْرَارٌ۔

(ن) دھوکہ دینا (ن س) شریف ہونا، ناتجربہ کار ہونا (ض) تجربہ کے باوجود بچوں جیسا کام کرنا۔
(س) خوبصورت سفید رنگ والا ہونا۔ خَبٌّ مص دغاباز، فریبی، فساد، ریت کی دھار ج خُبُوبٌ
(ن) بلند ہونا، بڑھنا، پست زمین میں اتر آنا (س) مکار ہونا تفعیل سے دھوکہ دینا خراب کرنا۔
لَئِیْمٌ کمین، بخیل ج لِئَامٌ (ک) بخیل ہونا، کمین ہونا۔ (ن) ملامت کرنا۔ اِمَّعَةٌ ہمزہ کے کسرہ اور میم کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور اس میں ھا مبالغہ کی ہے۔ نیز اس کا ہمزہ اصلی ہے۔ اور عورتوں کے لئے استعمال نہیں ہوتا یعنی امرأۃ امعۃ نہیں کہتے۔ اِمَّعَۃ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی بے عقلی کی بنا پر ہر آواز دینے والے کے پیچھے چلدے۔ اور ہر شخص سے کہے کہ میں تو تیرے ساتھ ہوں۔ ومعناہ المقلد الذی یجعل دینہ تابعا لدین غیرہ بلا رویۃ ولا برھان۔
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمہ نہ اسم کے لئے موضوع ہے نہ صفت کے لئے، بلکہ دو کلموں انا اور معك سے مرکب ہے جیسے بَسْمَلَۃ اور حَیْعَلَۃ وغیرہ کلمات ہیں۔ قاموس میں ہے کہ الامّع والامّعۃ، ھِلّع اور ھِلّعۃ کی طرح ہے اس اندھے مقلد کو کہتے ہیں جو محض بیوقوفی سے ہر اک کی پیروی کرے، یا بغیر بلائے لوگوں کے پیچھے لگ کر کھانے کے لئے پہونچ جائے اور یوں کہے اَنَا مَعَ النَّاسِ وقد یقال تأمّع واستأمع صار اِمّعۃ۔ اور یہاں مراد وہ شخص ہے جو ہر اس آدمی کی پیروی کرے جو اس کی خواہش اور مطلب کے موافق ہو۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اِمَّعَۃ وہ شخص ہے جو کہتا ہے میں تو لوگوں کے ساتھ ہوں، وہ جیسا بھی کریں میں بھی وہی کرونگا اِن خیرًا فخیرٌ وَاِن شرًا فشرٌ
ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہی معنیٰ یہاں متعین ہیں۔ جیسا کہ خود حدیث کے الفاظ یقولون الخ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ ترکیبیں گذر چکیں جزوی طور پر تشریح میں آرہی ہیں۔

تشریح (۲۷۲) حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے حسنِ خلق یعنی اچھے اخلاق کی تعریف اس طرح فرمائی کہ حُسنِ خلق تین صفات کے مجموعہ کا نام ہے۔ (۱) ہنس مکھ اور کشادہ رُو ہونا، یعنی لوگوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ (۲) خیر اور خدا کا دیا ہوا رزق بندوں پر خرچ کرنا یعنی مال، علم وغیرہ جو چیزیں بندہ کو حق تعالیٰ نے دی ہیں ان سے بندگانِ خدا کو فیضیاب کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑھ کر جواد کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ اور اسکے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپنے فرمایا اللہ تعالیٰ سب سے بڑے جواد ہیں، اور میں بنی آدم میں سب سے بڑھکر جواد ہوں۔ اور میرے بعد وہ شخص جس نے علم دین حاصل کرکے اسکو پھیلایا سب سے بڑا سخی وجواد ہے الخ (مشکوٰۃ صـ۳۷)
(۳) ایذا رسانی سے باز رہنا یعنی اپنی ذات سے کسی کو ناحق تکلیف نہ پہونچانا، ظاہر بات ہے

کہ بداخلاقی کا مصداق ترش روئی، بخل اور ایذاء رسانی ہوگا۔

(۲۷۳) بُعِثْتُ صیغہ مجہول ای اُرْسِلْتُ اِلَی النَّاسِ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ ای الاخلاقَ الحسنۃَ والافعالَ المستحسنۃَ اضافۃ الصفۃ الی الموصوف۔ اور حُسْن بضم الحاء وسکون السین مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں بفتحتین بھی ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اچھے اخلاق کو کمال تک پہونچاکران کو احسن بنادوں۔ بعض روایات میں حسن الاخلاق کی بجائے مکارم الاخلاق ہے۔ اور بعض میں صالح الاخلاق ہے۔ مطلب سب کا تقریبًا ایک ہی ہے۔ علامہ بیضاویؒ وعلامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ اہل عرب کے اخلاق بہت عمدہ تھے۔ کیونکہ ان میں شریعت ابراہیمیؑ کے کچھ نہ کچھ آثار ونشانات باقی تھے لیکن ان میں کفر وشرک کی وجہ سے بہت سی گمراہیاں پیدا ہوگئی تھیں جس کی وجہ سے حسنِ اخلاق میں نقصان وخلل واقع ہوگیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ محاسنِ اخلاق کے اُس نقصان کو دور فرماکر اور انکے حسنِ اخلاق میں کمال پیدا فرماکر کمی کو پورا فرمادیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہم سے پہلے تمام اُمتوں کے اخلاق ناقص تھے۔ ہاں ہمارے دین میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے کامل ہوئے ہیں۔ اور اسی بناپر باری تعالیٰ نے فرمایا کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ الآیۃ (مطلب یہ ہے کہ اسی وجہ سے یہ امت سب سے افضل وبہتر ہے) علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نقصان کے بعد کمالِ اخلاق تفرق کے بعد جمع ہے۔ اور اسی ..... پر باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے کہ:

اُولٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ (یہ مذکورہ انبیاء علیہم السلام ہیں اللہ نے انکو ہدایت سے نوازا آپ ان کی ہدایت کی پیروی کریں) امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرتؐ کی افضلیت پر دلیل ہے کہ تمام پیغمبروں کی ھُدیٰ کو اپنانے کا آپ کو حکم دیاگیا۔ اور نبیِ معصوم نے حکم کا امتثال ضرور کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارے نبیوں کے عمدہ خصائل واعلیٰ اخلاق جو سب میں متفرق تھے وہ آپ کی ذات اقدس میں یکجا مجتمع ہوگئے۔ تو آپنے ان اخلاق کی تکمیل وتتمیم فرمادی اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اشارہ فرمایا کہ:

مثلی ومثل الانبیاء کمثل قصرٍ اَحسنَ بنیانَہٗ وتُرِكَ موضعَ لبنۃٍ منہ الی ان قال انا سَدَدْتُ مَوضعَ تلك اللبنۃِ حتی تمّ بی البنیان اھ

میری اور دوسرے نبیوں کی مثال ایک خوبصورت محل کی سی ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی، باقی سب مکمل ہوگیا ہو آگے فرمایا کہ اس ایک اینٹ کی جگہ کو میں نے پُر کیا۔ اور اس عالیشان قصر نبوت کی تکمیل میری ذات سے ہوئی۔

(۲۷۴) اِنَّ مِنْ اَخْيَرِكُمْ متعدد روایات میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ (۱) بخاری شریف و مسلم شریف میں اِنَّ مِنْ اَخْيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا ہے۔ (۲) نیز بخاری شریف میں انّ من احبکم احسنکم اَخلاقًا ہے۔ (۳) ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں انّ من اکمل المؤمنین اِیمانًا احسنهم خلقًا والطفهم باهله ہے۔ مطلب سب کا قریب ہی قریب ہے۔ کہ سب سے بہترین اور بہترین لوگوں میں سے اللہ کا محبوب ترین اور کامل ترین وہ بندۂ مؤمن ہے جس کے اَخلاق یعنی مخلوق کے ساتھ برتاؤ سب سے عمدہ اور بہترین ہو۔ حدیث میں ہے کہ محاسن اخلاق اللہ کے خزانوں میں محفوظ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اس کو اچھے اخلاق دیدیتے ہیں ۔ حضرتِ ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ یہ اخلاق حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو عطا ہوتے ہیں۔ پھر جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اچھے اَخلاق عطا فرما دیتے ہیں اور جس کے ساتھ بُرائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کو بُرے اَخلاق دیدیتے ہیں۔ (مرقات ج۹ ص۲۳۹)

(۲۷۵) مطلب حدیث کا ظاہر ہے کہ قیامت کے دِن میزانِ عمل میں سب سے زائد وزن اَخلاق ہی کا ہوگا۔ وزن اعمالناموں کا ہوگا یا ثواب کا یا اعمال کو مجسّد کردیا جائیگا، یا نفسِ اعمال کا ہوگا۔ اسکی تحقیق اِسی کتاب کے جزءِ اول میں نصوص (۲۱ تا ۲۴) کے تحت ملاحظہ فرمائیں) اور حسنِ خلق والا روزہ دار اور نمازی کے درجہ کو پہونچ جاتا ہے۔ ترمذی کی حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں وَاِنَّ اللهَ يبغض الفاحش البذی (کہ اللہ تعالیٰ بے حیا، بے شرم یا بے حیا بداخلاق کو ناپسند فرماتے ہیں)

روزہ دار اور نمازی کے درجہ کو پہونچنے کا مطلب کیا ہے؟ اس کی وضاحت حضرت عائشہؓ کی حدیث سے ہوتی ہے جو ابوداؤد شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

المؤمن ليدرك بحسن خلقه درجة قائم الليل وصائم النهار۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۱)	مؤمن اپنے اچھے اَخلاق سے قائم اللیل وصائم النہار (عابد وزاہد) کے مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے۔

(۲۷۶) حضرتِ ابوذرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اِرشاد فرمایا "لفظ لِی سے اس حدیث میں گو خطاب خاص معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ اس میں مذکورہ ہدایات کے عموم کے مُنافی نہیں بسا اوقات کسی خصوصیت واہمیت کی بناپر ایک عام اصول یا حکم کو خطاب خاص کے انداز میں بیان کردیا جاتا ہے۔ اِتَّقِ اللهَ تقویٰ کی حقیقت، واجبات وحسنات کے اہتمام اور سیّئات کے ترک واجتناب پر مُداومت ہے۔ تقویٰ دین کی بنیاد اور مَراتبِ یقین پر پہونچنے کا ذریعہ ہے۔ جس کا ادنیٰ درجہ شرک وکفر سے بَری ہوجانا اور اعلیٰ درجہ ما سِوَی اللہ سے بے تعلقی وتبرّی ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مُتفاوِت مراتب ہیں۔ حیثما کنت کا مطلب یہ ہے

کہ خلوت وجلوت مصیبت وراحت ہر حال وہر مقام میں اللہ سے ڈرو۔ اور یہ مرتبۂ احسان ہے۔
وَأَتْبِعْ باب افعال سے امر کا صیغہ واحد حاضر ہے۔ جو دو مفعولوں السیئۃ الحسنۃ کی طرف متعدی ہے
یعنی گناہ ہوجائے تو اسکے بعد نیکی کرکے اس کو مٹا ڈالو۔ اور توبہ وطاعت سے اسکے نشانات کو دھو ڈالو۔
خواہ وہ نیکی کوئی بھی ہو۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ گناہ کے بعد نیکی اس گناہ کی ضد ہونی چاہیئے۔ مثلاً
گانے باجے سنے ہیں تو قرآن سُنو، مجالسِ ذکر میں جاؤ۔ اور وعظ سنو۔ شراب پی ہے تو فقراء کو حلال
مشروبات دودھ، شربت، چائے وغیرہ پلاؤ۔ کیونکہ امراض کا علاج بالاضداد ہوتا ہے۔ اس لئے ہر
سیئۃ کے بعد اس کے علاج میں ایسی حسنہ کرنی مناسب ہے جو اس کی ضد ہو۔ کیونکہ بیاض کا زوال
سواد سے ہوتا ہے۔ لیکن یہ ان کے اپنے ذوق کی بات ہے۔ باری تعالیٰ نے تو مطلق ارشاد فرمایا
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ اس میں نہ مناسبت کی قید ہے اور نہ تضاد کی۔ اور
اس آیت کا نزول بھی ایک خاص واقعہ پر ہوا کہ کسی مسلمان نے غیر محرم عورت کا بوسہ لے لیا تھا
تنبّہ ہوا تو بے چین ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔
آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔ نماز پڑھی۔ اس نے نماز کے بعد پھر عرض کیا، آپؐ نے فرمایا تم نے ہمارے
ساتھ نماز پڑھی ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ کو اس کی برکت سے معاف فرمادیا۔
تَمْحُهَا یعنی تم اس گناہ کو نیکی کے ذریعہ محو کردو، مٹا دو، اس میں اسنادِ مجازی ہے۔ مطلب یہ ہے
کہ تمہاری نیکی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے قلب اور نامۂ عمل سے اس گناہ کے نشانات کو مٹا دیگے
البتہ کبیرہ کے لئے توبہ شرط ہے۔ اور حق العبد کے لئے بندہ سے معافی اور تلافی بھی ضروری ہے۔ اسی
طرح فرائض وواجبات کی قضا بھی توبہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہوگی
وَخَالِقِ النَّاسَ الخ یعنی لوگوں کے ساتھ معاشرت ومخالطت اور برتاؤ خوش خلقی کے ساتھ کرو۔
ہنس مکھ ہوکر ملو، اپر احسان کرو، تکلیف نہ پہونچاؤ۔ اور ان کی ایذائیں برداشت کرو۔

---

(۲۷۷) مومن کامل میں دو صفتیں ہوتی ہیں۔ بھولا پن اور کرم وسخاوت۔ غِرٌّ بکسر الغین وتشدید
الراء۔ اور منافق میں بھی دو صفتیں ہوتی ہیں۔ دھوکہ بازی اور کنجوسی خَبٌّ بفتح الخاء وکسرها
قال علی القاری والخَبّ بالفتح الخداع وهو الجريز الذی یسعیٰ بین الناس بالفساد
وقد تکسر خاءہٗ واما المصدر فبالکسر لا غیر فالکسر یحتمل الوجهین فتأمل۔
دونوں میں دوسرا وصف اول کا سبب اور اول ثانی کا نتیجہ وثمرہ ہوتا ہے۔
وجہ یہ ہے کہ مومن مکار اور دھوکہ باز نہیں ہوتا۔ نرم مزاج ومہربان ہوتا ہے اسلئے دھوکہ کھاجاتا
ہے۔ اسی طرح وہ فضول بحثوں میں نہیں اُلجھتا، اپنی ہار مان لیتا ہے۔ اس کا سبب جہل وکم عقلی

نہیں ہوتا۔ بلکہ حسنِ خلق وکرمِ نفسی ہوتے ہیں۔ اور فاجر ومنافق اسکے برعکس ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے غِر کا ترجمہ ناتجربہ کار کیا ہے یعنی امورِ دنیا کی طرف اس کا کم التفات ہوتا ہے۔ اس کی زیادہ تر توجہ علومِ نافعہ، اعمالِ صالحہ، اصلاحِ نفس اور فکر آخرت کی طرف ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ یکسوئی و گمنامی کو پسند کرتا ہے۔ اور وہ دنیوی اُمور میں پورا تجربہ کار نہیں ہوتا۔ اور فاجر کا مرکزِ توجہ دُنیا اور اس کے کام ہوتے ہیں۔ اسلئے وہ بہت چالو ہوجاتا ہے۔ یہانتک کہ وہ بھولے بھالے شریف لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے۔ اور اپنی محبوب دولت بھی دوسروں کو نہیں دیتا۔ اس کو جوڑ جوڑ کر رکھتا اور خلقِ خدا کی حق تلفیاں کرتا ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا کوئی غلام نماز پڑھتا تو وہ اس کو آزاد کر دیتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ تو آپ کو دھوکہ دیتے ہیں۔ فرمایا کہ وہ اللہ کے نام سے ہمیں دھوکہ دیتے ہیں اور ہم دھوکہ کھاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح حضرت آدمؑ و حواء نے بھی اللہ کے نام سے دھوکہ کھایا۔ جب ابلیس نے اللہ کا نام لیکر قسمیں کھائیں۔

(۲۷۸) یہ حدیث معہ تشریحات (۱۱۸) پر گذرچکی ہے۔ اسی جزءِ ثانی کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲۷۹) اس حدیث میں اُمت کو اسپر تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ میری شریعت ہی کی اتباع کرو۔ ہر کس و ناکس کی پیروی یا عام لوگوں کی روِش پر چلنا اچھے لوگوں کا کام نہیں۔ کورانہ تقلید نے یہود و نصاریٰ کو اور اس امتِ مسلمہ کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے۔ مومن کو عقل و شرع کی روشنی کے بغیر کوئی قدم نہیں اُٹھانا چاہیئے۔ عوام کی بھیڑ بھاڑ کے پیچھے چلنا بڑا جرم ہے۔ اِس حدیث میں گو اندھی اور بے دلیل تقلید سے اخلاق میں ممانعت کی گئی ہے۔ لیکن اعتقادات وعبادات کا معاملہ تو اس سے بھی کہیں اہم اور بلند ہے۔ ان میں ہر کس و ناکس کی پیروی کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟

تقولون مخاطبین کا صیغہ ہے۔ یہ اِمَّعَۃ کی تفسیر ہے۔ بعض نے اِس کو جمع غائب کا صیغہ یقولون پڑھا ہے۔ اس کی ضمیر اِمَّعَۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کیونکہ لفظ اِمَّعَۃ میں مفرد و جمع وغیرہ یکساں ہیں۔ یا یہ ضمیر لوٹ رہی ہے متصفین بھٰذہ الصّفۃ کی طرف۔ کہ جو لوگ اس صفت کے ساتھ متصف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر لوگ ہمارے ساتھ یا اوروں کے ساتھ بھلائی کریں گے تو ہم بھی اسکے بدلہ میں یا تقلید میں ایسا ہی کریں گے۔ اسی طرح ظلم اور بُرائی میں بھی ہم وہی کریں گے جو اور لوگ کرینگے۔

ولٰکن وَطِّنُوا۔ یہ امر ہے توطین سے ہے عزم علی الفعل اور جزم علی العمل کو توطین کہتے ہیں۔

وَطِّنُوا اَنْفُسَکُمْ یعنی اپنے آپ کو پختہ اور مضبوط کرلو۔ اور اندھی تقلید سے نکل کر اپنی یہ عادت بنالو کہ ہم ہر حال میں بھلائی کریں گے۔ لوگ بھلائی کریں یا ظلم وزیادتی کریں، ہمیں احسان اور اچھے سلوک ہی کا معاملہ سب کے ساتھ کرنا ہے۔

اس معنی پر ان تحسنوا کا تعلق وربط وطنوا سے ہوگا۔ اور ان احسن الناس شرط کا جواب محذوف ہوگا جس پر ان تحسنوا دلالت کر رہا ہے۔ ای فاحسنوا ۔

وَلَاخَیرَ فِیمَنْ لَا یُوَطِّنُ نَفْسَہٗ ✣ عَلٰی نَائِبَاتِ الدَّھْرِ حِیْنَ تَنُوبُ

(اور اس میں کوئی بھلائی نہیں جو خود کو زمانہ کے حوادثات پر جبکہ وہ واقع ہوں مضبوط نہ رکھے)

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ

حضرت عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی التمیمی المروزی۔ بنی حنظلہ کے مولیٰ تھے۔ کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی آپ ائمۂ و رواۃ ستہ میں سے ایک اہم شخصیت ہیں۔ ابن مہدیؒ کا قول ہے کہ ائمہ چار ہیں۔ پھر ان چاروں میں عبداللہ بن المبارکؒ کو بھی شمار کیا۔ ابن مہدیؒ سے عبداللہ بن مبارکؒ اور سفیان ثوریؒ کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اگر سفیان ثوری پوری کوشش کریں کہ وہ کسی دن عبداللہ کے مثل ہوجائیں تو ان کو اسپر قدرت نہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ عبداللہ کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی علم کا طلبگار نہ تھا۔ انہوں نے بڑا عظیم الشان کام کیا، وہ صاحب فقہ وحافظ حدیث تھے۔ ابن عیینہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرات صحابہؓ کے معاملہ میں غور کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت وجہاد کے علاوہ عبداللہ بن المبارکؒ کے مقابلہ میں ان میں کوئی فضیلت نہ پائی۔ ابن عیینہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ فقیہ، عالم، عابد، زاہد شیخ، شجاع اور شاعر تھے۔ فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے بعد اپنے مثل نہیں چھوڑا۔ ابن معینؒ نے کہا کہ وہ زیرک، قوی الحافظہ، ثقہ اور صحیح حدیث کے عالم تھے، انہوں نے جو احادیث بیان کیں ان کی کتب بیس یا اکیس ہزار تھیں۔ حضرت فضیلؒ سے سوال کیا گیا کہ عبداللہ اثبت تھے یا عبدالرزاق؟ تو فرمایا کہ عبداللہ، عبدالرزاق سے بہت بہتر تھے اور ان کی بستی والوں سے بھی۔ عبداللہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔ امام عجلیؒ نے کہا کہ عبداللہ ثبت فی الحدیث، رجل صالح اور جامع العلم تھے۔ یحییٰ اندلسیؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ ان کے لئے اپنی مجلس میں جگہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور ان کو اپنے پاس بلاکر بٹھاتے تھے۔ اور میں نے امام مالکؒ کو اور کسی کے لئے مجلس میں اپنی جگہ چھوڑتے نہیں دیکھا۔ امام مالکؒ کے پاس قاری حدیث پڑھتا تو بسا اوقات امام مالکؒ حضرت عبداللہ سے پوچھتے اس میں آپکے پاس کیا ہے؟ تو حضرت عبداللہ چپکے سے جواب دیتے، پھر تشریف لیجاتے تو امام مالکؒ ان کے اس ادب پر حیران رہ جاتے پھر ہم سے فرماتے، یہ ابن المبارک فقیہ خراسان ہیں۔ خلیلیؒ کا ارشاد ہے کہ عبداللہ متفق علیہ امام ہیں۔ ان کی بیشمار کرامتیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ابدال میں سے ہیں۔ اور فرمایا کہ انہوں نے ایک ہزار شیوخ سے احادیث لکھی ہیں۔ اسود بن سالم کا قول ہے کہ جب میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ وہ عبداللہ پر طعن کرتا ہے تو میں اس کے مسلمان ہونے پر شبہ کرتا ہوں۔ امام نسائیؒ نے فرمایا کہ ہم ابن مبارکؒ کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی کو جلیل القدر

اوران سے بلندتر نہیں جانتے، اور نہ ہر اچھی خصلت کا اُن سے جامع ترین کسی کو پاتے ہیں حسن بن عیسیٰ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن المبارکؒ کے شاگردوں کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی، اور انہوں نے یہ طے کیا کہ حضرت امام کی اچھی خصلتوں اور عادتوں کو شمار کریں تو انہوں نے کہا کہ وہ فقہ، ادب، نحو، لغت، شعر، فصاحت کے علوم اور زہد، ورع، انصات (خاموشی) قیام لیل، عبادت، حج، غزوہ، زیرکی، شجاعت بدنی طاقت و تندرستی، لایعنی کلام سے احتیاط اور اپنے اصحاب سے اختلاف نہ کرنے کی تمام صفات کے جامع ترین انسان تھے۔ عیاشؒ نے ان صفات میں سخاوت، تجارت اور محبت عند الفراق کا بھی اضافہ کیا ہے۔ اسماعیل بن عیاشؒ نے کہا کہ روئے زمین پر عبداللہ بن المبارکؒ کے مثل کوئی ان کے زمانہ میں نہ تھا۔ اور مجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی خیر کی خصلتیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے کوئی انہیں نہ ہو۔ بغداد آپ کی آمد و رفت بہت رہی۔ اُن کے فضائل ومناقب بہت ہی زیادہ ہیں۔ ایک غزوہ سے واپسی پر ۱۸۱ھ میں ترسیٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور پیدائش ۱۱۸ھ میں ہوئی تھی۔

یہ مناقب جلیلہ سے متصف امام عبداللہ بن المبارکؒ، سراج الامت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اُن تلامذہ واصحاب میں سے ایک تھے۔ جن پر حضرت امام اعظم فخر کرتے تھے۔ ان کی تعریف فرماتے اور ان کے مخالفوں پر نکیر فرماتے تھے۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ کی تعریف وتوصیف میں بہت سے اشعار وقصائد پڑھے گئے جو کتب تواریخ ومناقب میں موجود ہیں۔

(اماني الاحبار ج۱ ص۱۲۰ والاکمال للتبریزی)

اَلْاِنْبِسَاطُ اِلَى النَّاسِ وَالْاِخْتِلَاطُ مَعَهُمْ

لوگوں کے ساتھ خوش وخرم رہنا اور اُن سے میل جول رکھنا۔

(۲۸۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُسْلِمَ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ خَيْرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُهُمْ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى اَذَاهُمْ۔ (ترمذی ج۲ ص۷۷ مشکوٰۃ ص۴۳۱)

حضرت ابن عمرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ جو مسلمان لوگوں سے میل جول رکھتا اور اُن کی اذیت پر صبر کرتا ہے وہ اُس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا۔ اور اُن کی اذیت پر صبر نہیں کرتا۔

(۲۸۱) قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ خَالِطِ النَّاسَ وَدِيْنَكَ لَا تَكْلِمَنَّهُ۔ (بخاری ج۲ ص۵۹)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ لوگوں سے میل جول رکھو اور اپنے دین کو مجروح نہ ہونے دو۔

(۲۸۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَۃٌ وَّاِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْہٍ طَلْقٍ
ہر نیکی صدقہ ہے اور بیشک یہ بات بھی نیکی میں داخل ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کیساتھ
وَاَنْ تُفْرِغَ عَنْ دَلْوِکَ فِیْ اِنَاءِ اَخِیْکَ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۹، مشکوٰۃ ص۱۶۸)
ملو اور اپنے ڈول سے (پانی) اپنے بھائی کے برتن میں ڈالدو۔

(۲۸۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
اَلْمُؤْمِنُ مَاْلَفٌ وَّلَا خَیْرَ فِیْمَنْ لَّا یَاْلَفُ وَلَا یُؤْلَفُ۔ (مشکوٰۃ ص۴۲۵)
مومن مرکز محبت (مانوس ومرغوب) ہوتا ہے۔ اور اسمیں کوئی خیر نہیں جو محبت نہ کرے اور جس سے محبت نہ کیجائے۔

(۲۸۴) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیُخَالِطُنَا
حضرت انسؓ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ملے جلے رہتے تھے۔
حَتّٰی اَنْ کَانَ لَیَقُوْلُ لِاَخٍ لِّیْ صَغِیْرٍ یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ۔ (ترمذی ج۲ ص۱۹)
یہاں تک کہ آپ میرے چھوٹے بھائی سے (بطور مزاح) فرماتے اے ابو عمیر کیا ہوئی نغیر (بلبل)۔

لغات اِنْبِسَاط کشادہ روئی، خندہ پیشانی، ہنس مکھ رہنا۔ بَسَطَ (ن ك) مر۔ اِخْتِلَاط ملنا، میل جول رکھنا۔ خَلَطَ (ض) ملانا۔ لَاَتَکَلَّمَنَّ۔ کَلَمَ کَلْمًا (ن ض) زخمی کرنا مکالمۃ وتکلیم بات چیت کرنا طَلُقَ طُلُوْقًا طَلَاقَۃً (ك) ہنس مکھ ہونا، خوش بیان وفصیح ہونا۔ طَلْقًا (ض) دینا کھولنا طَلَاقًا (ن) چھوڑ دینا، جدا ہونا طَلَقًا (س) بعید ہونا۔ تفرغ (ن ف س) خالی ہونا، قصد کرنا، مرنا، پورا کرنا، تمام کرنا، گرانا (ك) رنجیدہ ہونا۔ گھبرانا فراغا (س) گرنا۔ افعال وتفعیل سے گرانا، خالی کرنا۔ اَلِفَ اَلْفًا (س) مانوس ہونا، محبت کرنا۔ مَاْلَفٌ مرغوب ومانوس چیز ج مَاٰلِفُ (ن ض) اکھاڑ دینا۔ نُغَیْر بلبل، چڑیا کا بچہ نَغْرًا ونُغْرَانًا (ف ض س) ہانڈی کا ابلنا نغر (ف) بچے کو گدگدانا۔

ترکیب (۲۸۰) یخالطُ الخ اور یَصْبِرُ الخ دونوں جملے ملکر صلہ۔ موصول وصلہ مبتدا خَیْرٌ الخ خبر۔ (۲۸۱) دونوں جملے انشائیہ ہیں۔ دِیْنَکَ فعل محذوف لَاَتَکَلَّمَنَّ کا مفعول بہ۔ یہ ما اُضْمِرَ عَامِلُہٗ علیٰ شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہے۔ اور بصورت رفع مبتدا۔ اور جملہ فعلیہ خبر ہوگا۔

والاول اولیٰ۔ کیونکہ اس سے تکرار و تاکید مفہوم ہے۔

(۲۸۲) اَنْ تَلْقیٰ اور اَنْ تفرغ معطوفین بتاویل مفرد اسم انّ مؤخر۔ اور مِنَ المعروف اسکی خبر مقدم ہے۔

(۲۸۳) لَا کا اسم خیر جار مجرور موجود کے متعلق خبر۔

(۲۸۴) اِنْ مخففہ من المثقلہ ہے۔ جملہ فعلیہ اس کا اسم۔

تشریح (۲۸۰) اس حدیث سے گوشہ نشینی وخلوت کے مقابلہ میں جلوت ومخالطت اور لوگوں سے میل جول کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ بعض دوسری احادیث سے اسکے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ اَزمنہ و اَمکنہ، مقامات وحالات کے اعتبار سے اس سلسلہ میں حکم مختلف ہوجاتا ہے۔ اسی طرح اشخاص وشرائطِ صحبت کے اعتبار سے بھی حکم بدل جاتا ہے یعنی بعض وقت خلوت بہتر ہے، بعض وقت مخالطت، بعض حالات ومقامات میں گوشہ نشینی بہتر ہوگی تو بعض دوسرے حالات میں میل جول، بعض لوگوں کو افادہ یا استفادہ کے لئے مخالطت کا حکم ہوگا۔ اور بعض لوگوں کو فتنوں اور غلط اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے عزلت کا حکم دیا جائیگا احیاء میں ہے کہ مخالطت وعزلت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ دونوں میں سے کون افضل ہے تو اکثر تابعین نے مخالطت کو بہتر قرار دیا ہے۔ تاکہ علوم ومعارف سے اہل ایمان زیادہ سے زیادہ فیضیاب ومالا مال ہوسکیں۔ اور الفت ومحبت آپسمیں زیادہ قائم ہوں۔ اور دینی ودنیا اور بر وتقویٰ پر اعانت واستعانت کا سلسلہ جاری رہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ "تم مسلمان بھائیوں کے ساتھ رہنے کو لازم کرلو۔ کیونکہ وہ تمہاری دنیا وآخرت کا سہارا ہیں۔ تم نے دوزخیوں کا قول نہیں سنا فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَاصَدِيْقٍ حَمِيْمٍ۝ (پھر ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ مخلص دوست ہے) اور یہ حدیثِ مذکور نیز اس قسم کی دوسری حدیثیں بھی مخالطت کے استحباب کی دلیلیں ہیں۔ اور اکثر عُبّاد وزُہّاد اور صوفیہ کا میلان مخالطت کے مقابلہ میں عزلت کے افضل ہونے کی طرف ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ وامام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا خذوا بحظکم من العزلۃ (گوشہ نشینی سے اپنا حصہ حاصل کرو) حضرت فضیلؒ کا فرمان ہے کہ:

كَفٰى بِاللّٰهِ مُحِبًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ مُؤْنِسًا وَبِالْمَوْتِ وَاعِظًا اِتَّخِذِ اللّٰهَ صَاحِبًا وَدَعِ النَّاسَ جَانِبًا۔ ‖ اللہ محب ہونے کے لئے اور قرآن مونس ہونے کیلئے اور موت واعظ ہونے کے لئے کافی ہے، تو اللہ کو اپنا ہمنشیں بنالے اور لوگوں کو یکسو کردے۔

حضرت داؤد طائیؒ نے ابو الربیعؒ کو وصیت فرمائی تھی کہ:

صُمْ مِنَ الدُّنْيَا وَاجْعَلْ فِطْرَكَ الْآخِرَةَ وَفِرَّ مِنَ النَّاسِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ۔

دنیا سے روزہ رکھلے (چھوڑدے) اور آخرت کو اپنا اِفطار بنالے، اور لوگوں سے ایسا بھاگ جیسا تو شیر سے بھاگ سکتا ہے۔

وَھب بن ورد نے کہا کہ ہم کو بڑوں سے یہ بات پہونچی ہے کہ حکمت کے دس اجزاء ہیں ان میں سے نو حصے خاموشی میں ہیں، اور دسواں حصہ عُزلت میں ہے۔ حاتم اَصَم کسی امیر کے پاس پہونچے اس نے پوچھا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ فرمایا ہاں، پوچھا وہ کیا ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ آپ مجھ کو نہ دیکھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ:

اَفْضَلُ الْمَجَالِسِ مَجْلِسٌ فِي قَعْرِ بَيْتِكَ اَنْ لَّا تَرٰى وَلَا تُرٰى۔

سب سے اچھی مجلس وہ ہے جو تیرے گھر کے اندر اس طرح ہو کہ تو کسی کو نہ دیکھے اور کوئی تجھ کو نہ دیکھے۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ گوشہ نشینی کے چار آداب ہیں۔ (۱) لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھنے کی نیت ہو۔ (۲) خود اوروں کے شر سے محفوظ رہنے کی نیت ہو۔ (۳) حقوق میں کوتاہی سے خلاصی کا ارادہ ہو۔ (۴) اپنی تمام توجہات کو عبادت پر مبذول رکھے۔

لیکن مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ آدمی کو اعتدال و توسط سے کام لینا چاہیئے۔ عوام الناس سے تو یکسو رہے۔ ہاں خواص و صالحین کے ساتھ مخالطت مناسب ہے۔ البتہ اِفادۂ و اِصلاحِ عوام کی ضروری ہے۔ اس کام کے لئے ان سے مخالطت اور جمعہ و جماعت میں اُن کے ساتھ اجتماع ضروری ہے۔ بشرطیکہ ضروری علم کا حصول اور اتنے زُہد تک وصول ہو چکا ہو جس سے مخلوق سے طمع منقطع ہو گئی ہو۔ اسی لئے بعض عارفین کا قول ہے کہ عُزلت علم کے عین کے بغیر لغزش ہے۔ اور زہد کی زاء کے بغیر بیماری ہے۔ یہی طریقہ ہے کامل صوفیہ اور اکابر مشائخ کا۔۔۔۔ جیسے صوفیہ نقشبندیہ شاذلیہ اور بکریہ کہ وہ لوگ سب سے ملتے ہیں، جُدا رہتے ہیں، قریب ہیں، اجنبی ہیں، فرشی بھی ہیں اور عرشی بھی۔ (مرقات ج۴ ص۷۴)

(۲۸۱) حضرتِ عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک کُلّی اُصول ارشاد فرمایا کہ "لوگوں سے میل جول تو رکھو، مگر دین کو مجروح نہ کرو، یعنی یکسوئی تو بہتر ہے ہی، مخالطت کی بھی وہاں تک اجازت ہے جہاں تک دِین محفوظ رہے۔ اور مخالطت سے دین پر آنچ نہ آئے۔ (بلکہ خود کو یا دوسروں کو علمی یا عملی، دُنیوی یا اُخروی کسی نوع کا فائدہ پہونچے)

(۲۸۲) معروف سے مراد نیکی ہے ای مَا عُرِفَ فِي الشَّرْعِ اور ہر احسان اور اچھا سلوک اس میں داخل ہے۔ اس حدیث میں ڈو مثالیں ایسی بیان کردیں کہ لوگوں کا ان کی طرف دھیان بھی نہیں جاتا کہ یہ بھی کوئی نیکی ہو سکتی ہے۔ مسکرا کر اور خندہ پیشانی کے ساتھ کسی مسلمان بھائی سے ملاقات

کرنا اور اپنے ڈول میں سے کسی کے برتن میں پانی ڈالدینا۔ طَلق بفتح الاول وسکون الثانی وقیل بتثلیث الاول وسکون الثانی وبفتحہ وکسرہ۔ ویقال طلیق ای ضاحِك مُستَبشر۔

(۲۸۳) اَلْمُؤْمِنُ مَأْلَفٌ۔ مألف بفتح اللام مصدرِ میمی بمعنی اسمِ فاعل (اُلفت کرنے والا) یا بمعنی اسمِ مفعول (جس سے اُلفت کیجائے) ہے۔ کما فی روایۃ ویؤیدہٗ آخر الحدیث ایضاً۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ احتمال یہ بھی ہے کہ یہ مصدر ہو۔ اور علیٰ سبیل المبالغہ رجلٌ عدلٌ کی طرح اسکا اطلاق کیا گیا ہو۔ (مطلب یہ ہے کہ مؤمن بہرحال محبت کرتا ہے خواہ اس سے محبت کیجائے یا نہ کیجائے اس کو اللہ کی مخلوق سے خصوصًا اہلِ ایمان سے پیار ہوتا ہے۔ یا اس کے حُسنِ اخلاق، عمدہ عادات اور اچھے کردار کی بنا پر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اسمِ مکان ہو یعنی ذاتِ مؤمن مقامِ اُلفت ہے۔ وہ دوسروں سے محبت کرتا ہے اور اس سے دوسرے محبت کرتے ہیں

وَلَاخَیْرَ فِیْمَنْ لَایَأْلَفُ وَلَایُؤْلَفُ اور اس میں کوئی بھلائی نہیں جو نہ کسی سے محبت کرے نہ اس سے کوئی محبت کرے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت، قرآن مقدس پر عمل اور تدیّن موقوف ہے مسلمانوں کے اتحاد و اجتماعیت پر۔ اور اجتماع بین المسلمین بغیر اُلفت و محبّت ممکن نہیں۔ تو دین پر عمل بغیر محبت ممکن نہوگا۔ باری تعالیٰ نے اسی حقیقت کو قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا۔ (پ۴ ع۲)

اور تم اللہ کی رسی (قرآنِ مقدس) کو سب ملکر مضبوطی سے تھام لو، اور ایکدوسرے سے جُدا نہو۔ اور اللہ کے اس انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے کہ تم آپس میں ایکدوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دِلوں میں جوڑ پیدا کردیا پھر تم خدا کے فضل سے بھائی بھائی ہوگئے۔

(۲۸۴) حضرتِ انسؓ کا بیان ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے میل جول رکھتے، ہمارے پاس بیٹھتے اُٹھتے، گفت گو فرماتے، اور گاہے مزاح بھی فرماتے تھے۔ پھر آپ کے حُسنِ مُعاشرت و مزاح اور بچوں سے پیار کا ایک نمونہ پیش فرماتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی ابو عمیر (جن کا نام کبشہ تھا) سے فرماتے تھے کہ ابو عمیر کیا کیا نُغیر نے۔ نُغیر۔ نغر کی تصغیر ہے۔ اور نغر چڑیا کے مشابہ ایک چھوٹا سا سُرخ چونچ والا پرندہ ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چڑیا ہی کو نغر اور نُغیر کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ چھوٹی چونچ اور سُرخ سَر والے ممولہ کو کہتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ اہلِ مدینہ اس کو بُلبل کہتے ہیں۔

حضرتِ انسؓ فرماتے ہیں کہ کان لہٗ نغیر یلعب بہٖ فمات (میرے چھوٹے بھائی کے پاس ایک نُغیر تھی جس سے وہ کھیلتا تھا وہ چڑیا مرگئی) تو آپ بطور مزاح و تسلی یہ جملہ فرماتے تھے قال الطیبیؒ حتیٰ غایۃ قولہ یُخالطنا وضمیر الجمع لانس واھل بیتہٖ ای انتھت

مخالطتہ لاھلنا کا لھم حتّی الصبی وحتی الملاعبۃ معہ وحتی السّوال عن فعل النغیر مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے سوا کہیں عورتوں میں جاکر نہیں بیٹھتے تھے۔ ہاں والدۂ انسؓ ام سلیم کے پاس تشریف لیجاتے تھے۔

فوائد (۱) مافعل النغیر صیغۂ معروف ہے۔ اور معنی ہیں ما شانہٗ وماحالہٗ۔ اور اگر یہ روایت میں فعلِ مجہول ہوتا تو معنی ہوتے مافعل بہٖ لیکن روایۃً ثابت نہیں۔

(۲) امام راغب کہتے ہیں فعل تاثیر کو کہتے ہیں۔ خواہ مؤثر حیوان ہو یا غیر حیوان۔ اور عمل اس فعل کو کہتے ہیں جو کسی جاندار کے قصد وارادہ سے سرزد ہو۔ یعنی عمل خاص ہے اور فعل عام۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں سے مزاح کرنا اور ان کا دِل خوش کرنا بھی خوش اخلاقی اور مستحب ہے۔

(۴) غیر محرم عورت کے پاس جاسکتے ہیں بشرطیکہ خلوت وخوفِ فتنہ نہو۔ چنانچہ ام سلیم آپکی محرم نہ تھیں۔ اور اجنبیہ کے ساتھ خلوت وغیرہ کی ممانعت دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

(۵) بچہ کو کھیلنے کے لئے چڑیا وغیرہ دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کو ایذار نہ دے۔

(۶) مزاح جائز ہے بشرطیکہ دِل خوش کرنا مقصود ہو۔ ایذار، کذب اور استہزار نہو، نیز بکثرت نہو۔ وغیرہ

اَلْمُدَارَاتُ مَعَ النَّاسِ

لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ

(۲۸۵) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

تَبَسُّمُکَ فِیْ وَجْہِ اَخِیْکَ لَکَ صَدَقَۃٌ وَّاَمْرُکَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

کہ تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکرانا تمہارے لئے صدقہ ہے، اور تمہارا نیکی کا حکم اور

نَھْیُکَ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَّاِرْشَادُکَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَکَ

برائی سے منع کرنا تمہارے لئے صدقہ ہے، اور تمہارا رہنمائی کردینا کسی ایسی جگہ میں جہاں راستہ معلوم نہو

صَدَقَۃٌ وَّبَصَرُکَ لِلرَّجُلِ الرَّدِیِّ الْبَصَرِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَّاِمَاطَتُکَ

تمہارے لئے صدقہ ہے۔ اور تمہارا کمزور نگاہ والے کے لئے اعانت کرنا تمہارے لئے صدقہ ہے۔ اور تمہارا

الْحَجَرَ وَالشَّوْکَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَکَ صَدَقَۃٌ وَّاِفْرَاغُکَ

راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی ہٹادینا تمہارے لئے صدقہ ہے۔ اور تمہارا اپنے ڈول میں سے

مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ (ترمذی ج۲ ص۱۷، مشکوٰۃ ص۱۶۵)

اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالدینا تمہارے لئے صدقہ ہے۔

(۲۸۶) يُذْكَرُ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ إِنَّا لَنَكْشِرُ فِي وُجُوهِ أَقْوَامٍ وَإِنَّ

حضرت ابو الدرداءؓ سے ذکر کیا جاتا ہے (وہ فرماتے ہیں) کہ ہم بہت سے لوگوں کے سامنے مسکراتے ہیں

قُلُوبَنَا لَتَلْعَنُهُمْ۔ (بخاری شریف ص۹۰۱)

حالانکہ ہمارے دل اُن پر لعنت کرتے ہیں۔

تشریح (۲۸۵) یہ سب اُمورِ حُسنِ معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان بھائی کے ساتھ معمولی سے معمولی اِحسان بھی تمہارے لئے صَدقہ کا ثواب رکھتا ہے جو اللہ کی رضا کا سبب اور عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے۔ لَنَكْشِرُ بسکون الکاف وکسر المعجمة من الكَشْر (ص) وهو ظهور الاسنان واكثر ما يطلق عند الضحك۔

(۲۸۶) اِس قول کا مطلب یہ ہے کہ قلبی تقاضے کے خلاف محض ظاہری رکھ رکھاؤ کو باقی رکھنے کیلئے ہم ایسے لوگوں سے بھی اَخلاق وخندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہیں جن سے ہمارے دِل نفرت اور ان پر لعنت کرتے ہیں۔

کُفّار ومشرکین اور منافقین سے قلبی محبت جسکو مُوالاۃ کہتے ہیں قطعی حرام ہے لیکن مُواسَاۃ (ہمدردی ونفع رسانی) کا معاملہ اُن سے بھی کیا جائیگا۔ بشرطیکہ کفار حربی نہوں۔ البتہ مُدارات (ظاہری خوش اَخلاقی) کا برتاؤ سب ہی کے ساتھ کرنے کا حکم ہے۔ خواہ وہ دار الاسلام کے باشندے ہوں یا حربی کفار ہوں۔

(ف) لفظِ مُدارات دَرْءٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ باب فتح سے دَفع کرنے کے آتے ہیں۔ دَارَءَ مُدَارَءَةً (مُفاعلة) ایک دوسرے کو دفع کرنا، نرمی برتنا، مہربانی کرنا، خوش اَخلاقی کے برتاؤ میں بھی چونکہ نرمی کیساتھ مخاطب ومخالف کا دَفع ہوتا ہے اسلئے اس برتاؤ کو مُدارات کہتے ہیں مُدارات کی حقیقت علماء نے لِینُ الکلام وترکُ الاِغلاظ (یعنی نرم گفتگو کرنا سختی نہ کرنا) بیان کی ہے۔ اور یہ اہلِ ایمان کے اَخلاقِ حسنہ میں داخل ومندوب ہے۔ البتہ مُداہنت حرام ہے۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ مُداہنت تو یہ ہے کہ آدمی کسی ایسے فاسقِ مُعلِن سے ملے کہ وہ فسق میں مبتلا ہے پھر بھی اس سے ربط واُلفت رکھے اور اس کی نافرمانی پر ہاتھ، زبان یا قلب سے نکیر نہ کرے اور مُدارات کا حاصل یہ ہے کہ کسی ایسے جاہل وغافل سے نرمی کا برتاؤ کرتا ہے جو گناہوں میں مبتلا ہے۔ اور یہ نرمی کا برتاؤ صرف اسلئے ہے کہ لطیف حیلہ وعمدہ تدبیر اور پیار ومحبت کیساتھ

اسکو گناہوں سے روک دے، اور نافرمانی سے نکال کر اُس کو فرمانبرداری کی طرف لے آئے۔ اس فرق سے معلوم ہوگیا کہ مُدارات مندوب ومطلوب اور محمود ہے اور مُداہنت حرام و مذموم ہے۔

مِنْهَا كَظْمُ الْغَيْظِ

ابواب بر میں سے غصہ کو پینا بھی ہے۔

(۲۸۷) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥ (آل عمران آیت ۱۳۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ غصہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنیوالے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوں سے محبت فرماتے ہیں۔

(۲۸۸) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنْفِذَهٗ دَعَاهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ حَتّٰى يُخَيِّرَهٗ مِنْ اَيِّ الْحُوْرِ شَاءَ۔ (ترمذی ۲۲/۲ مشکوٰۃ ص۴۳۳)

حضرت سہل بن معاذؓ اپنے والد (معاذ بن انسؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے غصہ کو ایسی حالت میں دبالیا کہ اسکو جاری کرنے پر وہ قدرت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے بلا کر اس بات کا اختیار دیں گے کہ وہ حوروں میں سے جسکو چاہے منتخب کرلے۔

(۲۸۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِيْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (ابوداؤد ۳۱۱/۲ مشکوٰۃ ص۴۳۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہادر پچھاڑ دینے سے نہیں ہوتا بہادر تو بس وہی ہے۔ جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔

لغات كَظَمَ (ض) بند کرنا، روکنا كظم غيظهٗ غصہ کو پی جانا۔ كَاظِم فا خاموش كَظِيْم ومَكْظُوْم مصیبت زدہ۔ الغيظ (ض) غصہ دلانا۔ افعال وتفعیل سے بھی یہی معنی ہیں۔ الغَيْظ مص غضب یا سخت غضب۔ الحور جنتی بیوی جو زعفران سے پیدا کی گئی ہے۔ مفرد و جمع سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ حَوِرَ (س) سفیدی و سیاہی کا بہت سفید و سیاہ ہونا۔ الشدید

بہادر، قوی، بلند، مضبوط، شیر۔ ج أَشِدَّاءُ و شِدَادٌ و شُدُودٌ، شَدًّا (ن ض) دوڑنا، بلند ہونا، قوی کرنا، باندھنا، کسنا، حملہ کرنا۔ شِدَّةٌ (ض) قوی ہونا، کرنا۔ الصَّرْعَة (ف) پچھاڑ دینا، زمین پر گرادینا۔ الصِّرَاعَةُ کُشتی کا فن۔

تشریح (۱۸۷) یہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳۴ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس میں اُن متقیوں کی دو صفات کا بیان ہے، جن کے لئے آسمانوں اور زمینوں کی برابر وسیع وعریض جنت تیار کی گئی ہے۔ ایک صفت اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ میں ہے کہ وہ لوگ راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے کے ایسے عادی ہیں کہ فراخی ہو یا تنگی ہر حال میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ دوسری صفت کتاب میں مذکورہ جملہ میں ہے وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ الخ (یعنی وہ لوگ جو اپنے غصہ کو دبا لیتے ہیں اور لوگوں کا قصور معاف کردیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں)

امام بیہقیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں سیدنا علی بن حسینؓ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک باندی آپ کو وضو کرا رہی تھی اچانک پانی کا برتن ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسینؓ کے اوپر گرا۔ اور تمام کپڑے بھیگ گئے۔ غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً جملہ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ پڑھا۔ یہ سنتے ہی خاندانِ نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ اور وہ بالکل خاموش ہوگئے، اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ پڑھا تو فرمایا میں نے تجھے دل سے معاف کردیا، کنیز بھی ہوشیار تھی اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ انہوں نے یہ سنکر فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کردیا۔

لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کردینا انسانی اخلاق میں بڑا درجہ رکھتا ہے۔ اور اسکا ثواب بھی آخرت میں بہت اعلیٰ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، قیامت کیدن حق تعالیٰ کی طرف سے منادی ہوگی کہ جسکا اللہ پر کوئی حق ہے وہ کھڑا ہو جائے، تو اسوقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کے ظلم وجور کو دنیا میں معاف کیا تھا، بہرحال آیات واحادیث میں خطاؤں کو معاف کردینے کے بڑے فضائل مذکور ہیں، انہیں میں سے مندرجہ ذیل حدیث بھی ہے۔

(۱۸۸) سہل بن معاذ بن انسؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو غصہ کو پی گیا حالانکہ اس کو نافذ کرسکتا ہے اس روایت میں يُنَفِّذَهُ تفعیل سے ہے۔ بعض روایات میں علیٰ اِنْفَاذِهٖ ہے۔ اسلئے یہاں يُنْفِذُهُ کو باب افعال سے بالتخفیف بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دراصل آدمی کا غصہ بڑا سمجھدار ہوتا ہے۔ کمزور پر زیادہ آتا ہے۔ اور اگر مقابل اپنے سے قوی ہوتا ہے تو غصہ بھی اتنا نہیں آتا کہ آدمی آپے سے باہر ہو جائے۔ اسلئے کمال یہی ہے کہ غصہ چلا سکتا ہو

مگر پھر بھی غصہ پر قابو پاکر اس کو پی جائے، تو قیامت کے دن حق تعالیٰ اس کو ساری مخلوق کے سامنے بلائیں گے تاکہ سب اسکو دیکھ لیں، اس کی شہرت خوب ہوجائے۔ اور ان کے دلوں میں اس کا احترام پیدا ہوجائے۔ اور بلاکر اس کو حوروں کے انتخاب میں اختیار دیں گے۔ وھو کنایۃ عن ادخالہ الجنّۃ المنیعۃ وایصالہ الدّرجۃ الرفیعۃ وکظم الغیظ قھر للنفس الامارۃ فلذا مدحہم اللہ تعالیٰ بقولہٖ وَالْکَاظِمِیْنَ الآیۃ ومن نھی النفس عن الھوٰی فانّ الجنّۃ لہ الماوٰی والحور العین لہ الجزاء۔ اس حدیث میں صرف غصہ دبا لینے کی یہ جزاء مذکور بیان کی گئی ہے۔ اور اسکے ساتھ معافی واحسان بھی اگر ملادیا جائے تو پھر درجات عالیہ کے کیا ٹھکانے ہیں۔ پھر تو حق تعالیٰ کا وہ محبوب ہوجائیگا۔ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

(۱۸۹) شدّت گو ظاہری طاقت وقوت کو کہتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اسم شدید کے معنی کو قوتِ ظاہرہ سے قوتِ باطنہ کی طرف اور امرِ دنیا سے دینی معاملہ کی طرف موڑ دیا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جس نے اپنے ظاہری مقابل کو پچھاڑ دیا اسنے ایک اپنے عدو یا مخالف کو شکست دیدی۔ لیکن جس نے غصہ کے وقت اپنے اوپر کنٹرول رکھا اور اپنے نفس پر قابو پالیا اس نے اپنے سب سے بڑے پوشیدہ دشمن (نفس) کو شکست دیدی۔ اسلئے درحقیقت وہی اصل پہلوان ہے۔ ولذلك قال اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّكَ الَّذِیْ بَیْنَ جَنْبَیْكَ۔ فھذا من الالفاظ التی نقلھا عن وضعھا اللغوی بضرب من التوسع والمجاز وھو من فصیح الکلام۔ فافھم

حضرت سہل بن معاذؓ

قال علی القاریؒ عن سہل بن معاذ ای ابن انس کما فی المعالم عن ابیہ المتبادر انّ المراد بمعاذ ھو ابن جبل لانہ المشھور بین الصّحابۃ الا انہ فی ھذا المقام معاذ بن انسؓ بقرینۃ قولہ سھل بن معاذ فانہ ولد معاذ بن انس فقد قال المؤلف فی اسماء رجالہ ھو معاذ بن انس الجھنی معدود فی اھلِ مصر وحدیثہ عندھم روی عنہ ابنہ سھل ولم اطلع علی ترجمتہ لفقدان کتب الرّجال۔ فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

وَمِنْهَا التَّوَاضُعُ

اور "ابواب بر" میں سے تواضع بھی ہے۔

(۲۹۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَۃٌ مِّنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰہُ رَجُلًا بِعَفْوٍ اِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ (مسلم ج۲ ص۳۲۱ مشکوٰۃ ص۱۶۷)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے سے آدمی کی عزت ہی بڑھاتے ہیں، اور جو اللہ کی رضا کے لئے تواضع کرتا ہے اللہ اس کو بلند فرماتے ہیں۔

(۲۹۱) عَنْ عِیَاضِ بْنِ حِمَارٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ اَوْحٰی اِلَیَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰی لَا یَبْغِیْ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا یَفْخَرُ اَحَدٌ عَلٰی اَحَدٍ۔ (ابو داؤد ج۲ ص۳۲۳ مشکوٰۃ ص۴۱۷)

حضرت عیاض بن حمارؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپؐ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تم اتنی تواضع کرو کہ کوئی کسی پر سرکشی نہ کرے اور کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔

تشریح تواضع وضع سے ماخوذ ہے۔ تواضع کے معنی ذلیل ہونا، پست ہونا، عاجز ہونا، خاکسار ہونا۔ تواضع تکبّر کی ضد ہے۔ اور تکبر کہتے ہیں حق کے انکار کرنے اور دوسروں کو اپنے مقابلہ میں ذلیل سمجھنے کو۔ اِس بنا پر تواضع کا حاصل حق کا اقرار اور لوگوں کا احترام کرنا اور خود کو ان کے مقابلہ میں کمتر جاننا ہوگا۔ تواضع سے مُراد وہ تواضع نہیں جو آجکل کا فیشن ہے کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ میں ہوں تو بلند مرتبہ لیکن میں نے وہ بلندی دوسروں کے لئے چھوڑ دی ہے یہ بھی تکبّر ہے تواضع نہیں۔ تواضع کا اصل تعلق قلب سے ہے۔ تواضع کا مقام ذِلّت وکبر دونوں کے درمیان ہے۔ جس میں خودداری وعزّتِ نفس بھی داخل ہے۔

(۲۹۰) مَا نقصَتْ میں مَا نافیہ ہے۔ اور مِنْ مَالٍ میں مِنْ زائدہ یا تبعیضیہ یا بیانیہ ہے ای ما نقصت صدقۃٌ مالًا او بعضَ مالٍ او شیئًا من مالٍ۔ بلکہ صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔ کہ باطنی طور پر اس میں حق تعالیٰ کی طرف سے خیر وبرکت ہوتی ہے۔ اور ظاہری طور پر حق تعالیٰ اس کا بدل دُنیا میں بھی عطا فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝ (جو کچھ تم راہِ خدا میں دیتے ہو اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتے ہیں اور وہ روزی دینے والے بہترین ہیں) ان سب کے علاوہ اس کو آخرت میں بیشمار ثواب ملیگا۔ بہرحال صدقہ میں دیا ہوا مال رائیگاں نہیں ہوگا۔ بلکہ مالدار بننے اور

مال میں ترقی کرنے کی ایک تدبیر کثرتِ صدقہ بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی قصوروار کو معاف کردینے سے عزت گھٹتی نہیں بڑھتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کی یہ رحم وکرم والی خصلت وعادت معلوم ہوتی ہے تو لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت وعظمت بیٹھ جاتی ہے۔ اور وہ لوگوں کا سردار و سرتاج بنجاتا ہے۔ اور رضائے حق وثواب آخرت کی عزت مزید برآں ہے۔

تیسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ جو اللہ کی خوشنودی کے لئے خود کو پست و ذلیل کرلیگا، اور اخلاص کے ساتھ عاجزی وانکساری اختیار کریگا حق تعالیٰ شانہٗ اس کو اس کے بدلہ میں دنیا و آخرت میں عزت وعظمت اور سربلندی سے مالا مال فرمائیں گے۔

(۲۹۱) اَنْ تَوَاضَعُوْا میں اَنْ مفسِّرہ ہے۔ کیونکہ ایحاء میں قول کے معنیٰ ہیں۔ اور حتّٰی کا تعلق اَوْحٰی سے ہے۔ فخر کے معنیٰ ہیں اپنے لئے عظمت، بڑائی اور شرف کا دعویٰ کرنیکے۔ بغی کے معنیٰ سرکشی وظلم کے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں کبر کے نتیجے ہیں۔ کیونکہ متکبر اپنے آپ کو سبسے بلند کرنا چاہتا ہے، اور وہ خود کسی کا فرمانبردار بننا نہیں چاہتا۔ لامحالہ وہ اپنی بڑائی کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور ظلم کا بھی مرتکب ہوتا ہے۔

حضرتِ عیاض بن حمارؓ

عیاض (بکسر العین وتخفیف الیاء) ابن حمار (بکسر الحاء وتخفیف المیم آخرہٗ راء) ابن ابی حمار بن ناجیۃ بن عقال التمیمی المجاشعی (بضم المیم) بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدیقِ قدیم (پرانے دوست) تھے۔ تقریباً ۵۰ھ تک زندہ رہے۔ عمرو بن شبیہ نے ذکر کیا کہ جنگِ جمل کے موقع پر حضرتِ زبیر بن عوام جب بصرہ تشریف لے گئے تو مسجدِ بنی مجاشع پر ٹھہرے، اور عیاض بن حمار کو معلوم کیا تو نعمان بن زمام نے کہا کہ وہ وادیٔ سبع میں ہیں۔ حضرتِ زبیر وہاں تشریف لے گئے۔ اس واقعہ سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عیاض دورِ خلافتِ علی میں حیات تھے۔ آپ براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور آپ سے ایک بڑی جماعت جن میں عبد اللہ بن الشخیرؓ کے بیٹے مطرفؒ وابو العلاء یزیدؒ، علاء بن زیادؒ، حسن بصریؒ، عقبہ بن صہبانؒ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ امام بخاریؒ نے ادب المفرد میں اور امام مسلمؒ واصحابِ سنن نے آپ کی احادیث کو اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔

وَمِنْهَا التُّؤَدَةُ وَالْوَقَارُ

اور "ابوابِ بر" میں سے سنجیدگی و وقار بھی ہے۔

(۲۹۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسِ الْمُزَنِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَةُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعٍ وَّ
اچھا چال چلن اور سنجیدگی اور میانہ روی ایک حصہ ہیں
عِشْرِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ - (ترمذی ج۲ ص۲۲ مشکوٰۃ ص۴۲۹)
نبوت کے چوبیس حصوں میں سے ۔

تشریح (۲۹۲) اَلسَّمْتُ الْحَسَنُ اچھی عادت، عمدہ سیر، اچھا چال چلن اور اہلِ خیر کی ہیئت۔ دراصل السمت کے معنی کشادہ راہ اختیار کرنا ہیں، یہاں مراد ہے ایسا چال چلن اختیار کرنا جو اللہ کو اور اہل اللہ کو پسند ہو۔ اَلتُّؤَدَةُ، اَلتَّأَنِّيْ، اَلْاَنَاةُ اور اَلْوَقَارُ یہ سب الفاظ متقارب المعنیٰ ہیں، سنجیدگی، آہستگی، بھاری پن، نتائج و عواقب میں نظر کرکے عمدہ تدبیر کرنا، جلد بازی اور عجلت نہ کرنا، یہ خصلت محمود ہے، اور اسکے مقابلہ میں عجلت مذموم ہے حدیث میں ہے العجلۃ من الشیطان (جلد بازی شیطانی کام ہے) تؤدۃ (آہستگی) گو محمود ہے مگر حدیث میں ہے اَلتُّؤَدَةُ خَيْرٌ فِيْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا فِيْ عَمَلِ الْاٰخِرَةِ (آہستگی ہر شئی میں بہتر ہے مگر آخرت کے عمل میں آہستگی محمود نہیں۔ اس میں چستی بہتر ہے) (مشکوٰۃ ص۴۲۹)
لان فی تاخیر الخیرات آفات وروی ان اکثر صیاح اھل النار من تسویف العمل علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ دنیوی امور میں آہستگی اور انجام میں غور و فکر کرکے تدبیر کا قدم اٹھانا اسلئے ضروری اور محمود ہے کہ ان کا انجام معلوم نہیں ہوتا۔ اس میں فکر کی ضرورت ہے۔ اور عملِ آخرت تو ہر اک محمود العاقبۃ ہوتا ہی ہے۔ اس میں تدبر و غور و فکر کی بجائے عمل ہی کی ضرورت ہے۔ اسلئے امورِ آخرت میں چستی اور سبقت محمود ہے قال تعالیٰ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ. وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ الآیۃ امام غزالیؒ نے اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ کے تحت لکھا ہے کہ جب بذلِ مال کا داعیہ دل میں پیدا ہو جائے تو مومن کو تاخیر کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ شیطان اس کو فقر سے ڈراتا اور بخل کا حکم کرتا ہے۔ شیخ ابوالحسن فرشنجیؒ بیت الخلاء میں تھے تو اپنے شاگرد کو بلایا اور فرمایا کہ میری قمیص نکالو اور فلاں کو دیدو۔ شاگرد نے عرض کیا کہ آپنے اتنا بھی صبر نہ کیا کہ بیت الخلاء سے نکل آتے تو فرمایا کہ اس کو دینے کا ارادہ ہو گیا تھا اور اپنے نفس پر اطمینان نہ تھا ممکن ہے کہ وہ ارادہ میں تبدیل پیدا کر دے اسلئے میں نے جلدی کی۔

وَالْاِقْتِصَادُ میانہ روی یعنی ہر چیز میں افراط و تفریط کے درمیان توسط و اعتدال کا راستہ اپنانا۔
علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اقتصاد کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) محمود و مذموم کے درمیان جیسے جور و عدل اور بخل و جود کے درمیان کا راستہ، اور یہی مراد ہے باری تعالیٰ کے قول وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ سے۔
(۲) امر محمود میں توسط یعنی جس امر محمود میں دو طرفیں ہوں، ایک افراط کی دوسری تفریط کی۔ ان دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کرنا۔ جیسے جود میں اسراف و بخل کے درمیان، شجاعت میں تہور و جُبن کے درمیان کی راہ اپنانا۔ اس حدیث میں اقتصاد سے یہی اعتدال و میانہ روی مراد ہے اقتصاد فی الاعتقاد (تعطیل و تشبیہ جبر و قدر کے درمیان کی راہ) اور اقتصاد فی المعیشۃ و اقتصاد فی العمل وغیرہ بھی اسی اقتصاد میں داخل ہیں۔

قَالَ تَعَالٰی وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا۔	اور عباد الرحمٰن وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ کنجوسی، اور انکا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔

اور حدیث میں ہے الاقتصاد فی النفقۃ نصف المعیشۃ (خرچ میں میانہ روی آدھا روزگار ہے) کسی عارف نے اسی اقتصاد و اعتدال کی ہدایت اس طرح فرمائی ہے۔

اطلب العلم بحیث لم یمنعک من العمل و اعمل بحیث لم یشغلک عن العلم۔	علم حاصل کرو اس طرح کہ تم کو وہ عمل سے نہ روکے اور عمل اس طرح کرو کہ وہ تم کو علم سے مانع نہ ہو۔

جزءٌ ای کلھا او کل منھا من اربع وعشرین جزءًا۔ چوبیس اجزائے نبوت میں سے ایک جزء (حصہ) ہے۔ حضرت انسؓ کی ایک مرفوع روایت میں ہے السمت الحسن جزءٌ من خمسۃ وسبعین جزءًا من النبوۃ (کہ اچھا چال چلن نبوت کے پچھتر ۷۵ اجزاء میں سے ایک جزء ہے) اور ابن عباسؓ کی روایت میں اِنَّ الْھَدْیَ الصَّالِحَ والسمتَ الصَّالِحَ والاقتصادَ جزءٌ من خمسٍ وعشرین جزءًا من النبوۃ۔ اس اختلاف روایات کی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ عدد مذکور سے مراد تکثیر ہے، تحدید نہیں۔ اور ممکن ہے کہ اختلاف روایات افراد و اشخاص کے حالات کے اختلاف کی بناء پر ہو۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ ان سب احادیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کی عادتیں اور خصلتیں ہیں، اور انکے فضائل کے اجزاء ہیں ان کی اتباع و اقتدا کرو۔ یہ معنی نہیں کہ نبوت اجزاء میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور ایسی تمام خصلتوں کا حامل نبی ہو جائیگا۔ کیونکہ نبوت تو ایک وہبی چیز ہے۔ کسب کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ مطلب ہو کہ نبوت ان خصلتوں کو لاتی ہے اور انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو ان کی دعوت دی ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ جو ان عادتوں

کا جامع ہوگا۔ اور ان خصال سے مُتَّصِف ہوگا لوگ اس کی تعظیم و توقیر کریں گے۔ اور حق تعالیٰ اسکو وہ لباسِ تقویٰ مرحمت فرمادیں گے جو انبیاء علیہم السّلام کو عطا فرمایا تھا، تو گویا یہ اجزائے نبوت میں سے ایک جزء ہوا۔ علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں یہ اَعداد و اَجزاء جو احادیث میں مذکور ہیں متشابہات میں سے ہیں۔ اور صحیح مراد اسکی اللہ اور اسکے رسول ہی کو معلوم ہے۔ رائے اور اجتہاد کو اس میں دخل نہیں۔ یہ علوم و اَسرارِ نبوت میں سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرتِ عبداللہ بن سرجسؓ سَرجِس بفتح السّین وسکون الرّاء وکسر الجیم کنَرجِس وبکسر السّین وفتح الجیم۔ نسبت المزنی ہے۔ بنی مخزوم کے حلیف تھے، اسلئے المخزومی بھی نسبت کرو دیتے ہیں۔ صحابی ہیں، بصرہ میں مقیم رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرتے ہیں، اور ان سے عاصم احول، قتادہ، عثمان ابن حکیم بن عباد بن حنیف اور مسلم بن ابی مریم وغیرہ بہت سے حضرات تابعین روایت کرتے ہیں۔
ولم اطلع علیٰ تاریخ ولادتہ ووفاتہ وکذا علیٰ احوالہ مفصلًا۔ واللہ اعلم
نسیم احمد غازی مظاہری

وَمِنْهَا الشَّفَاعَةُ الْحَسَنَةُ

اور ”ابواب بر“ میں سے عمدہ سفارش بھی ہے۔

(۲۹۳) قَالَ اللهُ تَعَالىٰ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ
اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو شخص اچھی سفارش کریگا اس کو اس کا حصہ ملے گا۔
مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا وَكَانَ اللهُ
اور جو شخص بُری سفارش کریگا اس کو اس کا حصہ ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ
عَلىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۝ (نساء آیت ۸۵)
ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

تشریح (۲۹۳) اِس آیت میں شفاعت یعنی سفارش کو اچھی اور بُری دو قسموں میں تقسیم فرماکر اس کی حقیقت کو واضح کیا گیا اور بتا دیا گیا کہ نہ ہر سفارش بُری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ اچھی سفارش کرنے والے کو ثواب کا حصہ ملیگا۔ اور بُری سفارش کرنے والے کو عذاب کا۔ آیت میں اچھی سفارش کے ساتھ لفظ نصیب اور بُری

سفارش کے ساتھ لفظ کِفْلٌ آیا ہے۔ گو لغت میں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ یعنی کسی چیز کا ایک حصہ۔ لیکن اکثر عرفِ عام میں نصیب اچھے حصہ کے لئے اور کِفل بُرے حصہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اگرچہ کہیں کہیں اچھے حصہ کے لیے بھی لفظ کِفل استعمال ہوجاتا ہے۔ جیسے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ ط (الحدید) شفاعت کے لفظی معنیٰ ملنے یا ملانے کے ہیں اسی لیے لفظ شَفع و شُفعۃ جوڑے کے معنی میں آتا ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں لفظ وِتر بمعنی طاق استعمال ہوتا ہے۔ اسلئے شفاعت کے لفظی معنیٰ یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملاکر اس کو مضبوط کردیا جائے، یا کسی اکیلے بیکس کے ساتھ خود ملکر اسکو جوڑا بنادیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جائز شفاعت کے لئے ایک شرط تو یہ ہے کہ جس کی سفارش کیجائے اس کا مطالبہ جائز اور حق ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو کمزوری کی وجہ سے خود بڑے لوگوں تک نہ پہونچا سکتا ہو یا وصول نہ کرسکتا ہو، تو آپ اس کا مطالبہ پہنچا دیں یا وصول کرادیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ خلافِ حق سفارش کرنا یا دوسروں کو اُسکے قبول کرنے پر مجبور کرنا شفاعت سیئہ (اور بری سفارش) ہے۔ نیز سفارش میں اپنے تعلق یا وجاہت سے دباؤ اور اجبار ظلم ہونے کی وجہ سے ناجائز اور شفاعت سیئہ میں داخل ہے۔

لهٗ نَصِيبٌ مِّنْهَا حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص سے سفارش کی گئی ہے جب وہ مظلوم و محروم کا کام کردیگا تو جس طرح کام کرنے والے افسر کو ثواب ملیگا اسی طرح سفارش کرنیوالے کو بھی ثواب ملیگا۔ بالکل اسی طرح ناجائز سفارش میں افسر کو ناحق فیصلہ کی وجہ سے عذاب ہوگا۔ تو سفارش کرنیوالے کو بھی گناہ و عذاب ہوگا۔ حدیث میں ہے۔

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ۔ بھلائی کی جانب رہنمائی کرنیوالا اس بھلائی کے کرنیوالے کی طرح ہے۔ یعنی نیکی پر آمادہ کرنیوالے کو نیکی کرنے والے کی برابر ثواب ملتا ہے۔

ابن ماجہ میں حضرتِ ابوہریرہؓ سے روایت منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَعَانَ عَلٰى قَتْلِ مُؤْمِنٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ اٰئِسٌ مِّنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ

یعنی جو کسی مسلمان کے قتل میں آدھی بات سے بھی اعانت کریگا تو وہ قیامت کیدن اللہ سے ایسی حالت میں ملیگا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا کہ "یہ شخص رحمتِ خداوندی سے محروم و مایوس ہے۔"

معلوم ہوا کہ جس طرح نیکی پر آمادہ کرنے سے نیک عمل کا ثواب ہوتا ہے اسی طرح گناہ پر اُبھارنے سے اس بُرے عمل کا گناہ بھی ہوگا۔ آدھی بات کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اُقْتُلْ کی بجائے صرف اُقْ کہدے تو بھی قاتل کی برابر گناہ ہوگا۔

قرآن کریم کے الفاظ میں اس طرف اشارہ موجود ہے کہ سفارش کا ثواب یا عذاب اسپر موقوف نہیں کروہ سفارش کامیاب ہوجائے، بلکہ ثواب وعذاب کا تعلق مطلق سفارش سے ہے۔ آپنے شفاعتِ حسنہ کردی ثواب کے مستحق ہوگئے۔ شفاعتِ سیئہ کردی عذاب کے مستحق بن گئے، خواہ اس سفارش پر عمل ہویا نہو۔ اور یہ اشارہ لفظ مِنۡهَا سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مِنۡ سببیہ ہے کہ سببِ ثواب وعذاب سفارش ہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ مُّقِيۡتًا ۝ لفظ مقیت کے معنی لغت میں قادر و مقتدر کے بھی ہیں حاضر و نگراں کے بھی، اور روزی تقسیم کرنے والے کے بھی۔ اس جملہ میں تینوں معنی مراد ہوسکتے ہیں۔

(۱) پہلے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ عمل کرنیوالے اور سفارش کرنیوالے کی جزا وسزا اس کے لئے دشوار نہیں۔

(۲) دوسرے معنی پر مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگران و حاضر ہیں۔ ان کو سب معلوم ہے کہ کون کس نیت سے سفارش کر رہا ہے۔ لوجہ اللہ بھائی کی مدد کرتا ہے یا رشوت وغرض شاملِ حال ہے۔ پھر وہ سفارش حق ہے یا ناحق، ان کو سب کچھ معلوم ہے۔

(۳) تیسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ روزی کی تقسیم کے ذمہ دار تو خود حق تعالیٰ ہیں، جتنا رزق جس کے لئے لکھدیا گیا ہے اتنا اس کو مل کر رہیگا۔ کسی کی سفارش سے وہ زیادتی پر مجبور نہوگا۔ البتہ سفارش کرنیوالے کو سفارش کا ثواب ملیگا۔ کہ اس نے ایک کمزور کی اعانت کے جذبہ سے سفارش کی۔

حدیث میں ہے كَانَ اللّٰهُ فِىۡ عَوۡنِ عَبۡدِهٖ مَا كَانَ الۡعَبۡدُ فِىۡ عَوۡنِ اَخِيۡهِ (بندہ جبتک اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں) تفسیر مظہری وغیرہ میں ہے کہ مسلمان کی حاجت روائی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی شفاعتِ حسنہ میں داخل ہے۔ اور دعاء کرنیوالے کو بھی اجر ملتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے لئے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے۔ وَلَكَ بِمِثۡلٍ، یعنی اللہ تعالیٰ تیری بھی اسی طرح حاجت پوری کرے۔

وَمِنۡهَا اِكۡرَامُ الۡكَبِيۡرِ وَالرَّحۡمُ عَلَى الصَّغِيۡرِ

اور "ابواب بر" میں سے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت بھی ہے۔

(۲۹۴) عَنۡ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ مَا اَكۡرَمَ

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں تعظیم کی

شَابٌّ شَيْخًا مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُّكْرِمُهٗ

کسی جوان نے کسی بوڑھے کی اس کی عمر کی بنا پر مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کے بڑھاپے میں ایسے لوگ مقرر فرما دیں گے جو اس کی عزت کریں گے۔ (ترمذی ص۲۳ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۳)

(۲۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہمارا نہیں

مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی عزت نہ کرے اور نیکی کا حکم نہ کرے اور

يَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (ترمذی ص۱۴ج۲ مشکوٰۃ ص۴۲۳)

برائی سے نہ روکے۔

لغات شَابٌّ جوان ج شَبَابٌ وشُبَّانٌ وشَيْبَةٌ (ض) جوان ہونا۔ قَيَّضَ تفعیل سے مقدر کرنا، مقرر کرنا قَيْضًا (ض) پھاڑنا، پھٹنا۔ وَيَنْهَ کے اخیر سے حالت جزمی کی وجہ سے الف گر گیا، دراصل يَنْهٰى تھا۔

تشریح (۲۹۴) مِنْ اَجْلِ سِنِّهٖ ای کبر عمرہ۔ کیونکہ بوڑھا مومن علم وعمل میں نوجوانوں سے بڑھا ہوا ہوگا، اور اس کا ایمان بھی ان سے سابق ہوگا اور عمل بھی زائد ہوگا۔ ہاں اگر بوڑھا شخص ایمان اور علم وعمل سے بے تعلق ہے تو وہ کسی اکرام وتعظیم کا مستحق نہیں۔

اِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ۔ یہ اس کے اکرام کی دنیا میں جزاء ہے۔ لِاَنَّ مَنْ خَدَمَ خُدِمَ (ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد) اس سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ جو بڑوں کا احترام کریگا حق تعالیٰ اس کو عمر کی درازی عطا فرمائیں گے۔ ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی شرح میں بیان کیا ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرید خراسان سے مصر میں ایک شیخ کی خدمت میں پہونچا اور ایک مدت ان کے پاس رہا۔ ایکدن بزرگوں کی ایک جماعت شیخ کی زیارت کے لئے آئی تو شیخ نے خراسانی مرید کو اشارہ کیا کہ تم ان حضرات کی سواریوں کی دیکھ بھال رکھو، وہ مرید اُن کے چوپاؤں کی خدمت کے لئے چلا تو گیا مگر دل میں خیال آیا کہ میں دور ودراز کا سفر کر کے خراسان سے مصر پہونچا اور شیخ کے ہمراہ مدت تک رہا پھر میری یہ وقعت! جب اکابر حضرات چلے گئے تو شیخ نے مرید سے فرمایا: بیٹا تمہاری زیارت کے لئے بھی اکابر تشریف لائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے خدام مقدر فرمائیں گے جو تمہاری طرح ان کی خدمت کریں گے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام ندیم الباری، شیخ عبداللہ

الانصاری نفعنا اللہ من برکاتہم کا ارشاد ہے کہ شیخ نے جو کچھ فرمایا تھا وہی ہوا۔ کہ اس خادم کے دروازہ پر زیارت کرنے والوں کی سواریاں (گھوڑے اور خچر) بکثرت رہتے تھے۔ اور خدام ان کی سواریوں کی خدمت کرتے تھے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی حضرت انسؓ کو حق تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی خدمت کا منصب جلیل عطا فرمایا اور انہوں نے دس سال کی عمر سے بیس سال کی عمر تک پورے دس سال آپ کی خدمت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عمر دراز بھی عطا فرمائی۔ کہ بصرہ میں تمام صحابہؓ کے بعد ۹۱ھ میں ۱۰۳ سال کی عمر پاکر ان کی وفات ہوئی۔ اور تقریباً سَو کی تعداد میں ان کی اولاد ہوئی۔ اور انکے مال میں بھی خوب برکت وکثرت ہوئی ہے

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد ❊ ہر کہ خود را دید او محروم شد

(۲۹۵) لَیْسَ مِنَّا ای مِنْ خَوَاصِّنَا۔ یہ تبرّی واظہارِ ناراضگی ہے کہ ہمارا اس سے تعلق نہیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ اس گناہ سے اسلام سے خارج ہو گیا۔ وَلَمْ یُوَقِّرْ بعض نسخوں میں لَمْ ہے بعض میں نہیں ہے تب بھی سابق لَمْ کے تحت ہونے کی وجہ سے فعل یُوَقِّرْ مجزوم ہوگا۔ اسی طرح یَنْہَ اور یَامُرْ بھی مجزوم ہوں گے۔ کَبِیْرَنَا کبیر سے مراد بڑا ہے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا، مرتبہ میں بڑا ہو یا عمر میں۔ ابو داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

من لم یرحم صغیرنا ویعرف حق کبیرنا فلیس منّا۔

مِنْهَا عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَزِيَارَةُ الْإِخْوَانِ

"ابواب بر میں سے بیمار کی مزاج پرسی اور دوستوں کی زیارت بھی ہے۔"

(۲۹۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا أَوْ زَارَ أَخًا لَهُ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔ (ترمذی ج۲ ص۲۲ مشکوٰۃ ص۴۶۶)

حضرت ابوھریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص عیادت کرتا ہے کسی مریض کی یا ملاقات کے لئے جاتا ہے کسی اپنے مخلص دوست کی تو ایک پکارنیوالا پکارتا ہے تو مبارک ہے اور تیرا چلنا بھی مبارک ہے اور تو نے اپنا گھر جنت میں بنالیا۔

تشریح (۲۹۶) مشکوٰۃ میں ہے اذا عاد المسلم اخاہ او زارہ جب مسلمان اپنے بیمار بھائی کی

عیادت کرتا ہے، یا بحالتِ تندرستی اس سے ملاقات کے لئے جاتا ہے۔ اس میں اَوْ تنویع کیلئے ہی یا شک کے لئے، گو معنوی اعتبار سے عیادۃ و زیارۃ متقارب المعنیٰ ہیں۔ لیکن عیادۃ کا استعمال اکثر مریض کی مزاج پرسی کے لئے جانے میں ہوتا ہے۔ اور زیارت کا استعمال عام طور پر صحت کی حالت میں ملاقات کے لئے جانے میں ہوتا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ عیادت خاص ہے اور زیارت عام ہے۔ اَخَاہُ میں دونوں داخل ہیں کہ وہ نسبی بھائی ہو یا دینی دوست۔ لیکن جن روایات میں اخاًلہٗ فی اللہ کا لفظ ہے، ان میں متبادر الی الذہن معنی ثانی ہیں۔ نَادَاہُ منادٍ اور مشکوٰۃ میں ہے قال اللہ تعالیٰ اور اس میں بہر دو صورت دونوں احتمال ہیں کہ ندا بلا واسطہ ہو یا بواسطۂ فرشتہ والثانی ارجح۔ طِبْتَ ای صِرْتَ طیبَ العیش فی الآخرۃ او حصل لك طیب العیش فی الآخرۃ۔ اور اس میں دونوں احتمال ہیں کہ یہ خبر ہو یا دعا۔ وَطابَ ممشاكَ یعنی تیرا چلنا آخرت کی عمدہ زندگی کا سبب بن گیا۔ شراحِ حدیث کا یہی کہنا ہے۔ لیکن روایت میں آخرت کی قید موجود نہیں۔ اسلئے اگر اس کو عموم پر رکھا جائے تو بہتر ہے کہ یہ محبتِ خالص اور اس کی بنیاد پر اپنے بھائی کی عیادت یا زیارت کے لئے جانا دنیوی و اُخروی دونوں جہان میں عمدہ ثمرات و منافع رکھتا ہے۔ ایسے شخص کی حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اُخروی دونوں کے عمدہ ہونے کی بشارت یا دعا ہے۔ یہ مخلصانہ محبت دنیا میں بھی رضائے حق، برکتِ رزق، وسعتِ قلب یا سکونِ دل حسنِ خلق اور توفیقِ علم و عمل کا ذریعہ ہے، اور آخرت میں بھی جنت و اَبَدی راحت کا سبب ہے۔ ویمکن ان یکون الطیب کنایۃ عن قبول نیتہٖ و شکر سعیہٖ۔ واللہ اعلم۔

وتبوّاتَ مِنَ الجنۃِ منزلۃً (اور تو نے جنت میں اپنا گھر بنا لیا۔ یا منزلۂ عظیمہ و مرتبۂ جسیمہ حاصل کر لیا) کیونکہ مسلمان کا دل خوش کر دینا ثقلین کی عبادت سے بڑھکر ہے۔ ~~

دل بدست آور کہ حج اکبر است = از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

عیادت فرضِ کفایہ ہے، اور بیمار کی عیادت میں عبرت و موعظت کا درس موجود ہے۔ نیز صحت و حیات کو غنیمت سمجھنے اور زائد غموں، الجھنوں اور فضول فکرات سے نجات ملنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ وحسن الخاتمۃ۔

(ف) ہمارے استاذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ ناظمِ اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور فرمایا کرتے تھے۔ العیادۃ خیرٌ مّن العبادۃِ۔ اور فرماتے تھے عیادۃ، عبادت سے لفظاً، معنیً، رتبۃً اور عدداً ہر طرح بہتر ہے۔ کیونکہ عیادت میں یا، اور عبادت میں با ہے تو عیادت میں ایک نقطہ زائد ہے۔ اسی طرح ی کے عدد دس ہیں اور ب کے دو۔ تو بحساب ابجد عیادت کے عدد عبادت سے آٹھ زائد ہیں۔ تو گویا مرتبہ میں بھی عیادت، عبادتِ نافلہ سے آٹھ گنا

بڑھی ہوئی ہے۔ نیز عیادت میں نفع رسانی و دلجوئی ہے۔ اور عبادت میں نفع اندوزی ہے۔ ظاہر ہے کہ نفع رسانی، نفع اندوزی سے افضل ہے۔ علاوہ ازیں عیادت میں خدمتِ خلق برائے رضائے حق ہے اور عبادت میں صرف رضائے حق ہے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست = بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(طریقت دراصل خدمتِ خلق ہی ہے = تسبیح، جانماز اور گدڑی نہیں

فقط نسیم احمد غازی مظاہری

مِنْهَا الرِّفْقُ فِي الْأَمْرِ

«ابواب بر» میں سے معاملہ میں نرمی بھی ہے۔

(۲۹۷) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ يَهُودَ أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا
حضرت عائشہؓ سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ یہود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا
اَلسَّامُ عَلَيْكَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ السَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ
السام علیک (تم مر جاؤ) تو حضرت عائشہؓ نے کہا تم پر موت ہو اور تم پر خدا کی لعنت ہو اور تم پر خدا کا غضب
عَلَيْكُمْ قَالَ مَهْلًا يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ
نازل ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے عائشہ ٹھہرو! نرمی اختیار کرو اور سخت اور بری بات نہ کہو۔
قَالَتْ أَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوا قَالَ أَوَلَمْ تَسْمَعِي مَا قُلْتُ رَدَدْتُ عَلَيْهِمْ
حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا انہوں نے کیا کہا۔ فرمایا تم نے نہیں سنا میں نے کیا کہا؟
فَيُسْتَجَابُ لِي فِيهِمْ وَلَا يُسْتَجَابُ لَهُمْ فِيَّ۔ (بخاری ص۸۹۱ مشکوٰۃ ص۳۹۸)
میں نے انکی بات انہیں پر واپس کر دی پھر میری تو ان کے بارے میں قبول ہوگی اور انکی میرے بارے میں قبول نہ ہوگی۔

(۲۹۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قَالَ إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ۔
کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہیں مہربانی کو پسند فرماتے ہیں اور نرمی پر وہ عطا فرماتے ہیں جو سختی پر عطاء نہیں فرماتے۔ (ابوداؤد ص۲۱۴ج۲ مشکوٰۃ ص۴۳۱ عن عائشۃؓ)

(۲۹۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ
حضرت عائشہؓ سے منقول ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

الرِّفقَ لَمْ يَكُنْ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهٗ وَلَا نُزِعَ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهٗ۔

بیشک نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے اسکو مزین کردیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال لی جاتی ہے اسکو عیب دار بنادیتی ہے۔

(ابوداؤد ص ۲/۲۶ مشکوٰۃ ص ۲۲۱)

لغات السَّامُ موت، نرکل، واحد (سَامَۃٌ) موت، چاندی یا سونے کا ٹکڑا۔ ج سِیَمٌ۔ سَامَ سَوْمًا سَوَامًا (ن) فروخت کرنا، قیمت بتانا، بھاؤ تاؤ کرنا، تکلیف دینا، چرنا۔ مَهْلًا مص نرمی، آہستگی، میت کی پیٹھ۔ کہا جاتا ہے مَهْلًا یا عَلٰی مَهْلٍ یعنی ٹھہر جا۔ جلدی نہ کر، اور یہ مصدر ہے جو فعل کے قائم مقام ہے۔ اور واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب کے لئے ہے۔ مَهَلَ مَهْلًا و مُهْلَۃً (ف) بغیر جلد بازی کے اطمینان سے کام کرنا۔ (س) بھلائی میں پیش قدمی کرنا۔ اِفعال و تفعیل سے متعدی۔ مہلت دینا۔ الرِّفق مص نرمی، نرم برتاؤ، مہربانی۔ ہر وہ چیز جس سے مدد لی جائے۔ (ن س ك) مہربانی کا برتاؤ کرنا۔ (س) پہلو سے مڑی ہوئی کہنی والا ہونا۔ (ك) ساتھی ہونا۔ مرافقۃ رفیق ہونا، ساتھی ہونا۔ اِفعال سے نفع پہونچانا، مہربانی کا برتاؤ کرنا۔ الفحش مص قبیح قول یا فعل (ك) برا ہونا بہٖ تشنیع کرنا الْعُنْفُ مثلث العین سختی، سخت دلی (ك) سختی کرنا۔ صفت عَنِیْفٌ۔

تشریح (۲۹۷) یہود نے آکر السلام علیکم کے بجائے اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہا۔ جس کے معنی بددعا کے ہیں اور یہی مطلب ہے باری تعالیٰ کے ارشاد وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (اور وہ منافق لوگ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو اس طرح سلام کرتے ہیں جس طرح سلام کرنیکا اللہ نے حکم نہیں دیا، اور کہتے ہیں کہ ہمکو اللہ عذاب کیوں نہیں دیتا ہماری اس بات پر۔ یعنی اگر یہ سچے رسول ہوتے تو ہمارے اِس کہنے سے ہم پر عذاب آجاتا) آپ نے علیکم فرمایا یعنی موت تم پر ہی ہو۔ بعض روایات میں واؤ کے ساتھ ہے۔ بعض میں بلا واؤ۔ اگر وعلیکم واؤ کے ساتھ ہے تو واؤ استینافیہ ہے، عاطفہ نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل و انصاف کے مقتضیٰ پر عمل کیا اور جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا کے اصول کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ اور حضرت عائشہؓ نے اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْكُمْ فرماکر بظاہر زیادتی کی۔ اور نرمی و لطف و مہربانی کو ترک کردیا تھا۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو تنبیہ فرمائی۔ اور معاداۃ و معاناۃ کے ترک کرنے اور رِفق و مداراۃ کے اختیار کرنے کا حکم دیا کما قیل وَدَارِهِمْ مَادُمْتَ فِيْ دَارِهِمْ، وَاَرْضِهِمْ مَادُمْتَ فِيْ اَرْضِهِمْ۔ حضرت عائشہؓ کی روایات کے الفاظ مختلف ہیں، کسی روایت میں غضب کا ذکر نہیں تو کسی میں لعنت کا نہیں، کسی میں دونوں کا ہے

بظاہر واقعہ ایک ہی ہے۔ رواۃ کی جانب سے اختصار و اقتصار، ذکر و حذف اور روایت بالمعنیٰ کی وجہ سے روایات کے الفاظ مختلف ہوگئے ہیں۔ مَهْلًا ای ارْفُقِي رِفْقًا وامْهِلي مَهْلًا۔ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ ای الزمی الرِّفقَ۔ وَإِيَّاكِ والعنفَ ای ابعدی ایاكِ من العنفِ والفحش والعنفَ والفحشَ من نفسكِ۔ علی اصولِ التحذیر۔

(۲۹۸) یعنی حق تعالیٰ اپنے بندوں پر خود مہربان ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ بِعِبَادِهٖ۔ اور وہ اُن کے ساتھ سہولت و نرمی کا برتاؤ فرماتے ہیں۔ اور اُن کی طاقت سے زائد کا مکلف نہیں بناتے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ۔ تو وہ اپنے بندوں سے بھی نرمی و مہربانی کو پسند فرماتے ہیں، اسی وجہ سے مہربانی و نرمی پر خوش ہوکر وہ عطا فرما دیتے ہیں جو سختی پر نہیں دیتے۔ ظاہر ہے کہ بڑے سے اسکی رضا مندی ہی سے کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ناراض کرکے یا زبردستی اس سے کچھ نہیں لیا جا سکتا۔ مسلم شریف کی روایت میں مَا لَا يُعْطِي عَلٰى مَا سِوَاهُ ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کے معنیٰ ماسوی الرفق من الخصال الحسنۃ ہیں یعنی رِفق کے علاوہ دوسری نیک خصلتوں اور نیکیوں سے بھی وہ عطائیں میسر نہیں آسکتیں جو نرمی سے مل جاتی ہیں۔ گو احتمال یہ بھی ہے کہ ما سِوَاهُ سے مراد عنف ہو۔ اس حدیث میں اللہ کو رفیق فرمایا گیا ہے۔ (اِنَّ اللّٰهَ رَفِيْقٌ) لیکن بظاہر اس کو اللہ کا اسم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ گو اس حدیث میں اس لفظ کا اللہ پر اطلاق کیا گیا ہے۔ مگر اس کا ثبوت اول تو بطریق تواتر نہیں۔ دوسرے بحیثیت اسم یہ اطلاق نہیں ہے۔ بلکہ توصیفاً ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء جمہور کے نزدیک توقیفی ہیں۔ نصوصِ قطعیہ سے ان کا ثبوت ہے۔ اور اسکی پوری بحث مرقات ص۵۲ ج۲ میں ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ اعلم۔ ونعم ما قال الشاعر ؎

يَا طَالِبَ الرِّزْقِ الْهَنِيِّ بِقُوَّةٍ	هَيْهَاتَ اَنْتَ بِبَاطِلٍ مَشْغُوْفٌ
اے خوشگوار روزی کو طاقت کیساتھ تلاش کرنیوالے	یہ بات حق سے بعید ہے، تو باطل میں مشغول ہے
اَكَلَ الْعُقَابُ بِقُوَّةٍ جِيَفَ الْفَلَا	وَرَعَى الذُّبَابُ الشَّهْدَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ

طاقتور شکاری پرندہ عُقاب قوت کیساتھ بیابانوں میں مردار کھاتا ہے۔ اور شہد کی مکھی کمزور ہے مگر شہد کی نگرانی کرتی ہے۔

(۲۹۹) اِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ ای لا يُوْجَدُ فِي شَيْءٍ من الذَّوَاتِ والاَعْرَاضِ اِلَّا زَانَهُ ای زَيَّنَهُ وكَمَّلَهُ، وَلَا يُنْزَعُ بصيغۃِ المجهول ای لا يفقد ولا يعدم مِنْ شَيْءٍ اِلَّا شَانَهُ ای عَيَّبَهُ ونَقَّصَهُ۔ اس حدیث میں يَكُوْنُ کو تامّہ مان کر فِي شَيْءٍ کو اس کا متعلق بھی مان سکتے ہیں۔ اور ناقصہ مان کر فِي شَيْءٍ کو اس کی خبر بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اور استثناء مفرغ ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ نرمی ہر چیز میں بھلی ہے، اور سختی ہر چیز میں بُری ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے۔ کیونکہ بعض چیزوں میں سختی کی صفت ہی اچھی شمار ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ

عبد اللہ بن مُغَفَّل (بتشدید الفاء المفتوحۃ) ابن عبد نھم بن عفیف بن اسحم بن ربیعۃ المزنی۔ ان کی کنیت ابوسعید یا ابوعبدالرحمٰن ہے۔ صحابی ہیں۔ اصحاب شجرہ (بیعت رضوان والوں) میں سے ہیں۔ مدینہ میں رہے۔ پھر بصرہ منتقل ہوگئے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ہمارے پاس گیارہ حضرات کو تعلیم دینے کے لیے بصرہ بھیجا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ بھی ان گیارہ میں سے ایک تھے۔ امام بخاریؒ نے مسدد کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۷ھ میں بصرہ ہی میں ان کی وفات ہوئی۔ اور دوسرے حضرات نے فرمایا ۶۱ھ میں وفات ہوئی۔ حافظ ابن عبدالبر کا ۶۰ھ کا قول ہے۔ موصوف نے یہ بھی فرمایا کہ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوبرزہ اسلمیؓ نے پڑھائی تھی۔ روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکرؓ و عثمان وعبد اللہ بن سالم وروی عنہ جماعۃ من التابعین منہم حمید بن ھلال وثابت البنانی ومطرف ومعاویۃ بن قرۃ وعقبۃ بن صهبان والحسن البصری وسعید بن جبیر وعبد اللہ بن بریدۃ وغیرہم وقال الحسن البصری ما نزل البصرۃ اشرف منہ۔

(الاکمال للخطیب وتراجم الاحبار ص ۲۵۳ ج ۲)

مِنْهَا طِيْبُ الْكَلَامِ

"ابواب بر" میں سے عمدہ گفتگو بھی ہے۔

(۳۰۱) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرٰى ظُهُوْرُهَا مِنْ بُطُوْنِهَا وَبُطُوْنُهَا مِنْ ظُهُوْرِهَا فَقَامَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ لِمَنْ هِيَ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لِمَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَاَدَامَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔

حضرت علیؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بیشک جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کے بیرونی حصے اُن کے اندرونی حصوں سے اور ان کے اندرونی حصے ان کے بیرونی حصوں سے نظر آتے ہیں۔ تو ایک گاؤں والے نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ بالاخانے کس کے ہوں گے؟ فرمایا اسکو ملیں گے جو اچھی گفتگو کرے اور کھانا کھلائے اور مسلسل روزے رکھے اور ایسے وقت نماز پڑھا کرے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔

(ابوداؤد ص ۲۱۴ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۱۰۹ عن ابی مالک الاشعریؓ)

لغات غُرَف غُرْفَۃ کی جمع بالاخانہ، بظاہر ظُھُوْر و بُطُوْن ظاہر وباطن کی جمع ہیں۔ جیسے

جُلُوسٌ وقُعُودٌ، جَالِسٌ وقَاعِدٌ کی جمع ہیں۔ نِیَامٌ نَائِمٌ کی جمع ہے جیسے قِیَامٌ قَائِمٌ کی جمع ہے۔

تشریح (۳۰۰) جنت میں ایسے صاف شفاف بالاخانے ہیں کہ اندر کا باہر سے اور باہر کا اندر سے نظر آتا ہے۔ ایک گاؤں والے نے پوچھا کہ وہ بالاخانے کس کو ملیں گے؟ بعض روایات میں اس سوال کا ذکر نہیں۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی فرمایا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ الخ کہ وہ بالاخانے اللہ نے ان لوگوں کے لئے تیار فرمائے ہیں جن میں مندرجہ ذیل صفات ہوں۔ یہ روایت صحیح ابن حبان میں بھی ہے۔ اس میں سائل ابو مالک اشعریؓ کو قرار دیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ روایت کے الفاظ میں بھی فرق ہے۔ بعض میں ظاہر و باطن کا لفظ ہے۔ بعض میں ظہور و بطون کا، بعض میں اطاب الکلام ہے۔ تو بعض میں اَلَانَ یا اَلَیَنَ یا لَیَّنَ الْکَلَامَ کے الفاظ ہیں، ابن حبان میں اَدَامَ الصِّیَامَ کی بجائے اَفْشَی السَّلَامَ ہے۔ بہرحال یہ بالاخانے ان لوگوں کے لئے ہیں جو نرم و شیریں گفتگو کرتے ہوں۔ اور جود و سخاوت کرتے اور خاص و عام کو کھلاتے پلاتے ہوں۔ اور روزے رکھتے رہتے ہوں۔ اَدَامَ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ مسلسل روزے رکھتے ہوں، اس سے تو منع کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے وہ نہ صائم ہے نہ مُفطِر۔ بلکہ صومِ داؤدی کو پسند فرمایا گیا ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کم از کم مہینہ میں تین روزے رکھ لے تو بھی اَدَامَ الصِّیَامَ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ کیونکہ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا کے اصول سے تین روزے جس نے رکھے تو گویا اس نے تیس ۳۰ روزے رکھے۔ بعض روایات میں اَدَامَ الصِّیَامَ کی بجائے تَابَعَ الصِّیَامَ ہے۔ اور مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

وَصَلّٰی وَالنَّاسُ نِیَامٌ سے نمازِ تہجد مُراد ہے جو اولیاء اللہ اور عاشقانِ حق کا شیوہ ہے۔

دراصل یہ صفات، عباد الرحمٰن، کی ہیں۔ جو سورۂ فرقان میں بیان کی گئی ہیں۔ ہم نے ان صفات کو ایک رسالہ "عباد الرحمٰن" میں احادیث و واقعاتِ سلف کی روشنی میں خوب وضاحت سے بیان کر دیا ہے جس کو شوق ہو وہ اس رسالہ کا مطالعہ کرے۔

مِنْهَا تَنْزِیْلُ النَّاسِ مَنَازِلَهُمْ

ابواب بر میں سے لوگوں کو اُن کے مرتبہ میں اتارنا بھی ہے۔

(۳۰۱) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنْزِلُوْا

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو اُن کے

اَلنَّاسَ مَنَازِلَهُمْ۔ (ابوداؤد ص ۳۱۶ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۴۲۲)

مرتبہ میں اُتارو۔

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ الْکَبِیْرِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ

بیشک اللہ کی تعظیم میں سے بوڑھے مسلمان کا اور ایسے حامل قرآن کا اکرام بھی ہے جو اس میں غلو

غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَالْجَافِیْ عَنْہُ وَاِکْرَامَ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔

نہ کرتا ہو اور اس سے دور نہ رہتا ہو اور عادل حاکم کا اکرام بھی۔

(ابوداؤد ص ۳۱۷ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۴۲۳)

لغات اِجْلَال مص تعظیم کرنا، پاک کرنا۔ (ن ض) اپنے وطن سے دوسرے شہر کو چلا جانا، چُننا، بڑا حصہ لینا وغیرہ (ض) بڑے مرتبہ والا ہونا، جسم میں بڑا ہونا، عمر میں بڑا ہونا۔ اَلْغَالِیْ غالن زیادہ ہونا، بلند ہونا، جوشیلا اور پختہ ہونا، حد سے گذر جانا وغیرہ۔ اَلْجَافِیْ فا (ن) اعراض کرنا، بدسلوکی سے پیش آنا، قرار نہ پانا، دور ہونا۔ اَلْمُقْسِطُ اِفْعَال سے اسم فاعل عادل۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ (ن ض) منصف ہونا (س) خشک ہونا۔

تشریح (۳۰۱) اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ ای فی منازلهم یعنی جس مرتبہ کا آدمی ہو اسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے۔ مثلاً مہمان کو اکرام کے ساتھ دسترخوان پر کھلایا جائے، اور سائل کے ہاتھ پر روٹی رکھدی جائے۔ قال تعالیٰ حکایۃً عن الملائکۃ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ لہٰذا وضیع کو شریف کا مقام اور شریف کو وضیع کا مقام نہ دیا جائے۔ اور خادم و مخدوم کے درمیان بھی برابری نہ کی جائے۔ غرض ہر ایک کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھا جائے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ اسی اصول کے تحت انبیاء، وخلفاء اور علماء کے آپسی تفاضل کی مباحث اہل علم میں جاری ہوتی ہیں۔ ارباب اقتدار کے لئے بھی یہ ایک دستور عظیم ہے کہ ہر عہدہ پر اس شخص کو رکھا جائے جو اس کا اہل ہو تاکہ حق امانت بھی ادا ہو جائے اور ہر انسان کو اس کا وہ مقام و مرتبہ مل جائے جس کا وہ اہل ہے۔ اسی سے دنیا کا نظام صحیح ہو سکتا ہے۔ ورنہ فسادِ عظیم کا باعث ہوگا۔ جیسا کہ اس دور میں ہے۔

(۳۰۲) مِنْ اِجْلَالِ الْکَبِیْرِ اور مشکوٰۃ میں ہے مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ۔ اس میں مصدر کی اضافت فاعل

کی طرف ہے یا مفعول کی طرف۔ ثانی زیادہ ظاہر بلکہ متعین ہے۔ اور اوّل صرف احتمال کے درجہ میں ہے۔
یعنی بوڑھے مسلمان، حافظ یا عالمِ قرآن اور حاکمِ منصف کا اکرام اللہ تعالیٰ کے اکرام و تعظیم میں داخل ہے۔
شرح السُّنّۃ میں حضرت طاؤسؒ کا قول ہے کہ چار قسم کے لوگوں کی توقیر سنت ہے۔ (۱) عالمِ دین۔
(۲) بوڑھا مسلمان (۳) سلطانِ عادل (۴) والدین۔
اس حدیث میں والدین کا ذکر نہیں۔ کیونکہ والدین کے بارے میں تو بہت سے ارشادات میں تاکیدیں موجود ہیں۔ پھر ذکرِ شئ نفیِ ماعدا کو بھی مستلزم نہیں۔ پھر بوڑھے مسلمان سے مراد یہ ہے کہ وہ فاسق و فاجر نہ ہو۔ جیسا کہ لفظ المسلم سے معلوم ہوتا ہے۔ اور عالمِ دین و حافظِ قرآن یا قاریِ قرآن سے مُراد وہ ہے جو قرآن پاک پر عمل بھی کرتا ہو۔ جیسا کہ غیر الغالی فیہ الخ کی قید سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر غلو کرتا ہے یعنی حد سے متجاوز ہے جیسے بے عمل ہے، ریا کار ہے، بے یقین ہے، لفظوں میں یا معانی میں تحریف کرتا ہے، یا بدعات کا مرتکب ہے تو ایسے سب لوگ غالی ہیں، تعظیم و اکرام کے مستحق نہیں۔
وَلَا الْجَافِیْ عَنْہُ۔ یعنی قرآن سے دور نہ ہو۔ اِس طرح سے کہ اس کی تلاوت نہیں کرتا، یا تجوید کے ساتھ نہیں پڑھتا، قرآن کے معانی کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ قرآن پر عمل نہیں کرتا۔ یہ سب صورتیں قرآن سے دُوری کی ہیں۔ ایسا شخص بھی اِکرام کا مستحق نہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں قرات میں مبالغہ یا زیادہ جلدی پڑھنا کہ معانی میں غور بھی نہ ہو سکے، یہ بھی غلو میں داخل ہے۔ اور پڑھکر چھوڑ دینا یا بھلا دینا بھی جفا میں داخل ہے کہ گناہِ کبیرہ ہے۔
وَاِکْرَامُ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔ حاکمِ عادل وہ ہے جو ظلم نہ کرتا ہو۔ یا کم از کم اس کا عدل جور پر غالب ہو۔ ورنہ وہ اِکرام کا مستحق نہیں۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض علماء کا قول ہے کہ جو اس زمانہ میں یہ کہے کہ ہمارا بادشاہ عادِل ہے تو وہ شخص کافر ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے جور کو عدل سمجھ لیا۔ لیکن چونکہ ہر سلطان کچھ نہ کچھ عدل تو کرتا ہی ہے اسلئے یہ کہہ سکتے ہیں سُلطاننا یعدل۔ ہاں یہ نہ کہنا چاہیئے سُلطاننا عادِل۔ کیونکہ یَعْدِلُ اس کے بارے میں کہہ سکتے ہیں جو گاہے عدل کرلے۔ لیکن عادِل اسی کو کہیں گے جسکا پیشہ اور عادت عَدل ہو جیسے بارِی تعالیٰ نے حضرتِ آدمؑ کے بارے میں فرمایا وَعَصٰی اٰدَمُ۔ لیکن آدمؑ کو عاصی نہیں کہہ سکتے۔ فافہم۔
اور ان تینوں کی تعظیم اللہ کی تعظیم میں اسلئے داخل ہے کہ نیک بوڑھا مسلمان اللہ کا وَلی اور دوست ہے اور باعمل حاملِ قرآن اللہ کا امین اور معتمد علیہ ولی ہے۔ اور سُلطانِ عادل ظلّ اللہ فی الارض ہے۔
بہر حال ان تینوں قسم کے حضرات کا اللہ سے خاص تعلق ہے۔ اور یہ اللہ کے چہیتے بندے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ غلام کی عزت آقا کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ اور غلاموں کی توہین آقا کی توہین شمار ہوتی ہے۔ البتہ بھگوڑے اور شریر غلاموں کی توہین آقا کی توہین شمار نہیں کی جاتی۔ بلکہ آقا کی نافرمانی

اور اس سے بے وفائی کی سزا تذلیل وتوہین ہوتی ہے۔

مِنْهَا حُسْنُ الْعَهْدِ

"ابواب" میں سے عمدہ وضع داری بھی ہے۔

(۲۰۳) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلَى امْرَأَةٍ مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ وَلَقَدْ هَلَكَتْ قَبْلَ أَنْ يَتَزَوَّجَنِي بِثَلٰثِ سِنِيْنَ لِمَا كُنْتُ أَسْمَعُهُ يَذْكُرُهَا وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَبُّهُ أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ وَإِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَذْبَحُ الشَّاةَ ثُمَّ يُهْدِيْ فِي خُلَّتِهَا مِنْهَا۔ (بخاری ص۸۸۸ مشکوٰۃ ص۵۷۳)

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ مجھ کو کسی عورت پر اتنی غیرت نہیں آئی جتنی غیرت مجھ کو خدیجہؓ پر آئی حالانکہ وہ اس سے تین سال پہلے ہی وفات پاچکی تھیں کہ آپ مجھ سے نکاح کریں۔ اس وجہ سے کہ میں آپکو بکثرت انکا ذکر فرماتے ہوئے سنتی تھی اور بیشک آپ کو آپکے رب نے حکم دیا تھا کہ ان کو جنت میں ایک موتی کے گھر کی خوشخبری دیں۔ اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح کرتے تھے۔ پھر ان کی سہیلیوں کو اس میں سے ہدیہ بھیجتے تھے۔

لغات غِرْتُ غَارَ غَيْرَةً۔ غَيْرًا۔ غَارًا (س) غیرت کھانا (ض) نفع دینا، بدل دینا، تغیر کر دینا۔ والغيرة الحمية والانفة۔ قَصَب۔ لؤلؤ مجوف واسع كالقصر المنيف مروارید آبدار تازہ زبرجد آبدار تازہ جو یاقوت سے مرصع ہو وغیرہ۔ (ض) کاٹنا۔ خُلَّة كالخليل عادت، بیوی، محبوبہ، دوست۔ یہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کے لئے ہے (ن ض) دبلا ہونا، سوراخ کرنا۔

ترکیب مَا غِرْتُ اول میں مَا نافیہ اور ثانی میں مَا موصولہ ہے۔ جو اپنے صلہ سے مل کر اول مَا غِرْتُ کا مفعول بہ ہے۔ دوسرا احتمال مَا کے مصدریہ ہونے کا بھی ہے۔ تو جملہ بتاویل مفرد ہو کر مفعول بہ ہوگا۔ ای ما غرت مثل التی غرتها او مثل غیرتی علیها۔ ولقد هلكت الخ جملہ حالیہ ہے لِمَا كُنْتُ لام اپنے مجرور سے مل کر غِرْتُ کے متعلق ہوگا۔ اور يذكرها۔ اسمعه کی ضمیر مفعول بہ سے حال ہے وان كان میں ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ اور ضمیر شان محذوف اسم ہے ای انه۔ كان الخ جملہ خبر ہے فِي خُلَّتِهَا۔ خُلَّة اصل میں مصدر ہے۔ اسی لئے اس میں واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب یکساں ہیں۔ جیساکہ مصادر کا قاعدہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ مضاف محذوف ہے اور مضاف الیہ

اس کے قائم مقام ہے ای اھل خلتہا۔

تشریح (۲۰۳) مطلب حدیث کا ظاہر ہے کہ ایک سوکن دوسری پر غیرت کھاتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سب سے زیادہ غیرت حضرت خدیجۃ الکبریٰ پر آتی تھی۔ حالانکہ انپر بالکل غیرت نہیں آنی چاہیئے تھی۔ وجہ یہ ہے کہ میرے نکاح سے تین سال پہلے ہی ان کی وفات ہو چکی تھی۔ اور یہ بات عدم غیرت کا تقاضا کرتی ہے۔ کیونکہ غیرت کی کوئی وجہ نہیں اسی لئے آگے فرمایا کہ غیرت کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت ان کو یاد فرماتے تھے۔ اور اُن کی سہیلیوں کو ہدیے، تحفے بھیجتے رہتے تھے۔ جب آپ بکری ذبح فرماتے تو بھی اُن کی سہیلیوں کے پاس گوشت کا ہدیہ بھیجتے تھے۔ امام بخاریؒ نے یہ حدیث مختلف الفاظ و اسانید کے ساتھ باب تزویج النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ وفضلھا میں بھی ذکر فرمائی ہے۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضعداری، مروت اور تعلق کا لحاظ پاس معلوم ہوا۔ کہ اپنی مرحومہ بیوی سے تعلق و محبت رکھنے والیوں کے ساتھ بھی آپ اچھا برتاؤ فرماتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں بسا اوقات عرض کر دیتی کہ آپ تو اس بڑھیا کو اتنا یاد کرتے ہیں کہ گویا دنیا میں کوئی دوسری عورت ہے ہی نہیں۔ جبکہ اللہ نے آپ کو جوان سال اور اُن سے زیادہ خوبصورت بیوی بھی دیدی ہے۔ تو آپؐ فرماتے کہ وہ بہت ہی خوبیوں والی تھیں ان کو کیسے یاد نہ کروں۔ پھر انہیں سے میری اولاد بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ اولاد والی بیوی زیادہ چہیتی ہوتی ہے۔

حضرتِ خدیجۃ الکبریٰؓ

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بنتِ خویلد بن اسد القرشیہ پہلے ابو ہالہ بن زرارہ کے نکاح میں پھر عتیق بن عائذ کے نکاح میں رہیں اُن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ اسوقت آپ کی عمر شریف پچیس ۲۵ برس کی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر مبارک چالیس ۴۰ سال سے بھی زائد تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پہلے کسی عورت سے نکاح نہیں کیا تھا۔ اور حضرتِ خدیجہ پر بھی ان کی وفات تک کسی عورت سے نکاح نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرتِ عائشہؓ و حضرتِ سودہؓ سے نکاح فرمایا تھا۔ ہماری بڑی اماں حضرتِ خدیجۃ الکبریٰؓ تمام مردوں اور عورتوں سے پہلے ایمان لائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد بجز حضرت ابراہیم کے انہی کے بطنِ مبارک سے ہوئی۔ حضرت ابراہیم حضرتِ ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور بچپن ہی میں وفات پائی۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات ہجرت سے تین یا چار یا پانچ سال پہلے ۱۰ھ نبوی میں ہوئی۔ اسی سال آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہوا۔ یہ سال آپؐ کے لئے عام الحزن تھا۔ حضرتِ خدیجہؓ کی عمر شریف پینسٹھ ۶۵ برس ہوئی یعنی پچیس سال آپ کی خدمت کی سعادت میسر آئی۔ مقامِ حجون میں مدفون ہوئیں (حجون بحائے مفتوحہ و جیم،

مکہ کے ایک پہاڑ کا نام تھا، وہاں مکانات و قبرستان تھے۔ اب اسی مقام کو جنت المعلیٰ کہتے ہیں۔
بڑی اماں جان کے بہت سے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کی
سب سے بہترین عورت مریم بنت عمران ہیں۔ اور دنیا کی سب سے بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔
ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پہونچانے غار حراء جارہی تھیں، جبرئیل امینؑ نے آکر کہا کہ یارسول
اللہ یہ خدیجہؓ آرہی ہیں ان کے پاس ایک برتن ہے جس میں سالن اور روٹی ہے۔ جب آپ کے پاس آئیں تو
اُن سے ان کے رب کا سلام کہدیجئے اور میرا بھی۔ اور ان کو جنت میں ایک ایسے محل کی خوشخبری دیدیجئے
جو ایک ہی موتی کا ہوگا، اور اس میں نہ شور و شغب ہوگا اور نہ کوئی مصیبت و پریشانی۔ وغیرہ وغیرہ

مِنْهَا التَّحِيَّةُ وَاِفْشَاۗءُ السَّلَامِ

• ابواب بر میں سے سلام کرنا اور سلام کا پھیلانا بھی ہے۔

(۳۰۴) قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْرُدُّوْهَا
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔ اور جب تم کو سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھے الفاظ کیساتھ سلام کردیا انہیں
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا۔ (النساء آیت ۸۶)
الفاظ سے جواب دیدو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لیں گے۔

(۳۰۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ
حضرت ابو ہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو
اللّٰهُ اٰدَمَ قَالَ اذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰى اُولٰٓئِكَ نَفَرٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ جُلُوْسٍ
پیدا فرمایا تو حکم دیا کہ جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو جو بیٹھی ہوئی ہے۔
فَاسْتَمِعْ مَا يُحَيُّوْنَكَ فَاِنَّهَا تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ فَقَالَ السَّلَامُ
پھر سنو کہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں کہ وہی تمہارا سلام اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا تو آدمؑ نے کہا
عَلَيْكُمْ فَقَالُوْا وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔
السلام علیکم اسکے جواب میں فرشتوں نے کہا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ یعنی فرشتوں نے، ورحمۃ اللہ، کا اضافہ کیا۔

(۳۰۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍؓ قَالَ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ انْجَفَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَقِيْلَ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف دوڑ گئے اور یہ بات مشہور ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُ فِي النَّاسِ لِأَنْظُرَ إِلَيْهِ فَلَمَّا اسْتَبَنْتُ
تشریف لے آئے ہیں تو میں بھی لوگوں کے ساتھ آگیا تاکہ آپ کی زیارت کروں تو میں نے جب
وَجْهَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخِ انور دیکھا تو پہچان لیا کہ ان کا چہرہ کسی جھوٹے کا
بِوَجْهِ كَذَّابٍ وَكَانَ أَوَّلُ شَيْءٍ تَكَلَّمَ بِهِ أَنْ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا
چہرہ نہیں ہے۔ اور سب سے اوّل جو آپ نے کلام فرمایا وہ یہ تھا کہ اے لوگو! تم سلام پھیلاؤ
السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا
اور کھانا کھلاؤ۔ اور اسوقت (خاص طور پر) نماز پڑھو جب لوگ سوتے ہوں تو تم
الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ (ترمذی ص۲/۷۴)
جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤ گے۔

(۳۰۷) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم راستوں
إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ بِالطُّرُقَاتِ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ مَا لَنَا مِنْ
پر بیٹھنے سے بچو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے لئے راستوں کے سروں پر
مَجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيهَا قَالَ فَإِذَا أَبَيْتُمْ إِلَّا الْمَجْلِسَ فَأَعْطُوا
مجلسوں میں بیٹھنا ضروری ہوتا ہے ہم وہاں (ضروری) گفتگو کرتے ہیں فرمایا جب تم کو ایسے مقامات پر بیٹھنا
الطَّرِيقَ حَقَّهُ قَالُوا مَا حَقُّ الطَّرِيقِ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ غَضُّ الْبَصَرِ
ضروری ہے تو راستہ کا حق بھی ادا کیا کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ راستہ کا حق کیا ہے اے اللہ کے رسول؟ فرمایا
وَكَفُّ الْأَذَى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ۔
نگاہ نیچی رکھنا، دوسروں کو تکلیف نہ پہنچانا اور سلام کا جواب دینا اور بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔
(بخاری ص۹۲۰ مشکوٰۃ ص۳۹۸)

(۳۰۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُسَلِّمُ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ چھوٹا بڑے کو
الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ
سلام کرے اور گذرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔
وَالرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي۔ (بخاری ص۹۲۱ مشکوٰۃ ص۳۹۷)
اور سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔

(۳۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ
حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قسم ہے اس ذات کی
نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی
جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جنت میں نہ جاؤگے جبتک مومن نہوجاؤ اور تم مومن نہوگے جبتک کہ آپس میں
تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّکُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَا اَنْتُمْ فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا
ایک دوسرے سے محبت نہ کرو میں تمکو ایسی بات بتائے دیتا ہوں کہ جب تم اس کو کرلوگے تو تم آپس میں محبت کرنے لگوگے
السَّلَامَ بَیْنَکُمْ۔ (ترمذی ص۹۴ ج۲، مشکوٰۃ ص۲۹۷)
(وہ یہ ہے) کہ آپس میں سلام پھیلاؤ۔

(۳۱۰) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَا جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ
حضرت عمران بن حصینؓ وحضرت معاذ بن انسؓ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَرَدَّ عَلَیْهِ ثُمَّ جَلَسَ
حاضر ہوا اور کہا السلام علیکم تو آپؐ نے اس کا جواب دیا۔ پھر وہ بیٹھ گیا۔
فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ
تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دس" پھر دوسرا آدمی حاضر ہوا اس نے کہا
اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَیْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ عِشْرُوْنَ ثُمَّ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو آپ نے اس کا جواب دیا پھر وہ بھی بیٹھ گیا تو فرمایا (بیس) پھر
جَاءَ اٰخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ فَقَالَ ثَلٰثُوْنَ
ایک اور شخص آیا اور کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" تو آپنے فرمایا "تیس"
ثُمَّ اَتٰی اٰخَرُ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ وَمَغْفِرَتُهٗ
پھر ایک چوتھا شخص آیا اور اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ"
فَقَالَ اَرْبَعُوْنَ قَالَ هٰکَذَا تَکُوْنُ الْفَضَائِلُ۔ {ابوداؤد ص۲۵۹ ج۲، مشکوٰۃ ص۲۹۸}
تو آپنے فرمایا "چالیس" فرمایا کہ اسی طرح فضیلتیں ہوتی (بڑھتی چلی جاتی) ہیں۔

تشریح (۳۰۴) اس آیت میں حق تعالیٰ نے سلام وجواب سلام کے آداب ارشاد فرمائے ہیں تحیہ کے لفظی معنی حَیَّاکَ اللّٰهُ کہنا ہیں یعنی تمکو اللہ زندہ رکھے۔ اسلام سے پہلے عرب کی عادت تھی کہ آپس میں جب ملتے تو ایک دوسرے کو حَیَّاکَ اللّٰهُ (اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یا اَنْعَمَ اللّٰهُ بِکَ عَیْنًا (اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھے)، یا اَنْعِمْ صَبَاحًا (تیری صبح خوشگوار ہو)

وغیرہ الفاظ سے سلام کرتے تھے۔ اسلام نے ان طریقوں کو بدل کر "السلام علیکم" کہنے کا طریقہ جاری فرمایا۔

اسلامی سلام ایک عظیم معجزہ

ہمیشہ سے ہر قوم میں اس کا رواج رہا ہے کہ آپس میں ملاقات کے وقت وہ کوئی ایسا کلمہ کہیں جس سے انس ومحبت اور تعلق کا اظہار ہو لیکن اسلامی سلام جتنا جامع ہے دنیا بھر کے سارے ملاقاتی کلمات مل کر بھی اس کی جامعیت کا جواب نہیں بن سکتے۔ اس سلام میں اظہار محبت واعلان تعلق ہی نہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسا آٹھ پہلو لاجواب ہیرا ہے۔ کہ اس سے بیش قیمت کلمہ ممکن نہیں۔ یہاں ہمارا یہ موضوع نہیں اسلئے چند مختصر اور شافی کلمات میں اس کی حقیقت کو سمجھیئے۔

(۱) اس میں ملاقات کرنیوالوں کا طرفین سے اظہار محبت واعلان تعلق ہے۔ کہ تم پر ہماری طرف سے سلامتی ہے۔ کسی رنج وکلفت کا اندیشہ نہیں۔ کیونکہ ہم تم سے تعلق ومحبت رکھتے ہیں۔ اخوت وہمدردی کے جذبات رکھتے ہیں۔

(۲) محبت ورشتۂ اخوت کے مستحکم ومضبوط رکھنے کا طرفین سے ایک دوسرے کو پیام ہے کہ مستقبل میں بھی ہم تمہارے لئے امن وسلامتی کا پیغام دیتے ہیں۔ ابن عربی نے احکام القرآن میں ابن عیینہ کا قول نقل کیا ہے اتدری ما السلام؟ یقول انت آمن منی (یعنی تم جانتے ہو سلام کیا چیز ہے؟ سلام کرنے والا یہ کہتا ہے کہ تم مجھ سے مامون رہو۔

(۳) محبت وتعلق میں اپنا تعارف بھی ضروری ہوتا ہے۔ طرفین ایک دوسرے کو اپنا تعارف پیش کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور سلامتی ہمارا امتیازی نشان ہے۔ اسی لئے ہم تم پر سلامتی کا کلمہ پیش کرکے اس کا تم کو یقین دلاتے اور اپنا تعارف کراتے ہیں۔

(۴) یہ کلمہ اتنی بہترین وجامع ترین دعا ہے کہ ساری مخلوق مل کر آغاز آفرینش سے قیامت تک جتنی دعائیں مانگ سکتی ہے ان سب کو ایک مختصر سے کلمہ میں (گویا ایک سمندر کو کوزہ میں) بھر کر ایک دوسرے کو پیش کرتا ہے۔ اور اس دعا کا مطلب یہ ہوا کہ تم پر تمام آفات وآلام سے ہمیشہ ہمیش سلامتی ہو۔ جان کی، مال کی، آبرو کی، اہل وعیال کی، متعلقین کی، دنیا کی، عالم برزخ وقبر کی، عالم حشر وحساب کی، عالم پل صراط کی، میزان عمل کی، اور ابد الآباد کے لئے جنت کی راحتوں اور نعمتوں میں تم پر سلامتی ہو۔ غور کیجئے اس سے زیادہ جامع دعا اور اس کے علاوہ دعا کیا ہو سکتی ہے؟

(۵) اس میں اللہ کی عبادت وبندگی کی دعوت بھی ہے۔ کیونکہ لفظ سلام اللہ کا نام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم پر اللہ قابو رکھتا ہے۔ تم اس کے محتاج ہو۔ لہٰذا تمہارے لئے اسی کی رضا جوئی، اسی کی عبادت شایان شان ہے۔ طرفین سے ایک دوسرے کو یہی دعوت دیگئی ہے

سراپا عاجزی ہونے نے بندہ کردیا ہم کو = وگرنہ ہم خدا ہوتے جو دل بے آرزو ہوتا

(۶) یہ خوفِ خدا رکھنے کی بہترین دعوت بھی ہے۔ "السلام علیکم" تم پر خدا نگراں ہے جس کے ہاتھ میں سلامتی ہے۔ یاد رکھو اس کے حکم کو نہ توڑنا، ورنہ سلامتی سے محرومی ہو جائے گی۔ سر سے پیر تک اپنی حفاظت رکھنا۔ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، کم تولنا، کم ناپنا، کسی پر ظلم و جور، کسی پر زیادتی، کسی کی حق تلفی، امانت و دیانت کے خلاف کوئی حرکت اور عبادت میں سستی و غفلت نہ کرنا، مالک تمہارا نگراں ہے، تم پر بالادست ہے وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔

(۷) یہ کلمہ شریفہ شریعت و طریقت کا خلاصہ اور حقیقت کا عظیم الشان دروازہ ہے۔ علوم شرعیہ کا مقصود عمل اور عمل کا مقصود معیت ربانی و وصلِ محبوبِ حقیقی ہے۔ اس کلمہ سے طرفین ایک دوسرے کو یہی تصور دیتے ہیں، اسی مراقبہ کی تلقین کرتے ہیں کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اللہ کی معیت کا یقین رکھو۔ اسی کی تلقین نبیِ اعظم نے غارِ ثور میں صدیقِ اکبرؓ کو کی تھی۔ یہی درس قرآنِ پاک نے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اور وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ وغیرہ بہت سی آیات میں دیا ہے۔ یہ کلمہ پورے تصوف اور تمام مجاہدوں کی آخری منزل کی ایک مومن کو دعوت دے رہا ہے۔ جو اس کی دنیوی حیاتِ عارضی کا مقصود ہے۔ قطرہ کو اگر سمندر کی معیت نہ ملے تو فنا ہو جاتا ہے، اور اگر اپنے وجود کو سمندر میں غرق کر دیتا ہے تو اس کو ایک حیاتِ پائیدار مل جاتی ہے۔ صوفیہ کے یہاں لا موجود الا اللہ میں اسی حقیقت کا اظہار ہے، اور اسی کی مشق ہے۔ منصور بن حلاج کی زبان پر بے ساختہ یہی حقیقت تو آگئی تھی۔ اور اس افشاءِ راز کی اُس کو سزا دی گئی۔ تو یہ کلمہ شریفہ اسی مقامِ عالی کی طرف ہمہ وقت اہلِ ایمان کو کھینچ رہا ہے۔ گویا یہ اللہ کا بہترین ذکر اور ایسا فکر ہے جو اکسیرِ اعظم ہے۔

(۸) دنیا و آخرت کی فیروزمندی اور فتح و کامرانی صفتِ شجاعت سے وابستہ ہے۔ اگر یہ صفت نہیں تو نہ دنیا کی کامرانی میسر آسکتی ہے نہ آخرت کی۔ ملاقات کرنے والے دو مسلمان سلام کے ذریعہ ایکدوسرے کو شجاعت و ہمت کا تحفہ پیش کر رہے ہیں۔ کہ تم اپنی ناتوانی پر نظر نہ کرنا۔ توانائوں کا توانا اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس قادرِ مطلق کی نصرت و رحمت اور مدد تمہارے ساتھ ہے۔ ہمت نہ ہارو، بزدل نہ بنو۔ مخلوق سے نہ دبو۔ کیونکہ اے ایمان والو تمہارے پاس وہ طاقت موجود ہے کہ ساری دنیا کے پاس نہیں، اللہ تمہارے ساتھ ہے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

ان چند مختصر کلمات کے آئینہ میں آپ دنیا کے مروجہ سلاموں پر بھی نظر ڈالیں تو ان کی لغویت، انکا نقص، ان کی معنوی کوتاہی، لفظی رکاکت کا آپ کو یقین ہو جائے گا۔

حَیَّاكَ اللّٰہُ، اَنْعِمْ صَبَاحًا، اَنْعَمَ اللّٰہُ بِكَ عَیْنًا، خدا حافظ، شب بخیر جیسے الفاظ دمکتے ہوئے سورج کے سامنے بے حقیقت چراغ نہیں تو کیا ہیں؟ گڈ مورننگ، گڈ نائٹ وغیرہ الفاظ کی

سلمیت واضح ہے۔ اور نمستے، نمسکار، جے رام جی کی، جے بھارت اور جے فلاں کے الفاظ کی رکاکت وسلمیت کو حاجت بیان ہی نہیں۔ لفظ السّلام علیکم ایسا جامع ترین لفظ ہے کہ اس کا جواب موجود نہیں یہ اسلام کی حقانیت پر ایک برہانِ قاطع، زبردست دلیل اور لازوال معجزہ ہے۔ ساری دنیا کو چیلنج ہے کہ اسلام کے اس کلمہ کا جواب ہی پیش کردے جو ہمہ وقت مسلمانوں کی زبان پر جاری رہتا ہے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۝

آیت کی تفسیر یعنی جب تم کو کوئی اسلامی وشرعی سلام کرے (کیونکہ جاہلیت والے سلاموں کو ممنوع قرار دیکر اُن کی جگہ اسلامی سلام کا حکم ہوگیا تھا اسلئے یہاں تحیۃ سے مراد صرف اسلامی سلام ہے) تو تم اس سے بہتر جواب دو۔ یا کم ازکم اسی کو لوٹا دو یعنی ویسے ہی الفاظ جواب میں کہدو۔ یہ صیغۂ امر وجوب کے لئے ہے۔ اور لفظ اَوْ اختیار کے لئے ہے۔ لہٰذا سلام کا جواب اتنے ہی الفاظ میں دینا تو واجب ہے جتنے الفاظ سلام کرنے والے نے کہے ہیں۔ مثلاً السّلام علیکم کہا تو جواب میں وعلیکم السّلام کہے۔ اور آگے رحمت وبرکت کے الفاظ بڑھا کر جواب دینا مستحب ہے۔ سلام یا جوابِ سلام میں جتنا اضافہ کیا جائیگا اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جیساکہ حدیث میں آرہا ہے۔ لیکن جس قدر اضافہ حدیث سے ثابت ہے اس سے زائد کرنا اچھا نہیں کما سیأتی۔

(۲۰۵) روایت میں اول وآخر حصّوں کو حذف کردیا گیا ہے۔ شروع اس طرح ہے کہ:

خلق اللّٰہ اٰدم علیٰ صورتہٖ طولہ ستون ذراعًا فلمّا خلقہٗ قال اذھب فسلّم علیٰ اولٰئک النفر وھم نفر من الملائکۃ جلوس الخ	اللّٰہ تعالیٰ نے آدم کو ان کی (یا اپنی) صورت پر پیدا کیا ان (کے قد) کی لمبائی ساٹھ ذراع تھی پس جب ان کو پیدا کیا تو فرمایا کہ جاؤ اور اس جماعت کو سلام کرو۔ اور وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہوئی تھی

خلق اللّٰہ اٰدمَ علیٰ صُوْرَتِہٖ کا مطلب یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے آدم کو اُن کی صورت پر پیدا کیا۔ یعنی ان کو ممتاز صورت دی، اور اسی پر وہ جنت میں اور دنیا میں وفات تک رہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہ مطلب جب ہے کہ صورتہٖ کی ضمیر آدم کی طرف راجع ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اللّٰہ کیطرف راجع ہو۔ تو مطلب یہ ہوگا اللّٰہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صفات پر پیدا کیا یعنی ذاتِ آدم صفات خداوندی کا مظہر تھی۔ حیات وعلم اور سمع وبصر یہ سب صفات ان میں رکھی تھیں۔ اگرچہ اللّٰہ کے مثل کوئی شئی نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ ضمیر عبد کی طرف راجع ہے۔ کیونکہ حدیث کا سبب یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کے چہرہ پر مارا تو آپ نے اس کو منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (کہ اللّٰہ نے حضرت آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا تھا اسلئے اس کی صورت کا اکرام

کرنا چاہیئے۔) علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس ضمیر کا مرجع آدم ہی ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ آدم کی ذرّیت تو اپنی پیدائش میں مختلف انقلابات سے گذرتی ہے۔ نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر کہیں ان کی صورتِ انسانی وجود میں آتی ہے۔ پھر حمل سے منتقل ہوکر جنین، پھر طفل، پھر شباب کے عالم میں پہونچتے ہیں، اور صورت اور قد و قامت کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا گیا تو ان کی صورت اور قد و قامت میں یہ انقلابات نہیں ہوئے۔ بلکہ وہ اولِ خلقت ہی سے کامل و مکمل تھے۔

علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ یہ تأویل گو اپنی جگہ پر درست ہے۔ لیکن حدیث کے یہ معنیٰ بیان کرنا درست نہیں کیونکہ دوسری روایت میں صراحت کے ساتھ علیٰ صورۃ الرحمٰن وارد ہے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک غلام کے چہرہ پر مار رہا ہے تو آپ نے فرمایا لا تضرب الوجہ فان اللّٰہ خلق اٰدم علیٰ صورتہٖ جس سے متبادر یہی ہے کہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس سلسلہ میں اہلِ حق کے دُو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ تشبیہ کی نفی کرنے اور لیس کمثلہٖ شئ کا عقیدہ رکھنے کے باوجود تأویل نہیں کرتا۔ بلکہ اس کو اللہ کے علم پر محمول کرتا ہے۔ یہ (متقدمین کا) طریقہ اسلم ہے۔ دوسرا طبقہ تأویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ صورتہٖ کی اضافت تکریم و تشریف کے لئے ہے (جیسے بیت اللہ ناقۃ اللہ اور روح اللہ وغیرہ کی اضافت ہے) اور یہ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر آدمؑ کو جمال و کمال ہر اعتبار سے ممتاز صورت عطا فرمائی ہے۔ تو صورتِ بشریہ اکرام و اعزاز کی مستحق قرار پائی قال اللہ تعالیٰ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ط ترمذی میں ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ:

لمّا خلق اللّٰہ اٰدم و نفخ فیہ الرّوح عَطِسَ فقال الحمد للّٰہ فحمد اللّٰہ باذنہٖ فقال لہٗ ربّہٗ یرحمک اللّٰہ یا اٰدم اذھب الیٰ اولٰئک الملائکۃ الیٰ ملأٍ منھم جلوس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو ان کو چھینک آگئی انہوں نے الحمد للہ کہا اور اللہ کی توفیق سے انہوں نے اللہ کی حمد کی تو ان کے رب نے (جواباً) ان کو یرحمک اللہ فرمایا۔ اور فرمایا اے آدم ان فرشتوں کے پاس جاؤ فرشتوں کی ایک جماعت کی طرف اشارہ فرماکر جو بیٹھے تھے۔
فقل السّلام علیکم فقال السّلام علیکم قالوا و علیک السّلام و رحمۃ اللّٰہ ثمّ رجع الیٰ ربّہٖ فقال ھٰذہٖ تحیتک و تحیۃ ذرّیتک بینھم الخ	اور کہو السّلام علیکم۔ چنانچہ آدمؑ نے السّلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے جواب دیا و علیک السّلام و رحمۃ اللہ۔ پھر آدم اپنے رب کی طرف لوٹے تو فرمایا کہ یہ تمہارا اور تمہاری ذرّیت کا آپس میں سلام ہے۔ (پھر آگے طویل حدیث ہے)

فرشتوں نے جو سلام کا جواب دیا اس میں انہوں نے "ورحمۃ اللہ" کا اضافہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا

کہ جواب میں زیادتی جائز بلکہ افضل ہے۔ جیساکہ آیت فَحَيُّوا بِاَحْسَنَ مِنْهَا سے بھی معلوم ہوا، دوسرا اس جواب میں لفظ السّلام کی تقدیم کا جواز بلکہ اس کا استحباب مفہوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مقام مقام تعلیم تھا۔ لیکن جمہور کے نزدیک لفظ السّلام کی تاخیر افضل ہے۔ یعنی وعلیکم السّلام کہا جاتے۔ چاہے اس میں زیادتی کرے یا نہ کرے۔ اور اس روایت کا جواب یہ ہے کہ شاید فرشتوں نے بھی ابتداء بالسّلام کا ارادہ کیا ہو۔ جیساکہ اکثر ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص السّلام علیکم کہتا ہے اور دوسرا بھی چونکہ ابتداء بالسّلام کا ارادہ کرچکا تھا اسلئے وہ بھی السّلام علیکم کہہ دیتا ہے۔ لیکن جوابِ سلام اسی وقت درست ہوسکتا ہے۔ جبکہ ایک کے سلام کے بعد دوسرے کا سلام ہوا ہو۔ لیکن اگر دونوں نے ایک ساتھ السّلام علیکم کہا تو دونوں پر جوابِ سلام واجب ہوگا۔ وھٰذہٖ مسئلۃ اکثر الناس عنہا غٰفلون۔

اس حدیث (۳۰۵) کا آخری حصّہ یہ ہے کہ:

قال فکل من یدخل الجنۃ علی صورۃ اٰدم طولہٗ ستون ذراعًا فلم یزل الخلق ینقص بعدہٗ حتی الاٰن۔

فرمایا کہ جو شخص بھی جنت میں جائیگا وہ آدم کی صورت اور قدوقامت پر ہوگا کہ اسکا قد ساٹھ ذراع ہوگا (کیونکہ آدم کا طول اتنا ہی تھا اور اب جو قد کم ہوتا ہے تو) گھٹتے گھٹتے یہاں تک نوبت پہونچ گئی۔

(۳۰۶) اس حدیث کا مضمون (۳۰۰) میں گذرچکا ہے۔ نیز اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ کے تحت (۸) میں اِطعامِ طعام وافشائے سلام کا مضمون گذرچکا ہے۔ ہاں اس میں حضرتِ عبداللہ بن سلام کا یہ قول ہے کہ میں نے جب آپکا چہرۂ انور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ کسی کذاب کا چہرہ نہیں۔ یہ معنی جب ہیں کہ وجہ کذاب میں اضافت مانی جائے۔ اور اگر اس کو موصوف صفت مانا جائے تو معنی یہ ہیں کہ یہ جھوٹا چہرہ نہیں۔ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ یہ اسلئے فرمایا کہ عبداللہ بن سلام یہودی عالم تھے۔ تمام علامات ونشانات اور حلیہ سے واقف تھے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کہ جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچان لینے میں کوئی دقت اور اشتباہ نہیں ہوتا اہلِ کتاب کو بھی آپ کے پہچاننے میں کوئی شبہ وشک نہیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ ؎

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور ٭ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

آپ کی ہر ادا، ہر صفت، ہر چیز معجزہ تھی۔ کلام، کمال، جمال، اعمال اور اخلاق۔ کوئی سعید وباشعور انسان ایک نظر دیکھ کر آپ کے نبی صادق ہونے میں شبہ نہیں کرسکتا تھا۔ اور شقاوت کا تو علاج ہی کیا ہے۔؟

(۳۰۷) ایاکم والجلوس بالطرقات۔ ای فیہا وفی روایۃ علی الطرقات۔ یہ طُرُق کی جمع اور طُرُق

طُرُق کی جمع ہے۔ آپؐ نے راستوں پر بیٹھنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ راستے تمام انسانوں اور حیوانات کے مشترکہ ہیں کسی کو قبضہ کرنے کا حق نہیں۔ اور اگر راستہ کے کنارہ بیٹھا جائے تو نگاہ، زبان وغیرہ کی حفاظت کا مسئلہ دشوار ہے۔ پھر یہ اوباشوں کا طریقہ ہے اچھے لوگوں کا کام نہیں۔ ان وجوہ سے آپنے منع فرمایا تھا۔ لیکن بعض مرتبہ ضرورتًا بھی سرراہ بیٹھنا پڑتا ہے۔ اسی لئے حضرات صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ مَالنا من مجالسنا بدٌ نتحدث فیھا۔ یارسول اللہ ہمارا راستوں پر بیٹھنا ضروری ہوتا ہے۔ ہم وہاں بیٹھکر ضروری دنیوی واُخروی امور میں گفت گو، مشورے، مذاکرے اور معالجات و معاملات وغیرہ کرتے ہیں۔ (اس میں من مجالسنا، بُدّ کے متعلق ہے) تو آپنے فرمایا کہ اگر بیٹھنا ہی ضروری ہے تو راستہ کا حق ادا کرو۔ دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ راستہ کا حق غیر محرم عورتوں، ممنوع چیزوں اور لوگوں کے عیوب سے نگاہوں کی حفاظت کرنا۔ گذرنے والوں کو خاص طور پر ہاتھ، زبان وغیرہ سے اور راستہ کو تنگ کرکے تکلیف نہ پہونچانا، مسلمانوں کے سلام کا جواب دینا اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، یہ سب امور راستہ کا حق ہے۔ حضرتِ ابوہریرۃؓ کی روایت میں اسی بارے میں وارشاد السّبیل کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ بتانا (مشکوٰۃ ص۳۹۸) اور اسی قصہ میں حضرتِ عمرؓ کی نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے وتغیثوا الملھوف وتھدوا الضال یعنی تم پریشان حال مظلوم کی مدد کرو، اور بھولے بھٹکے کو راستہ بتاؤ۔ (مشکوٰۃ ص۳۹۸)

حضرتِ ابوہریرۃؓ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے لاخیرَ فی جلوسٍ فی الطرقاتِ الّالمن ھدیٰ السّبیل وردَّ التحیۃ وغضّ البصرَ واَعان علی الحمولۃ (راستوں میں بیٹھنے میں کوئی خیر نہیں مگر اس کے لئے جو راستہ بتائے اور سلام کا جواب دے اور نگاہ کی حفاظت کرے اور بوجھ لدھوانے میں مدد کرے (مشکوٰۃ ص۳۹۹)

(۳۰۸) چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔ کیونکہ سلام میں توقیر وتعظیم ہے۔ اور چھوٹوں کو حکم ہے کہ وہ بڑوں کی تعظیم کریں۔ اور تواضع سے پیش آئیں۔ اور فاسق وبدعتی تعظیم کے مستحق نہیں اسلئے ان کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اور گذرنے والا اور قلیل دونوں صغیر کے حکم ومرتبہ میں ہیں۔ اسلئے گذرنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے، اور قلیل، کثیر کو کرے، اور راکب وسوار، ماشی (پیدل چلنے والے) کو اسلئے کرے کہ راکب کو حق تعالیٰ نے رفعت دی ہے۔ اس کو بطورِ شکریہ تواضع اختیار کرنی چاہیئے، اور پیدل کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اس کا اکرام واحترام کرنا چاہیئے۔

ماوردیؒ فرماتے ہیں کہ راکب کو ابتداء بالسّلام کا حکم اسلئے ہے کہ سلام کی وضع میں ایک حکمت ازالۂ خوف بھی ہے۔ یعنی دو ملاقاتی جب ایک دوسرے کو سلام کریں گے تو طرفین

کے دل طرفین سے مطمئن ہوجائیں گے، اور ان میں کوئی خوف واندیشہ باقی نہ رہیگا۔ اور تواضع بھی اسمیں شامل ہے۔ جو مؤمن کے حال کے مناسب ہے۔ اور مخاطب کی تعظیم وتکریم بھی اس میں ہے۔ اور محبت حاصل کرنا اور نفرت وکراہت دُور کرنا بھی، لس کہیں کسی مقصد کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ اور کہیں کسی دوسرے مقصد کو مناسب واہم قرار دیدیا گیا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے راکب' ماشی کو اور ماشی قاعد کو سلام کریگا۔ تاکہ سلامتی کی اطلاع دیکر اُن کے قلوب سے ازالۂ خوف کردیں۔ اور قلیل، کثیر کو تواضع کی وجہ سے اور صغیر کبیر کو توقیر وتعظیم کی بنا پر سلام کرے۔ میں کہتا ہوں کہ تواضع تو ہر صورت میں موجود ہے خواہ مذکور کے برعکس ہو۔ اسی بنا پر علماء کا فیصلہ ہے کہ ثوابُ المُسلِّم اکثر من اجر المجیب (سلام کرنیوالے کا ثواب جواب دینے والے سے زائد ہے) حالانکہ سلام کرنے والے کا فعل مسنون اور جواب دینے والے کا واجب ہے۔ اسی لئے حدیث میں ہے اَولَی النَّاسِ بِاللّٰہِ مَنْ بَدَءَ بِالسَّلَامِ (مشکوٰۃ ص۳۹۸) یعنی اللہ کے قرب کی منزلوں پر سب سے زائد وہی پہونچیگا جو ابتداءً بالسلام کریگا۔ من تواضع للہ رفعہ اللہ۔ ایک حدیث میں ہے البادیٔ بالسلام بریٔ من الکبر۔ (مشکوٰۃ ص۴۰۰) سلام کی ابتداء کرنے والا تکبر سے بری ہے یعنی متواضع ہے۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ تفصیل مذکور جب ہے کہ راکب و ماشی، قلیل وکثیر اور صغیر وکبیر راستہ میں ملیں لیکن اگر بیٹھنے والوں پر یا بیٹھنے والے پر کسی کا وُرود ہورہا ہو تو وارد ہونے والا (آنیوالا) سلام کریگا چاہے آنیوالا صغیر ہو یا کبیر، راکب ہو یا ماشی، قلیل ہو کہ کثیر۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ایک شخص کی جماعت سے ملاقات ہوئی۔ یا وہ کسی جماعت کے پاس آیا تو بعض افراد کو خاص کرکے سلام کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ سلام کے مقاصد میں سے اُلفت وموانست بھی ہے۔ اور بعض کو خاص کرکے سلام کرنے سے دوسروں کو وحشت ونفرت ہوگی۔ بلکہ ایسی حرکت بعض مرتبہ عداوت پیدا کردیتی ہے ہاں اگر بازاروں یا ایسے راستوں پر جارہا ہے کہ جہاں بہت سے لوگ ہیں وہاں بعض لوگوں کو خاص کرکے سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ سب کو سلام کرنے میں حرج ہے۔ سلام کرنیوالے کو بھی پریشانی اور مصروف لوگوں کے لئے بھی دِقت ہوگی۔

(۳۰۹) وَلَا تُؤْمِنُوْا کا عطف لَا تَدْخُلُوْن پر ہے۔ اسلئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وَلَا تُؤْمِنُوْن بنون الجمع ہو۔ لیکن امام محی الدین نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام کتبِ اصول وجملہ روایات میں بحذف النون ہی وارد ہوا ہے۔ ممکن ہے کہ مجانست وازدواج یعنی حتّٰی تؤمنوا کی مناسبت کیوجہ سے نون کو حذف کیا گیا ہو۔ علامہ طیبیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ ہم نے مسلم وحمیدی اور جامع اصول کے بعض نسخوں میں اور مصابیح کے بعض نسخوں میں وَلَا تُؤْمِنُوْنَ بالنون پایا ہے، جیساکہ ظاہر ترکیب کا تقاضا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ کے صحیح اور ان معتمد علیہ نسخوں میں جو مشائخ کبار (مثلاً علامہ جزری، سید اصیل الدین،

اور جمال الدین محدث وغیرہ) کے سامنے پڑھے گئے۔ ان تمام میں یہ لفظ بحذف النون ہی ہے۔ اور کسی نسخے میں بھی ہم نے نون نہیں پایا۔ اور متن مسلم جو تمام مشائخ کے سامنے پڑھا گیا جن میں سید نور الدین ایجی بھی ہیں۔ تو اس میں بھی بحذف النون ہے۔ ہاں حاشیہ میں نسخہ بثبوت النون ہے۔ اور تیسیر الوصول الی جامع الاصول میں بھی بحذف النون ہے۔ بلکہ اس میں تو لاتدخلوا بھی بحذف النون ہے اور شاید یہ صیغہ نہی ہو جس سے معنیٔ نفی مراد ہوں۔ جیساکہ بسا اوقات صیغہ نفی سے بھی معنیٔ نہی مراد لیے جاتے ہیں۔ اور اہل علم کے یہاں یہ بات مشہور ہے۔ اور لا تؤمنون کا مطلب لا تؤمنون ایمانًا کاملًا ہے۔ یعنی یہ لا نفی کمال کے لئے ہے۔ اصل ایمان کی نفی نہیں ہے۔ حتی تحابوا بحذف احدی التائین وتشدید الباء المضمومۃ ای حتی یحب کل منکم صاحبہ۔

الا ادلکم الخ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افشائے سلام کو سبب محبت اور محبت کو سبب ایمان واعلائے کلمۃ الاسلام قرار دیا ہے۔ جس طرح کہ تہاجر وتقاطع یعنی چھوٹ چھٹاؤ اور باہمی تفریق وعداوت اور بغض وحسد کو دین کے ختم ہوجانے اور اسلام میں کمزوری پیدا ہوجانے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ کما قال تعالی واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا ولا تفرقوا الآیۃ تفصیلہا قبل۔

(۳۱۰) السلام علیکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہوئے ضمیر جمع استعمال کی گئی۔ اس سے بعض لوگوں نے اسپر استدلال کیا ہے کہ مسلّم علیہ ایک بھی ہو تو ضمیر جمع استعمال کرنا افضل ہے لیکن اس روایت سے استدلال درست نہیں کیونکہ احتمال یہ بھی ہے کہ آپ کے ساتھ اور لوگ (حضرات صحابہؓ) بھی ہوں۔ اسلئے ضمیر جمع کا استعمال کیا گیا ہو۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

فردّ علیہ اما بمثلہ او باحسن منہ عشرٌ ای لہ عشر حسنات او المکتوب لہ عشر حسنات (یعنی خبر محذوف ہے) یا فعل محذوف مانا جائے کُتِبَ یا حَصَلَ لہ یا ثبت عشرٌ۔ وبرکاتہ برکت کے معنیٰ ثبات کے ہیں یا اصل پر زیادتی کے۔

ھکذا تکون الفضائل یعنی مسلمان کا ثواب ہر لفظ پر اسی طرح بڑھتا چلا جاتا ہے جس طرح ان آنے والوں کا ثواب ایک ایک لفظ کے اضافہ پر دس دس نیکیوں کی شکل میں بڑھا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ افضل سلام یہ ہے کہ سلام کرنے والا یہ کہے (خواہ جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ ایک ہی کیوں نہ ہو) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (جمع کی ضمیر کا استعمال کرے اور رحمت و برکت کا بھی ذکر کرے) اور جواب دینے والا کہے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (وعلیکم میں واؤ عاطفہ لائے اور ضمیر جمع کا استعمال کرے) اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مسلِّم، السلام علیکم کہے اور اگر السلام علیک یا سلامٌ علیک کہدیگا تب بھی سلام ہوجائیگا۔ اور مجیب وعلیکم السلام یا علیک السلام کہے لیکن اگر واؤ کو حذف کردے تب بھی جواب کافی ہوجائے گا۔

لیکن اگر صرف علیکم بغیر واؤ کے کہدیگا تو بالاتفاق جواب نہو گا۔ اور اگر وعلیکم واؤ کے ساتھ کہیگا تو اس کا جواب ہونا مختلف فیہ ہے۔ امام ابوالحسن واحدی کا قول ہے کہ سلام کو معرف باللام کہو یا منکر تمہیں اختیار ہے۔ علامہ نوویؒ نے فرمایا معرف لانا اولیٰ ہے۔ معرف میں چونکہ معہود خارجی یا ذہنی ہونا ضروری ہے اسلئے اگر معرف ہے تو مراد وہ سلام ہوگا جو حضرت آدم علیہ السلام نے ملائکہ کو کیا تھا۔ اور اگر منکر ہے تو وہ جنس سلام مراد ہے جس کو سارے مسلمان جانتے ہیں۔ اور السلام علیکم میں تعریض ہے کہ کفار کے لئے سلامتی نہیں باری تعالیٰ کے قول وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ فافہم۔ (مرقات ص ۵۶۰ ج ۴)

حضرت عبداللہ بن سلامؓ

عبداللہ بن سلامؓ کی کنیت ابو یوسف ہے۔ اور نسبت الاسرائیلی ہے۔ آپ حضرت یوسف بن یعقوب علیہما السلام کی اولاد میں سے ہیں بنی عوف بن خزرج کے حلیف تھے۔ اور احبار یہود میں سے ایک تھے۔ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی۔ ان سے ان کے بیٹوں (یوسف و محمد) نے اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے روایت کی۔ مدینہ منورہ میں ۴۳ھ میں وفات ہوئی۔ (سلام بتخفیف اللام) رضی اللہ عنہ۔

حضرت عمران بن حصینؓ

عمران بن حصین بن عبید بن خلف الخزاعی الکعبی، کنیت ابو نجید ہے۔ حضرت عمرانؓ و حضرت ابوہریرہؓ دونوں فتح خیبر کے سال مسلمان ہوئے۔ ان کے والد بھی مسلمان ہوگئے تھے۔ حضرت حسن بصریؒ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ بصرہ میں کوئی سوار حضرت عمران بن حصینؓ سے بہتر نہیں آیا۔ آپ فضلاء و فقہاء صحابہؓ میں سے تھے۔

ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ ان سے فرشتے مصافحہ کرتے تھے۔ اکتواء (داغ لگوانے) سے پہلے۔ ابن البرقی نے کہا کہ فتح مکہ کے دن یہ بنی خزاعہ کے صاحب رایہ تھے۔ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور معقل بن لیسار سے اور آپ سے ابورجاء، مطرف، زرارہ بن ابی اوفیٰ، ابوالاسود دیلی، ربعی بن الحراش، حکم بن الاعرج، زہدم، صفوان، عبداللہ بن رباح انصاری، عبداللہ بن بریدہ، ابن سیرین، حسن بصری، ابوقتادہ ان کے بیٹے نجید اور بہت سے حضرات روایت کرتے ہیں۔ آپ بصرہ میں رہے، اور وہیں ۵۲ھ میں وفات پائی۔ اور ابن مندہ نے ایک قول ۲۵ھ کا نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم

(نجید بضم النون و فتح الجیم و سکون الیاء و بالدال المہملۃ)

حضرت معاذ بن انسؓ

ھو معاذ بن انسؓ الجھنی الصحابی معدود فی اھل مصر و حدیثہ عندھم روی عنہ ابنہ سہل (الاکمال)

ولم اطلع علی تفصیل ترجمتہ۔

نسیم احمد غازی مظاہری

(۳۱۱) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ
حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں میں
اَوْلَی النَّاسِ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مَنْ بَدَأَھُمْ بِالسَّلَامِ۔ (ابوداؤد ص۳۶۰ ج۲ مشکوۃ ص۳۹۸)
اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب وہ ہے کہ جو ابتدا بالسلام کرے۔

(۳۱۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا لَقِیَ
حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے
اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَۃٌ اَوْجِدَارٌ اَوْحَجَرٌ
بھائی سے ملے تو اس کو سلام کرے پھر اگر دونوں کے درمیان کوئی پیڑ، دیوار یا پتھر حائل ہوجائے پھر ملاقات
ثُمَّ لَقِیَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ۔ (ابوداؤد ص۳۶۰ ج۲ مشکوۃ ص۳۹۹)
ہو تو پھر اس کو سلام کرے۔

(۳۱۳) قَالَ الْحَسَنُ اِنْتَھٰی اِلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پہونچے
وَاَنَا غُلَامٌ فِیْ غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَیْنَا۔ (ابوداؤد ص۳۶۰ ج۲)
اور میں بچہ تھا بچوں میں کھیل رہا تھا تو آپ نے ہم (بچوں) کو سلام کیا۔

(۳۱۴) وَقَالَ اَنَسٌ اَتٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی غِلْمَانٍ
اور حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچوں پر گذر ہوا
یَلْعَبُوْنَ فَسَلَّمَ عَلَیْھِمْ۔ (ابوداؤد ص۳۶۰ ج۲ مشکوۃ ص۳۹۷)
جو کھیل رہے تھے تو آپ نے اُن کو سلام کیا۔

(۳۱۵) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ مَرَّ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
حضرت اسماء بنت یزیدؓ نے فرمایا کہ ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا فِیْ نِسْوَۃٍ فَسَلَّمَ عَلَیْنَا۔ (ابوداؤد ص۳۶۰ ج۲ مشکوۃ ص۴۰۰)
اور میں عورتوں میں تھی تو آپ نے ہم کو سلام کیا۔

(۳۱۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْمَقْبُرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوسعید مقبریؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
اِذَا انْتَھٰی اَحَدُکُمْ اِلَی الْمَجْلِسِ فَلْیُسَلِّمْ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّقُوْمَ فَلْیُسَلِّمْ
کہ جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہونچے تو سلام کرے پھر جب اُٹھنے کا ارادہ کرے تو سلام کرے

فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقَّ مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ (ابوداؤد ص۲/۳۶۰ ترمذی ص۲/۹۹ مشکوٰۃ عن ابی ہریرۃؓ ص۳۹۹)
کیونکہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں۔

(۲۱۸) عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

يُجْزِئُ عَنِ الْجَمَاعَةِ اِذَا مَرُّوْا اَنْ يُّسَلِّمَ اَحَدُهُمْ وَيُجْزِئُ عَنِ
جماعت جب گذرے تو ان میں سے ایک کا سلام کرلینا سب کو کافی ہے۔ اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے

الْجُلُوْسِ اَنْ يَّرُدَّ اَحَدُهُمْ۔ {ابوداؤد ص۲/۳۶۰ وص۲/۳۶۱ ترمذی ص۲/۹۳ و۹۴ و۹۵ مشکوٰۃ ص۳۹۹}
ایک شخص کا جواب دیدینا سب کو کافی ہے۔

تشریح (۲۱۷) ملاقات کرنیوالوں میں سب سے زیادہ اللہ کے قریب یعنی اس کی رحمت و غفران کا زیادہ حقدار یا ان میں اللہ کا زیادہ مخصوص و مقرب بندہ وہ ہے جو سلام کی ابتدا کرے۔ کمافی قولہ تعالیٰ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ ای اقربہم واخصہم بابراهیم۔ اور اقربیت کی وجہ عنقریب ضمناً گذر چکی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں میں سے جو تمہارے بھائی کی دوستی کو تمہارے لئے خالص بنادیں تین چیزیں ہیں۔ (۱) تم سلام میں پہل کرو۔ (۲) جب ملاقات کرو تو اس کو ایسے اچھے نام کے ساتھ پکارو جس کو وہ پسند کرتا ہے۔ (۳) اور جب وہ آئے تو تم مجلس میں وسعت کردو یعنی اس کے لئے جگہ چھوڑ دو۔

(۲۰۳) اَحَدٌ سے مراد مسلم ہے لانّ التسلیم علی الکافر غیر جائز۔ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ یعنی جب درمیان میں کوئی چیز حائل ہوجائے یا معمولی غیبوبت ہوجائے تو دوبارہ سلام کرے تجدیداً للعہد و تاکیداً للمودۃ۔ اس حدیث میں افشائے سلام کی تاکید و تحریض ہے کہ سب آنے جانیوالے سلام کریں۔ موطا امام مالکؒ میں طفیل کا بیان ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ صبح تشریف لاتے اور میرے ساتھ بازار جاتے۔ میں نے ایک دن عرض کیا کہ آپ روزانہ بازار تشریف لیجاتے ہیں اور خرید و فروخت کچھ نہیں کرتے، نہ کسی چیز کا بھاؤ پوچھتے ہیں۔ نہ کسی چیز کا سودا کرتے ہیں۔ اور نہ ہی بازار میں کسی جگہ بیٹھتے ہیں (پھر کیوں تشریف لیجاتے ہیں) فرمایا کہ او پیٹ کے بندے ہم سلام کرنے جاتے ہیں۔ جو ہمیں مل جاتا ہے ہم اس کو سلام کرتے ہیں۔ (ایضاً فی المشکوٰۃ ص۴۰۰)

(۲۰۳ و ۲۰۴) حضرت حسن بن علیؓ اور حضرت انس بن مالکؓ دونوں حضرات کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیلنے والے چھوٹے بچوں کو سلام فرمایا۔ یہ آپ کی تواضع بھی اور تواضع کی تعلیم بھی۔ بچوں سے شفقت کا اظہار تھا اور شفقت کی تعلیم بھی۔

اس میں بچوں کی تادیب بھی تھی کہ وہ سلام کیا کریں۔ پھر آپ گذر کر جارہے تھے اور آپنے فرمایا گذرنیوالا سلام کرے۔ تو آپنے خود بھی اس حکم کی تعمیل فرمائی یا بچوں کی کثرت کی بنا پر سلام فرمایا، کیونکہ آپنے فرمایا کہ قلیل، کثیر کو سلام کرے وغیرہ۔ امام محی الدین نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو یہانتک کہ ہوشیار بچوں کو بھی سلام کرنا مستحب وپسندیدہ ہے۔

مسئلہ۔ اگر مردوں اور بچوں کو کسی نے سلام کیا، اوران میں سے ایک صبی ممیز (ہوشیار بچہ) نے جواب دیدیا تو صحیح یہ ہے کہ جواب ہوجائیگا۔ اور سبکے ذمہ سے وجوب ساقط ہوجائیگا۔ جیساکہ صلوٰۃ جنازہ ہے کہ صبی ممیز کے ادا کرلینے سے سب کے ذمہ سے اس کی فرضیت ساقط ہوجاتی ہے۔

مسئلہ۔ اگر کسی جماعت کو سلام کیا گیا اور اس جماعت کے علاوہ کسی اور شخص نے جواب دیدیا تو اس جماعت سے وجوب ساقط نہوگا۔ اسی طرح اگر مجلس میں سے کسی خاص شخص کو سلام کیا اور اسکے علاوہ اہل مجلس میں سے کسی نے جواب دیدیا تو وہ جواب کافی نہوگا بلکہ اس مخصوص آدمی کے ذمہ وجوب جواب باقی رہیگا۔

(۲۱۵) حضرت اسماء بنت یزیدؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر عورتوں پر ہوا جن میں میں بھی تھی تو آپنے ان کو سلام کیا۔ مسند احمد میں جریر بن عبداللہؓ کی روایت میں ہے ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علیٰ نسوۃٍ فسلّم علیھنّ (مشکوٰۃ ص ۳۹۹)

ابن الملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہے کیونکہ آپ معصوم اور فتنہ سے مامون ہیں آپ کے علاوہ کسی اُمتی کو اجنبیہ عورت کو سلام کرنا مکروہ وممنوع ہے۔ لیکن اگر عورت بالکل بڑھیا ہے فتنہ کا اندیشہ نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور بہت سے علماء نے اجنبی عورت و اجنبی مردیں سے ہر ایک کے لئے مطلقاً کراہت کا فتویٰ دیا ہے لِاَنَّ لِکُلِّ سَاقِطَۃٍ لَاقِطَۃٌ۔

مسئلہ۔ ایک عورت مرد کے ہمراہ ہے، اگر وہ اس کی بیوی یا باندی یا اس کی محرم ہے، تو اس عورت کا حکم مرد کا سا ہے۔ یعنی اس عورت کو مرد کے ساتھ سلام کیا جاسکتا ہے، اور جواب مرد دیدے یا عورت بہر دو صورت جواب ہوجائیگا۔

مسئلہ۔ اگر عورت اجنبیہ ہے، تو اگر وہ خوبصورت ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ ہے، تو مرد اس عورت کو سلام نہ کرے، اور اگر مرد سلام کرلے، تو اس عورت کو جواب دینا جائز نہیں۔ اسی طرح وہ عورت بھی مرد کو سلام نہ کرے، اور اگر کرلے تو جواب کی مستحق نہیں، پھر بھی اگر جواب دیدیا تو مکروہ ہوگا۔ اور اگر عورت بہت بدصورت یا ایسی بڑھیا ہے کہ اس سے فتنہ کا اندیشہ نہیں تو اس کو مرد بھی سلام کرسکتا ہے۔ اور ایسی عورت بھی مرد کو سلام کرسکتی ہے، اور جواب بھی مکروہ نہیں بلکہ واجب ہے۔

مسئلہ (۳)۔ اگر عورتوں کی جماعت کو ایک مرد یا مردوں کی جماعت کو ایک عورت سلام کرلے تو جائز ہے۔ بشرطیکہ طرفین میں سے کسی کو اندیشۂ فتنہ نہو۔ اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہے مثلاً مرد سب فاسق یا ان میں سے کوئی فاسق ہے۔ اسی طرح عورتیں سب یا ان میں کوئی فاسقہ ہے تو نہ سلام جائز نہ جواب واجب۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) مشکوۃ الآثار میں وَأَنَا فِي نِسْوَةٍ ہے، لیکن مشکوۃ میں آنا نہیں ہے۔ اسلئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ فی نسوۃ کا تعلق مرّ کے فاعل سے نہیں، ورنہ تو یہ لازم آئیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرور زمرۂ نساء میں شامل ہوکر نساء پر ہوا۔ اور یہ خلاف واقعہ ہے۔ بلکہ اسکا تعلق علینا سے ہے۔ اور فی نسوۃ، علینا کا بیان ہے۔ اور اگر روایت میں لفظ آنا ہو جیسا کہ مشکوۃ الآثار کے نسخہ ہندیہ میں ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہوگا۔

(۴۶۲) فان بَدَا بالالف ای ظہر فلیجلس امرٌ استحباب اواباحۃ ثم اذا قام ای اراد ان ینصرف من المجلس۔ خلاصہ اس حدیث کا یہ ہے کہ جب کوئی کسی مجلس میں پہونچے تو سلام کرے مجلس سے اٹھکر آئے تب بھی سلام کرے۔ اور آنے جانے کے دونوں سلام ایک ہی مرتبہ کے ہیں۔ کہ سنت ہیں۔ ایسا نہیں کہ مجلس میں جانے کے سلام کی اہمیت آنے کے سلام سے زائد ہو۔ بلکہ سنت ہونے کے ساتھ دونوں میں حسنِ معاشرت کا پہلو، کرم و اخلاق کا اظہار اور لطف و لطافت اور شرافت کا ثبوت ہے۔ اور اگر بغیر سلام کے مجلس سے چلا آیا تو بعض مرتبہ کوئی کام ہوتا ہے بات کرنی ہوتی ہے یا کھانے پینے کی چیز تیار کی جاتی ہے تو اہلِ مجلس کو خصوصاً جس کے مکان پر مجلس ہے اس کو ایذا ہوگی۔ کم از کم اہلِ مجلس کو اس کے رجوع کی تشویش رہے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثانی سلام اول سے بھی اولیٰ واہم ہے۔ کیونکہ بسا اوقات اول کے ترک میں تو مسامحت برت لی جاتی ہے۔

ولذا قیل کما ان التسلیمۃ الاولیٰ اِخبار عن سلامتہم من شرہ عند الحضور فکذلک الثانیۃ اِخبار عن سلامتہم من شرہ عند الغیبۃ ولیست السلامۃ عند الحضور اولیٰ من السلامۃ عند الغیبۃ بل الثانیۃُ اَولیٰ۔ ان سب باتوں کے باوجود سلامِ ثانی کے جواب کے وجوب و عدمِ وجوب پر حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ بعض ائمہ نے تو سلامِ ثانی کے جواب کے عدمِ وجوب کی تصریح کی ہے۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہری الفاظ سے سلامِ ثانی کے جواب کا وجوب ہی سمجھ میں آتا ہے۔ اور دوسرے بعض علماء (قاضی حسین وغیرہ) نے کہا ہے کہ ذٰلک دعاءٌ یستحب جوابہٗ ولا یجب لانّ التحیۃ انما تکون عند اللقاء لا عند الانصراف۔ اور شامی وغیرہ نے فرمایا کہ سلام جس طرح ملاقات کے وقت سنت ہے اسی طرح واپسی کے وقت بھی سنت ہے۔ جیسا کہ فلیست الاولیٰ باحقّ من الاٰخرۃ سے معلوم ہوا

توجس طرح ملاقات کے سلام کا جواب واجب ہے اسی طرح واپسی کے سلام کا جواب بھی واجب ہوگا وهذا هو الاحوط والصحيح۔ واللہ اعلم

(۱۷۱) یُجزئ باب افعال سے ہے ای یکفی۔ اذا مرّوا وکذا اذا دخلوا اَوْ وقفوا علیٰ جماعة او واحد ان یسلم احدهم ای احدُ المارّین۔ ویجزئ عن الجلوس۔ الجلوس مصدر ہے تو مضاف محذوف ہوگا ای ذوی الجلوس یا بمعنی اسم فاعل ای الجالسین۔ یا الجلوس جمع ہے جالس کی جیسے قعود جمع ہے قاعد کی۔ بہرحال اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو سلام کیا گیا ہو، خواہ وہ بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں یا کسی بھی حال میں ہوں۔ لیکن لوگ اکثر اکھٹے ہوکر بیٹھ جاتے ہیں اسلئے اسی حال کو بیان کردیا گیا پھر اس سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قائم جالس کو سلام کریگا۔

ان یرد احدهم۔ یعنی جس طرح بالاتفاق سلام سنت مؤکدہ کفایہ ہے اسی طرح جواب واجب کفایہ ہے کہ بعض کے سلام کرنے یا جواب دینے سے سب کی طرف سے سنت اور واجب کی ادائیگی ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر سب سلام کریں اور سب جواب دیں تو یہ بلاشک افضل ہوگا کما هو شانُ فرضِ الکفایة احناف کے نزدیک جواب سلام کی طرح تشمیتِ عاطس یعنی چھینکنے والے کا جواب "یَرْحَمُکَ اللّٰہ" کے ساتھ دینا بھی (بشرطیکہ چھینکنے والا الحمد للہ کہے) واجب علی الکفایہ ہے۔

حضرت اسماء بنت یزیدؓ

اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امرئ القیس ابن زید بن عبد الاشهل الانصارية الاشهلية۔

صحابیہ ہیں۔ ان کی کنیت ام سلمہؓ ہے۔ ام عامر بھی کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور جنگ یرموک میں شریک ہوئیں۔ انہوں نے اس دن نو کفار کو خیمہ کی لکڑی سے قتل کیا۔ اس کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہیں۔ ابو علی بن السکن کہتے ہیں کہ یہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ الاصابہ کے بعض نسخوں میں بنت عمۃ معاذ کے بجائے بنت عمِ معاذ (بتذکیر العم) ہے۔ اور وہ غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے ان کی دو حدیثیں اور اصحاب سنن نے متعدد احادیث لی ہیں۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور انؓ سے ان کے بھانجے محمود بن عمرو الانصاری، ان کے آزاد کردہ غلام مہاجر بن ابی مسلم اور مجاہد واسحٰق بن راشد وشہر بن حوشب وغیرہم روایت کرتے ہیں۔ (رضی اللہ عنہا) (تراجم الاحبار ص۱۱۲ ج۱)

حضرت ابو سعید مقبریؒ

ابو سعید المقبری (بفتح المیم وسکون القاف وبتثلیث الباء) نسبة الی المقبر (موضع القبور) کان منزله عند المقابر۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو قبریں کھودنے پر مامور ومقرر فرمایا تھا تو ان کی نسبت مقبرہ کی طرف ہوگئی۔ یہ کنیت سے مشہور ہیں۔ ان کا نام کیسان المدنی ہے۔ یہ ام شریک یا بنی لیث کے مولا تھے۔ بعض کا قول ہے کہ انہی کو صاحب العباء کہا جاتا ہے، ثقہ ہیں، ثبت ہیں، عمرؓ، علیؓ،

عبداللہ بن سلام، اسامہ بن زید، ابورافع (مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ابوہریرہ، ابوسعید خدریؓ ابوشریح خزاعی، عقبہ بن عامر اور عبداللہ بن ودیعہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، اور ان سے ان کے بیٹے سعید اور پوتے عبداللہ بن سعید اور عمرو بن ابی عمرو، مولی المطلب، ابوالغصن ثابت بن قیس، عبدالملک بن نوفل بن مساحق وغیرہم احادیث نقل کرتے ہیں۔ آپ کو شرف صحبت حاصل نہیں، البتہ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ابوسعدؒ نے ان کو اہل مدینہ کے طبقہ اولیٰ میں ذکر کیا ہے۔ اور علامہ واقدیؒ نے فرمایا ثقہ، کثیر الحدیث۔ امام نسائیؒ نے فرمایا لاباس بہ۔ ابن سعد کا قول ہے کہ ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔ اور امام طحاویؒ نے بیان المشکل میں دعویٰ کیا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے لیکن یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ ان کے بیٹے سعید کی تاریخ وفات ہے۔ اور امام طحاویؒ کا اس دعوی سے مقصد یہ ہے کہ وہ ابورافع اور حسن بن علی سے ان کی روایت کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس انکار کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ امام بخاریؒ نے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ ابوسعید مقبری کا سماع حضرت عمرؓ سے ثابت ہے۔ اور اگر امام طحاوی کے دعوی کو درست مان لیں تو یہ ماننا پڑیگا کہ ان کی عمر ایک سو دس سال سے بھی زائد ہوتی ہے۔ اور اس کا قائل کوئی بھی نہیں ہے حضرت امام ابوداودؒ نے تو تصریح کی ہے کہ ابورافع سے ان کا سماع ثابت ہے۔

اور ابن حبان نے ثقات میں تفریق کی ہے کیسان صاحب عبار کے درمیان اور کیسان مولیٰ ام شریک کے درمیان۔ یعنی یہ دو شخصیتیں الگ الگ ہیں۔ اول الذکر حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں اور انسے ابوصخر، اور ثانی الذکر کی کنیت بھی ابوسعید ہے۔ واللہ اعلم (تراجم ۱۴۴/۱۴۳)

---

(۳۱۸) عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّ عَائِشَۃَ حَدَّثَتْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے حضرت عائشہؓ نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وَسَلَّمَ قَالَ لَھَا اِنَّ جِبْرَئِیْلَ یُقْرِئُكِ السَّلَامَ قَالَتْ وَعَلَیْہِ السَّلَامُ
نے ان سے ارشاد فرمایا کہ بیشک جبرئیلؑ تم کو سلام کہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے جواباً فرمایا وعلیہ السلام
وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ (ترمذی ۲/۹۴ مشکوٰۃ ۴۰۰)
ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(۳۱۹) عَنْ غَالِبٍ قَالَ اِنَّا جُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصْرِیِّ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ
حضرت غالبؒ نے فرمایا کہ ہم حسن بصریؒ کے دروازہ پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر کہا
فَقَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ قَالَ بَعَثَنِیْ اَبِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
کہ مجھ سے میرے والد نے میرے دادا سے نقل کیا دادا نے کہا کہ مجھ کو میرے اباؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْتِهِ فَاقْرَأْهُ السَّلَامَ فَقُلْتُ إِنَّ أَبِي يَقْرَأُكَ السَّلَامَ

پاس بھیجا اور فرمایا کہ تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا سلام کہہ تو میں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے ابا آپکو

فَقَالَ عَلَيْكَ وَعَلَى أَبِيكَ السَّلَامُ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۹۹)

سلام فرماتے ہیں آپ نے جواب دیا علیک وعلی ابیک السلام۔

(۳۲۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ ان کے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ

نے فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر کی مشابہت اختیار کرے تم یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو اور

وَلَا بِالنَّصَارٰى فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارٰى

نہ نصاریٰ کی، کیونکہ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ کرنا ہے اور نصاریٰ کا سلام

الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ۔ (ترمذی ص ۹۹ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۳۹۹)

ہتھیلیوں سے اشارہ کرنا ہے۔ (تو تم ایسا نہ کرو)

(۳۲۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بُنَيَّ

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے میرے بیٹا جب

إِذَا دَخَلْتَ عَلَى أَهْلِكَ فَسَلِّمْ تَكُونُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَعَلَى أَهْلِ

تم اپنے اہل خانہ پر داخل ہو تو سلام کرو۔ یہ تم پر اور تمہارے گھر والوں پر

بَيْتِكَ۔ (ترمذی ص ۹۷ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۳۹۹)

باعث برکت ہوگا۔

(۳۲۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

السَّلَامُ قَبْلَ الْكَلَامِ۔ (ترمذی ص ۹۵ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۳۹۹)

سلام، کلام سے پہلے ہونا چاہیے۔

تشریح (۳۱۸) مشکوٰۃ ص ۵۷۳ میں بخاری ومسلم کی روایت میں ہے یا عائشُ ھٰذا جبرئیل یقرئکِ السلام قالت وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ قالت وھو یرٰی مالا اریٰ اس میں یا عائشُ ہے، اور برکاتہ، کا لفظ نہیں۔ یا عائشُ بخاری ومسلم کی روایت میں مرخم ہے عائشہ کا، اس کو بضم الشین اور بفتح الشین دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں جیساکہ

ترخیم کا قاعدہ ہے۔ یُقْرِئُکَ باب افعال سے ہے وھو یَرٰی مَالَا اَرٰی کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیلؑ کو دیکھ رہے تھے اور میں نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسی لئے وعلیہ السلام بضمیرِ غائب جواب دیا۔ اس حدیث سے بعض حضرات نے حضرت عائشہؓ کے مقابلہ میں حضرت خدیجہؓ کی فضیلت نکالی ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کو تو جبرئیل امین نے اپنا سلام کہلوایا۔ اور حضرت خدیجہؓ کو جبرئیلؑ نے اللہ تعالیٰ کا اور اپنا سلام کہلوایا۔ کمامرّ۔

(۲۱۹) غالب بن ابی غیلان بصریؒ کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصریؒ کے دروازہ پر (ان کے ساتھ یا ان کے انتظار میں والاول ارجح)۔ بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ میرے والد صاحب نے مجھ کو میرے دادا (یعنی اپنے باپ) سے نقل کرکے بتایا، دادا کا کہنا ہے کہ میرے والد نے مجھ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور حکم دیا کہ حاضرِ خدمت ہوکر آپؐ سے میرا سلام کہنا، چنانچہ میں نے جاکر عرض کردیا کہ میرے والد نے آپ کو سلام عرض کیا ہے، تو آپؐ نے جواباً یہ الفاظ فرمائے عَلَیْكَ وَعَلٰی اَبِیْكَ السَّلَامُ۔ بعض روایات میں ہے کہ جب کسی کو سلام پہونچایا جائے تو جواب میں یوں کہے وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ (رواہ الجماعۃ عن عائشہ مرفوعاً) یا وَعَلَیْكَ وعلیہ السلام (رواہ النسائی عن انس مرفوعاً) ففیہ سعۃٌ۔

(۲۲۰) لَیْسَ مِنَّا یعنی ہماری پیروی کرنے والا، ہماری سنت کی رعایت رکھنے والا نہیں۔ اسمیں اظہارِ ناراضگی ہے۔ یہ نہیں کہ اس کو اسلام سے خارج کردیا گیا۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِغَیْرِنَا جو ہماری ملت والوں کے علاوہ دوسرے لوگوں (یہود ونصاریٰ، مشرکین اور فاسقین) سے مشابہت اختیار کرے۔

لَاتَشَبَّھُوْا بحذف احد التائین کما ھو مطرد فی مضارع تفاعل ای لاتتشبھوا۔

وَلَا بِالنَّصٰرٰی میں لَا تاکید کے لئے زیادہ کیا گیا ہے۔ بالاکفّ بفتح الالف وضم الکاف جمع کفٍّ۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ تم یہود ونصاریٰ وغیرہ کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ یعنی انکے افعال، اخلاق، لباس وغیرہ میں ان کا اتباع نہ کرو۔ خصوصاً اس بات میں ان کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ کہ وہ زبان سے سلام نہیں کرتے بلکہ صرف انگلیوں اور ہتھیلیوں کے اشارہ سے انکا سلام ہوتا ہے۔ یا تو یہود ونصاریٰ سلام بھی اشارہ سے کرتے ہوں گے اور جواب بھی اشارہ سے دیتے ہونگے جیسا کہ اس دور میں مشاہدہ ہے۔ یا صرف جواب میں اشارہ پر اکتفاء کرتے ہوں گے، یا صرف سلام میں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی جانب سے اس بات کی اطلاع کی گئی ہوگی کہ آپ کی امت کے کچھ لوگ یہود ونصاریٰ کی پیروی کریں گے اور ان کی مشابہت اختیار کریں گے، یہانتک کہ سلام اور اس کے جواب میں بھی ان کا طریقہ اختیار کریں گے کہ اشارہ پر اکتفاء کریں گے، یا جھک کر سلام کریں گے، یا سر کو جھکا کر جیسا کہ دورِ حاضر میں یہ سب کچھ بڑے فخر سے ہو رہا ہے۔ اسی لئے آپ نے

اغیار کی مشابہت سے بچنے کی بہت تاکیدات کی ہیں۔
ملا علی قاریؒ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں نے مسجد حرام میں ایک بہت بڑے صوفی کو دیکھا جو بہت متوکل، زاہد اور محنت کش سالکین میں سے تھا، جو ایک لنگی اور چادر پر اکتفاء کرتا تھا، صائم الدھر تھا، معتکف رہتا تھا، اور دنیا کے اسباب میں سے اسکے پاس کچھ نہ تھا۔ اور یہ حال اس کا چالیس سال سے تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اس نے ایسا سکوتِ مطلق اختیار کر رکھا تھا کہ سلام کا جواب بھی زبان سے دینے کے بجائے سر کے اشارہ سے دیدیتا تھا، حالانکہ اس کو کچھ نہ کچھ معرفت الٰہیہ بھی حاصل تھی۔ ہمیشہ تلاوت میں مصروف رہتا تھا، حسنِ خلق و سخاوتِ نفس جیسی صفات سے بھی متصف تھا۔ البتہ طواف کرتے اس کو نہیں دیکھا گیا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

مسئلہ (۱)۔ سلام زبان سے کرنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور زبان سے جواب دینا واجب ہے۔ اگر صرف اشارہ سے سلام کیا یا جواب دیا تو سنتِ سلام اور جوابِ سلام کے وجوب کی ادائیگی نہوگی۔ البتہ اگر مُسلِّم یا مُجیب گونگا ہے تو اس کا اشارہ تلفظ کے قائم مقام ہوجائیگا۔

مسئلہ (۲)۔ اگر مسلَّم علیہ بہرہ ہے یا دور ہے، یا شور و شغب کی وجہ سے آواز نہ پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ تو اشارہ سے سلام کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ زبان سے سلام کا تلفظ بھی ہو۔ اسی طرح جواب بھی اشارہ سے دے سکتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں تلفظ و اشارہ دونوں سے ہونا چاہیئے۔

ایک اشکال اور اسکا جواب

امام نوویؒ نے فرمایا کہ ہم کو اسماء بنت یزیدؓ سے یہ روایت پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں عورتوں کی جماعت پر گذرے، وہ عورتیں وہاں بیٹھی ہوئی تھیں تو آپ نے ان کو دستِ مبارک کے اشارہ سے سلام کیا۔ وقال الترمذی ہٰذا حدیث حسن۔
اس حدیث کے پیشِ نظر اشکال یہ ہے کہ آپ نے تسلیم بالاشارہ سے منع فرمایا ہے اور خود آپنے تسلیم بالاشارہ کیا۔

جوابؒ یہ ہے کہ آپنے تلفظ اور اشارہ دونوں کو جمع فرمایا۔ چنانچہ حضرت اسماء بنت یزیدؓ کی حدیث گذر چکی ہے۔ جسمیں فَسَلَّمَ عَلَیْنَا موجود ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر عدم تلفظ بالسلام کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ اسکا حکم ہی نہیں کہ جو مرد عورتوں پر گذرے وہ ان کو سلام کرے (کما مر تفصیلہ) اور جو آپ سے عورتوں کو سلام کرنا مروی ہے تو آپ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ معصوم اور فتنہ کے اندیشہ سے مامون و مصون تھے۔ تو آپ کے لئے سلام کرنا نہ کرنا، اشارہ کرنا نہ کرنا دونوں صورتیں درست تھیں۔ علاوہ ازیں اشارہ سلام ہی کیلئے نہیں ہوتا بلکہ بلا قصدِ سلام محض اظہارِ تواضع بھی اس سے مقصود ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ

یہ اشارہ عورتوں کے سلام کے لئے بیانِ جواز کی حیثیت رکھتا ہو، اور نہی عن التشبہ کو کراہت پر محمول کرلیا جائے نہ کہ تحریم پر۔ واللہ اعلم

(۲۲۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اے بیٹوا (یَابُنَیَّ سے معلوم ہوا کہ پیار میں کسی چھوٹے کو بیٹا کہہ سکتے ہیں یہ کذب نہیں) جب تم اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو ان کو سلام کرلیا کرو کہ یہ سلام کرنا باعثِ برکت ورحمت ہوگا۔ تمہارے لئے بھی اور تمہارے اہلِ خانہ کے لئے بھی۔ قرآن پاک میں ہے کہ

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ

اور جب تم گھروں میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرلیا کرو دعا کے طور پر جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے اور برکت والی عمدہ چیز ہے۔

امام بغویؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو اور جو (مسلمان) لوگ گھر میں موجود ہوں، داخل ہونیوالا ان کو سلام کرے۔ جابرؓ، طاؤسؒ، زہریؒ، قتادہؒ اور عمرو بن بکارؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہؒ نے کہا کہ اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے بہ نسبت اوروں کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو تب بھی سلام کرو، اور یوں کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ہم سے بیان کیا گیا کہ فرشتے اس سلام کا جواب دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا، اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ، اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ۔ ابن عباسؓ کی ایک روایت قتادہؒ کے مثل ہے (بعض علماء نے آیتِ بالا کی یہی تفسیر کی ہے) بیہقیؒ نے شعب الایمان میں قتادہؒ کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم گھر سے باہر جاؤ تو گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

حضرت انسؓ کی ایک روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میرے کسی امتی سے ملو تو اس کو سلام کرو، اس سے تمہاری عمر لمبی ہوگی۔ اور جب تم اپنے گھر میں داخل ہو۔ تو گھر والوں کو سلام کرو اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی۔ اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃِ اوّابین (اللہ کی طرف رجوع کرنیوالوں کی نماز) ہے۔ (مظہری)

(۲۲۲) کلام سے پہلے سلام ہونا چاہیئے، کیونکہ سلام تحیۃ ہے۔ گفتگو شروع کرنیسے وہ فوت ہوجائیگا۔ جیسے تحیۃ المسجد کہ وہ بیٹھنے سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔ قضاعیؒ نے حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ:

اَلسَّلَامُ تَحِيَّةٌ لِمِلَّتِنَا وَاَمَانٌ لِذِمَّتِنَا (سلام ہماری ملت کے لئے تحیۃ (دعا) ہے اور ہمارے ذمہ کے لئے امن ہے)

اس حدیث (السلام قبل الکلام) کے بارے میں امام ترمذیؒ نے فرمایا (ھذا حدیث منکر) حدیث منکر وہ کہلاتی ہے کہ جس کی سند کا کوئی راوی ضبط میں انتہائی کمزور ہو۔ اس حدیث کا مدار عنبسہ بن عبد الرحمٰن پر ہے، اور وہ انتہائی ضعیف ہے۔ پھر وہ اس حدیث کو نقل کرتا ہے محمد بن زاذان سے، وہ بھی منکر الحدیث ہے۔ لیکن علامہ سیوطیؒ نے بھی اس حدیث کو اپنی جامع میں نقل کیا اور فرمایا ہے کہ امام ترمذی نے حضرت جابرؓ سے اس کو روایت کیا۔ اور ابو یعلیٰ نے بھی اپنے مسند میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اور الفاظ یہ ہیں۔ السلام قبل الکلام ولا تدعوا احدًا الی الطعام حتی یسلم۔ اور ابن بخار نے حضرت عمرؓ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں السلام قبل السؤال فمن بدأکم بالسؤال قبل السلام فلا تجیبوہ۔ اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن عمرؓ سے مرفوعاً یہ الفاظ نقل کیے ہیں من بدأ بالکلام قبل السلام فلا تجیبوہ۔ ان تمام طرق سے چونکہ یہ روایت مختلف سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے، اسلئے اس کی معنوی صحت میں کوئی کلام نہیں کما ھو المعروف عند العلماء المحدثین۔ واللہ اعلم (از مرقات ص۵۶۳ ج۴)

حضرت ابو سلمۃ

ابو سلمۃ الزھری القرشی المدنی احد فقھاء السبعۃ المشھورۃ بالفقہ فی المدینۃ فی قول ومن مشاھیر التابعین واعلامھم ویقال ان اسمہ کنیتہ وھو کثیر الحدیث یروی عن عمہ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ابن عوفؓ وسمع ابن عباس واباھریرۃ وابن عمر وغیرھم روی عنہ الزھری ویحیٰی ابن کثیر والشعبی وغیرھم مات سنۃ ۹۴ھ اربع وتسعین ولہ (عمرہ) اثنتان وسبعون سنۃ (الاکمال للتبریزیؒ)

وفی تراجم الاحبار ص۴۴۶ ج۴ ابو سلمۃ بن عبد الرحمٰن بن عوف الزہری المدنی ثقۃ کثیر قیل اسمہ عبد اللہ وقیل اسمٰعیل وقیل اسمہ کنیتہ، وذکرہ ابن سعد فی الطبقۃ الثانیۃ من المدنیین وقال کان ثقۃ فقیہا کثیر الحدیث وامہ تماضر بنت الاصبغ الکلبیہ یقال انہا ادرکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال ابو زرعۃ ثقۃ امام وقال ابن حبان فی الثقات کان من سادات قریش مات سنۃ ۹۴ھ اربع وتسعین وقیل اربع ومائۃ وہو قول الواقدی وزاد وہو ابن اثنین و سبعینؒ۔ وقال ابن سعد مات سنۃ ۹۴ھ اربع وتسعین۔

روی عن ابیہ وعثمان بن عفان وطلحۃ وعبادۃ بن الصامت وقیل لم یسمع منہما وابی قتادہ وابی الدرداء وابی اسید واسامۃ بن زید وحسان بن ثابت ورافع بن خدیج وثوبان ونافع بن عبد الحارث وعبد اللہ بن سلام وابی ہریرۃ وعائشۃ وام سلمۃ وفاطمۃ بنت قیس وربیعۃ بن کعب الاسلمی ومعاویۃ ومعیقیب الدوسی وعبد اللہ

ابن عدی بن الحمراء ومعاویۃ بن الحکم السلمی والمغیرۃ وعبداللہ بن عمرو بن العاص وابن عباس وابن عمر وابی سعید الخدری وانس وجابر وزینب بنت ام سلمۃ وعبداللہ بن قارظ وجعفر بن عمرو بن امیۃ الضمری وعطاء بن یسار وخلق من الصحابۃ والتابعین (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) وعنہ ابنہ عمرو واولاد اخوتہ سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن وعبدالمجید بن سہیل بن عبدالرحمٰن وزرارۃ بن مصعب بن عبدالرحمٰن والاعرج وغیرہم کثیر من التابعین۔

وقال علی بن المدینی واحمد وابن معین وابوحاتم ویعقوب بن شیبہ وابوداؤد حدیثہ عن ابیہ مرسل (قال) مات وہو صغیر وقال ابوحاتم لایصح عندی وصرح الباقون بکونہ لم یسمع منہ وقال ابن عبدالبر لم یسمع من ابیہ وقال احمد لم یسمع من ابی موسیٰ الاشعری وقال ابوزرعۃ ہو عن ابی بکر مرسل وقال البخاری ابوسلمۃ عن عمر منقطع وقال ابن بطال لم یسمع من عمرو بن امیۃ وقال المزی لم یسمع من طلحۃ ولا من عبادۃ بن الصامت قال الحافظ ولئن کان کذلک فلم یسمع ایضا عن عثمان ولا من ابی الدرداء فان کلا منہما مات قبل طلحۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ملخصا)

حضرتِ غالب بن ابی غیلانؓ

ہو غالب بن ابی غیلان وہو ابن خطاف القطان البصری یروی عن بکر بن عبداللہ وعنہ ضمرۃ بن ربیعۃ ولم اطلع علی تفصیل ترجمتہ۔

نسیم احمد غازی مظاہری

کَیْفَ الْاِسْتِیْذَانُ

اجازت کا طریقہ کیا ہے؟

(۳۲۳) عَنْ کَلَدَۃَ بْنِ حَنْبَلٍؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت کلدہ بن حنبلؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر داخل ہوگیا

وَلَمْ اَسْتَاْذِنْ وَلَمْ اُسَلِّمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِرْجِعْ

اور میں نے نہ اجازت چاہی اور نہ سلام کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاکر کہو

فَقُلِ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ۔ (ترمذی ص ۹۵، ۹۶ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۴۰۰)

السلام علیکم کیا میں آجاؤں؟

(۳۲۴) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اِسْتَاْذَنْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ دَیْنٍ

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے والد مرحوم کے ایک دین کے

کَانَ عَلٰی اَبِیْ فَقَالَ مَنْ ھٰذَا فَقُلْتُ اَنَا فَقَالَ اَنَا اَنَا فَکَاَنَّہٗ کَرِہَ

سلسلہ میں حاضری کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا کون؟ تو میں نے عرض کر دیا "میں"، تو آپ نے فرمایا "میں میں"، گویا

ذٰلِکَ۔ (حوالہ بالا، مشکوٰۃ ص ۴۰۰)

اس کو ناپسند فرمایا۔

تشریح (۳۲۳) عَنْ كَلَدَةَ کاف اور لام کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ابْنُ حَنْبَل اس میں حاء کا فتحہ نون کا سکون اور باء کا فتحہ ہے۔ مشکوٰۃ ص۴۰۱ پر ابوداؤد و ترمذی کی روایت نقل کی ہے اس میں پورا قصہ اس طرح ہے کہ:

إِنَّ صَفْوَانَ بْنَ أُمَيَّةَ بَعَثَ بِلَبَنٍ أَوْجِدَايَةٍ وَضَغَابِيسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَعْلَى الْوَادِي قَالَ فَدَخَلْتُ فَلَمْ أُسَلِّمْ وَلَمْ أَسْتَأْذِنْ الخ

ان کو صفوان بن امیہ نے دودھ اور بکری کا بچہ اور کھیرے لیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی بالائی جانب میں تشریف فرما تھے۔ فرماتے ہیں میں حاضر خدمت ہوا اور نہ میں نے سلام کیا اور نہ حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔

جِدَايَةٍ بفتح الجیم وکسرھا ہرن کا چھ سات ماہ کا بچہ مذکر ہو یا مؤنث۔ اور ضَغَابِيْس ضُغْبُوْس (بفتح الضاد وسکون الغین) کی جمع کھیرا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ایک خاص قسم کی گھاس کا نام ہے۔ جو ہلیون (ناگدون) کے مشابہ ہوتی ہے۔ سرکہ اور زیتون کے تیل میں جوش دیکر کھائی جاتی ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاکر پہلے سلام کرو پھر "اَاَدْخُلُ" (کیا میں داخل ہوجاؤں) کہکر اجازت مانگو۔

(۳۲۴) حضرت جابر بن عبد اللہ کے والد حضرت عبد اللہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے تھے (یہ دونوں باپ بیٹے جلیل القدر صحابی تھے) حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میرے والد کے ذمہ کچھ دَین تھا، اس دَین کے بارے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دین کا قصہ خود حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ میرے والد کی وفات ہوگئی تھی اور ان پر دین تھا تو میں قرضخواہوں کو وہ سب چھوارے جو میرے پاس تھے پیش کیے، اور کہا کہ یہ سب تم اس دین کے بدلہ میں لے لو۔ وہ لوگ راضی نہوئے تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے ہیں اور انہوں نے اپنے ذمہ بہت دَین چھوڑا ہے۔ اور میں یہ چاہتا ہوں کہ قرضخواہ آپ کو دیکھ لیں (کہ وہ میرے ساتھ رعایت وسہولت کا معاملہ کریں اسلئے آپ تشریف لے چلیں) آپنے ارشاد فرمایا چلو، اور ہر قسم کے چھواروں کا ایک کونہ میں ڈھیر لگادو۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ کو بلالیا، قرضخواہوں نے جب آپ کو دیکھا تو خوب بھڑکے اور ناراض ہوتے (کہ آپ کو کیوں بلایا اور گمان یہ کیا کہ آپ ہم سے رعایت ومسامحت کو فرمائیں گے) جب آپنے ان کا یہ حال دیکھا تو آپ نے بڑے ڈھیر کے تین چکر لگائے، پھر اسی پر تشریف فرما ہوگئے۔ پھر فرمایا کہ اپنے ساتھیوں (قرضخواہوں کو بلالو) تو آپ ان کو کیل سے ناپ ناپ کر دیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کی امانت ادا فرمادی، اور میں اسمیں راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کرادیں چاہے میں اپنی بہنوں کے پاس ایک چھوارہ لیکر

بھی نہ لوٹوں تو اللہ تعالیٰ نے سب ڈھیر صحیح سالم بچا دیئے (اور قرض بھی تمام ادا ہوگیا) یہانتک کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ جس ڈھیر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اس میں سے ایک چھوارہ بھی کم نہیں ہوا۔

(مشکوٰۃ ص۵۳۶)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے دَین کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت چاہی (مشکوٰۃ میں ہے فَدَقَقْتُ الْبَابَ تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپنے ارشاد فرمایا مَنْ ذَا کون ہے یہ؟ تو میں نے کہا اَنَا (میں ہوں) تو آپنے فرمایا اَنَا اَنَا (میں میں) گویا آپنے اسکو ناپسند فرمایا۔ (کہ اَنَا کہدیا اور نام نہیں بتایا) ناگواری کی وجہ یہ ہے کہ باہر سے اندر جانے کی اجازت مانگی اور نام نہیں بتایا۔ آپ نے جب پوچھا کون؟ تو کہدیا میں۔ یہ آپ کی بات کا جواب نہیں ہوا۔ بلکہ نام بتانا چاہیئے تھا۔ خطیب بغدادیؒ نے اپنی جامع میں علی بن عاصم واسطیؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ملاقات کو حاضر ہوئے، دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہ نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ تو جواب دیا اَنَا (میں ہوں) تو حضرت مغیرہؓ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جسکا نام اَنَا ہو، پھر باہر تشریف لائے اور ان کو یہی حضرت جابر کی حدیث مذکور سُنائی۔

مسئلہ:۔ اس سے بھی زیادہ برا طریقہ جو آجکل کے بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں یہ ہے کہ دروازہ پر دستک دی۔ جب اندر سے پوچھا گیا کون صاحب ہیں؟ تو خاموش کھڑے ہیں۔ یہ مخاطب کی تشویش وایذار کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہوجاتی ہے۔

مسئلہ:۔ حدیث مذکور سے یہ بھی ثابت ہوا کہ استیذان کا یہ طریقہ بھی جائز ہے کہ دروازہ پر دستک دیدی جائے بشرطیکہ ساتھ ہی اپنا نام بھی ظاہر کرکے بتادیا جائے کہ فلاں شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے یا اَنَا چاہتا ہے۔

مسئلہ:۔ لیکن دستک بھی اتنی زور سے نہ دے کہ سننے والا گھبرا جائے، بلکہ متوسط انداز میں دستک دیجائے جس سے اندر تک آواز تو چلی جائے لیکن کوئی سختی ظاہر نہو۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تو ان کی عادت یہ تھی کہ وہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہو۔

استیذان کا مسنون طریقہ

علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ افضل یہ ہے کہ استیذان وسلام دونوں کو جمع کرے، لیکن تقدیم وتاخیر میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ پہلے سلام کرے پھر استیذان یعنی اس طرح کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ ءَاَدْخُلُ۔

علامہ قرطبیؒ وغیرہ بعض مفسرین نے حَتّٰی تَسْتَأْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا کے ذیل میں فرمایا کہ پہلے اجازت حاصل کرکے مانوس کرنا چاہیئے۔ پھر اجازت کے بعد داخل ہوکر گھر والوں کو سلام کیا جائے۔

اور ماوردیؒ نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر اجازت لینے سے پہلے گھر کے کسی آدمی پر نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلب کرے، ورنہ پہلے اجازت لے اور جب گھر میں جائے تو سلام کرے۔ مگر عام روایاتِ حدیث سے جو طریقہ مسنون معلوم ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ پہلے باہر سے سلام کرے السلام علیکم۔ اس کے بعد اپنا نام لیکر اجازت چاہے کہ فلاں شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے یا اندر آنا چاہتا ہے۔

مسئلہ:- اجازت لیتے وقت دروازہ کے اندر جھانکنا جائز نہیں۔ بلکہ دستک یا آواز دیکر اور اپنا نام بتا کر دروازہ کی ایک جانب کھڑا ہو جائے جب اجازت ملجائے تب اندر داخل ہو۔

مسئلہ:- کسی ناسمجھ بچہ کا کہدینا کہ "آجایئے، جبتک تصدیق نہوجائے کہ یہ صاحبِ خانہ کے حکم سے کہہ رہاہے، یا باہر والے اجنبی کا کہنا کہ اندر چلے جایئے اجازت شمار نہیں ہوگی۔

امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں حضرت ابوہریرہ سے نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو۔ (کیونکہ اس نے طریقۂ مسنونہ کو چھوڑ دیا) ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح استیذان کیا کہ باہر سے کہا اَاَلِجُ کیا میں گھس جاؤں؟ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا۔ باہر جاکر اس کو طریقہ سکھاؤ کہ یوں کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ یعنی سلام کے بعد کہے کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اس نے خود حضور کے یہ کلمات سُنکر کہا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَاَدْخُلُ تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دیدی۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاتَاْذَنُوْا لِمَنْ لَمْ یَبْدَاْ بِالسَّلَامِ یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ حضرتِ فاروق اعظمؓ کا عمل یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آکر یہ الفاظ کہتے السلام علی رسول اللہ السلام علیکم ایدخل عمر۔ حضرتِ ابوموسیٰ اشعریؓ حضرتِ عمرؓ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ کہے السلام علیکم ھٰذا ابوموسیٰ السلام علیکم ھٰذا الاشعریؓ اس میں پہلے اپنا نام بتایا۔ پھر مزید وضاحت کے لئے اشعری ذکر کیا۔ طالب علموں کو چاہیئے کہ استیذان میں نام کے ساتھ نسبت یا وضاحتی لقب وغیرہ کا ذکر بھی کریں۔ مثلاً عبدالحق مرادآبادی، محمد احمد چشتی وغیرہ۔ سلام، مصافحہ، معانقہ اور استیذان وغیرہ کے مسائل وفضائل اور آداب ہماری کتاب "آداب ملاقات" میں مفصل مذکور ہیں۔

حضرتِ کلدہ بن حنبلؓ

کلدہ بن حنبل اسلمی، صفوان بن امیہ جمحی کے اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے، ان کو بعض نے کلدہ بن عبداللہ بن حنبل بھی کہا ہے لیکن صحیح اول ہی ہے۔ یہ معمر بن حبیب کے غلام تھے۔ ان کو بازارِ عکاظ میں اہلِ یمن سے خریدا گیا تھا۔

پھر انکے مولی نے ان کو اپنا حلیف بنالیا، اور انکا نکاح بھی کرادیا تھا، وفات تک مکہ ہی میں مقیم رہے اور وہیں انتقال ہوا، عمرو بن عبداللہ بن صفوان نے ان سے روایت کی۔ کَلَدَة بفتح الکاف و اللام و الدال المہملۃ۔

حضرت صفوان بن امیہؓ

صفوان بن امیہ بن خلف الجمحی القرشی، اس امیہ بن خلف کے بیٹا تھا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد میں نیزہ کی ایک رگڑ ماری تھی جس سے وہ ہلاک ہوگیا تھا، فتح مکہ کے دن صفوان بھاگا تو عمیر بن وہب اور انکے بیٹے وہب بن عمیر نے ان کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کی درخواست کی۔ تو آپ نے انکی درخواست کو منظور فرمالیا اور اپنی چادر ان دونوں کو امن کی سند بنا کر عطا کی، وہب امن کا پیغام لیکر انکے پیچھے گیا اور اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لیکر آیا، آنے کے بعد صفوان نے کہا کہ یہ وہب بن عمیر کہتے ہیں کہ آپ نے مجھ کو امان دی ہے اس شرط پر کہ میں دو ماہ چلوں پھروں، اور آزاد رہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ابو وہب کے پاس رہو۔ اس نے کہا جبتک مجھے معلوم نہ ہوجائے انکے پاس نہ رہونگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انکے پاس رہو اور تمکو یہ اختیار ہے کہ چار ماہ چلو پھرو۔ تو وہ ابو وہب کے پاس ٹھہرے اور غزوہ حنین میں ان کے ساتھ نکلے، غزوہ حنین و غزوہ طائف دونوں میں شریک ہوئے اور مسلمان نہیں ہوئے آپ نے انکو مال غنیمت میں سے بھی اور ویسے بھی خوب عطیات دیئے۔ پھر ایکدن صفوان نے کہا میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اتنی خوشدلی و اخلاص اور پاکیزگی نفس نبی ہی میں ہوسکتی ہے۔ پھر وہ مسلمان ہوگئے اور مکہ میں مقیم رہے پھر مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ اور وہاں حضرت عباسؓ کے پاس رہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ہجرت کا ذکر کیا آپ نے فرمایا لا ہجرۃ بعد الفتح (فتح مکہ کے بعد وہ ہجرت ختم ہوگئی جو تکمیل ایمان اور نصرت کیلئے فرض تھی) حضرت صفوان زمانہ جاہلیت میں بھی اشراف قریش میں سے ایک تھے۔ انکی بیوی ان سے ایک ماہ پہلے مسلمان ہوچکی تھی جب صفوان بھی مسلمان ہوگئے تو انکا نکاح باقی رکھا گیا، صفوانؓ کا انتقال مکہ میں ۴۲ھ میں ہوا، خطیب تبریزی فرماتے ہیں کہ یہ کچھ عرصہ مؤلفۃ القلوب میں شامل رہے پھر انکا اسلام عمدہ ہوگیا۔ اور یہ افصح العرب تھے۔ ان سے ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کیں۔

المُصَافَحَةُ وَالْمُعَانَقَةُ

مصافحہ اور معانقہ

(٣٢٥) عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَاہُ غُفِرَ لَهُمَا۔ (ابوداؤد مشکوٰۃ)

حضرت براء بن عازبؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کرکے مصافحہ کریں اور اللہ کی حمد کریں اور استغفار کریں تو ان کی مغفرت کردی جاتی ہے۔

(٣٢٦) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى اَخَاہُ اَوْصَدِيْقَہٗ اَيَنْحَنِيْ لَہٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَلْتَزِمُہٗ وَيُقَبِّلُہٗ قَالَ لَا قَالَ اَفَيَاْخُذُہٗ بِيَدِہٖ وَيُصَافِحُہٗ قَالَ نَعَمْ۔ (ترمذی ج ۲ ص ۹۷)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے یا دوست سے ملاقات کرتا ہے تو کیا اس کے سامنے جھکے فرمایا نہیں پوچھا اس سے چمٹے اور اس کو چومے فرمایا نہیں۔ پوچھا کیا اسکے دونوں ہاتھ پکڑکر مصافحہ کرے فرمایا ہاں۔

(۳۲۷) عَنْ عَطَآءِ الْخُرَاسَانِيِّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
عطائے خراسانیؒ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
قَالَ تَصَافَحُوْا يُذْهِبُ الْغِلَّ وَتَهَادَوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبُ الشَّحْنَآءُ
تم مصافحہ کیا کرو۔ یہ کینہ کپٹ کو دُور کرتا ہے۔ اور ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اور ایک دوسرے سے محبت بڑھاؤ اور وہ عداوت کو دُور کرتا ہے۔ (مشکوٰۃ بروایۃ مالک ص۴۰۲)

(۳۲۸) عَنْ رَجُلٍ مِنْ عَنَزَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا ذَرٍّؓ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
قبیلۂ عنزہ کے ایک شخص سے منقول ہے کہ اس نے حضرت ابو ذرؓ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِيْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِيْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِيْ
مصافحہ فرماتے تھے جب آپ لوگ ان سے ملتے تھے فرمایا میں نے جب بھی آپ سے ملاقات کی آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور
وَبَعَثَ اِلَيَّ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَمْ اَكُنْ فِيْ اَهْلِيْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ
(ایک مرتبہ) آپ نے میرے پاس کسی کو (بلانے کے لئے) بھیجا اور میں گھر میں موجود نہ تھا پھر جب میں آیا تو مجھ کو خبر دی گئی کہ آپ نے میرے پاس
اَرْسَلَ اِلَيَّ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ عَلٰى سَرِيْرِهٖ فَالْتَزَمَنِيْ فَكَانَ تِلْكَ اَجْوَدَ
(کسی کو بلانے) بھیجا تھا تو میں حاضر خدمت ہوا آپ اپنی چارپائی پر تشریف فرما تھے تو آپ نے مجھکو چمٹا لیا تو وہ چمٹانا بہت عمدہ
وَاَجْوَدَ۔ (ابو داؤد ص۳۲۱/۲۲ مشکوٰۃ ص۴۰۲)
اور بہت بڑھیا تھا۔

لغات المُصَافَحَةُ وصِفَاحًا ہاتھ ملانا، مصافحہ کرنا صَفْحًا (ف) روگردانی کرنا، اعراض کرنا، چھوڑ دینا گناہ معاف کرنا، حاجت پوری کرنا صُفُوْحًا (ف) ختم ہوجانا۔ المُعَانَقَةُ گلے لگانا، بغل گیر ہونا، عَنَقًا (س) لمبی گردن والا ہونا۔ عُنُقٌ گلا (مذکر ہے اور مؤنث بھی مستعمل ہے) ج اَعْنَاقٌ۔ يَنْحَنِيْ اِنْحِنَاء مڑنا، جھکنا، ٹیڑھا ہونا۔ حُنُوًّا (ن) مائل ہونا بصلہ علیٰ۔ الْغِلّ کینہ، دھوکہ، فریب، الغُلّ پیاس، ہتھکڑی یا طوق۔ ج اَغْلَالٌ، غُلُوْلٌ، غَلٌّ (ن)، ہتھکڑی یا طوق ڈالنا غِلًّا غَلِيْلًا (ض) کینہ والا ہونا، دھوکہ والا، فریبی ہونا۔ الشَّحْنَآءُ بغض، کینہ، عداوت شَحْنًا (ف) کشتی پر لادنا، بھرنا۔ دھتکارنا، دور کرنا (ف ن س)، دور تک جانا۔ (س) کینہ رکھنا۔ سَرِيْر تخت، عموماً تختِ شاہی کے لئے بولا جاتا ہے۔ خوابگاہ، گردن اور سر کے ملنے کی جگہ۔ نعمت، زندگانی۔ فراخی، ٹیلہ پر کی ریت۔ ج سُرُرٌ۔ اَسِرَّةٌ، سُرُوْرًا، سَرَّةً سُرًّا (ن) خوش کرنا۔ سَرًّا (ن) ناف میں نیزہ مارنا۔ (س) ناف میں درد ہونا۔

تشریح مصافحہ کہتے ہیں اَلْاِفْضَاءُ بِصَفْحَةِ الْيَدِ اِلٰى صَفْحَةِ الْيَدِ (ہاتھ کی ہتھیلی ہاتھ کی ہتھیلی سے ملانے) کو۔ مصافحہ سب سے پہلے اہل یمن نے جاری کیا۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے "الادب المفرد" میں اور ابن وہبؒ نے اپنی جامع میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے "مختصر النہایۃ" میں ہے کہ تصفیح تصفیق کو کہتے ہیں جس کے معنیٰ ہیں ضرب صفحۃ الکف علیٰ صفحۃ الاخریٰ۔

(ایک ہتھیلی کو دوسری پر مارنا) اور اسی سے مصافحہ ماخوذ ہے وھی الصاق صفحۃ الکف بالکف۔ (ایک ہتھیلی کا دوسری سے چپٹانا) اور قاموس میں ہے المصافحۃ الاخذ بالید۔ اور ممکن ہے کہ مصافحہ صفح سے ماخوذ ہو جس کے معنیٰ عفو و درگذر کے آتے ہیں۔ کیونکہ مصافحہ درگذر کی دلیل ہے۔ جیسا کہ ترک مصافحہ اعراض کی علامت ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ مصافحہ ہر ملاقات کے وقت سنت و مستحب ہے۔ اور لوگ جو نمازِ عصر و فجر کے بعد مصافحہ کے عادی ہیں، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ لیکن اس میں مضائقہ بھی نہیں۔ کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے۔ اور اس کی پابندی اور اس میں افراط کرنا (گو برا ہے) مگر یہ اس کو غیر مشروع نہ کریگا۔ اور یہ مصافحہ (بعد نمازِ فجر و عصر) بدعتِ مباحہ ہے۔ ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں کہ یہ بات پوشیدہ نہیں کہ امام (نووی شافعی) کے کلام میں تناقض ہے۔ کہ اُسی عمل کو سنت فرما رہے ہیں اور اُسی کو بدعت۔ کیونکہ جو ایک وقت سنت ہے وہ دوسرے بعض اوقات میں بدعت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کا عمل (مصافحہ بعد نمازِ فجر و عصر) مشروع طریقہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ مصافحہ کی مشروعیت اول ملاقات کیلئے ہے۔ اور یہاں تو ملاقات پہلے ہوگئی، مل مل کر کھڑے ہو کر جماعت کرلی اور مصافحہ نہیں کیا۔ بلکہ لوگ پہلے سے بات چیت، علمی مذاکرات وغیرہ کرتے رہے۔ اور جب مدت بعد نماز پڑھ لی تو اب مصافحہ کرنے لگے تو یہ سنتِ مشروعہ کہاں سے ہوگئی۔ اسی لئے ہمارے بعض علمائے احناف نے تصریح کی ہے کہ یہ اس وقت مکروہ اور بدعتِ قبیحہ ہے۔ ہاں اگر کوئی مسجد میں ایسے وقت آیا کہ لوگ نماز میں مشغول ہیں یا نماز شروع کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تو نماز سے فراغت کے بعد مصافحہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اس سے پہلے سلام کرے (کیونکہ مصافحہ کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ سلام کا تتمہ و تکملہ ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے وتمام تحیاتکم بینکم المصافحۃ (مشکوٰۃ ص۔۔) اور بعد الفجر والعصر ایک تو اولِ ملاقات نہیں۔ پھر اس مصافحہ سے پہلے سلام نہیں ہوتا اور دونوں باتیں غیر مشروع و بدعت ہیں) حاصل یہ ہے کہ مصافحہ بعد نمازِ فجر و بعد نمازِ عصر شوافع کے نزدیک تو بشرائط جائز اور احناف کے نزدیک ممنوع و مکروہ اور بدعتِ قبیحہ ہے۔

ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ پھر امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ امرد (بے ریش) اور خوبصورت لڑکے سے مصافحہ کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے، کیونکہ اس کی طرف نگاہ کرنا حرام ہے۔ اور ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جس کو دیکھنا حرام اس کو چھونا بھی حرام ہے۔ بلکہ چھونا دیکھنے کی بہ نسبت اشد ہے۔ کیونکہ مثلاً اجنبیہ کو نکاح کے ارادہ کے وقت یا خرید و فروخت اور شہادت وغیرہ کے اوقات دیکھنا تو جائز ہے مگر چھونا جائز نہیں۔

دوسری چیز معانقہ ہے۔ لفظ معانقہ و تعانق کا استعمال محبت میں بغل گیر ہونے کے لئے ہوتا ہے۔

اور اعتناق دشمنی اور لڑائی میں بھڑنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ معانقہ وتقبیل بھی شرائطِ معتبرہ کے ساتھ جائز اور احادیث سے ثابت ہیں۔

(۳۲۵) اس حدیث سے مصافحہ کا ثبوت اور اس کی فضیلت مفہوم ہوئی۔ تیسری یہ بات بھی معلوم ہوئی ہے کہ مصافحہ کا محل اولِ ملاقات ہے۔

(س) اس میں سلام کا ذکر نہیں، صرف مصافحہ کا ذکر ہے۔

(ج) ذکرِ شیٔ نفی ما عدا کو مستلزم نہیں۔ سب چیزوں کا ایک ہی حدیث یا ایک ہی آیت میں ذکر نہیں ہوتا۔ حضرتِ امامہ باہلیؓ کی حدیث میں ہے وتمام تحیاتکم بینکم المصافحۃ (مشکوٰۃ ص۴۰۲)

اس سے معلوم ہوا کہ سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔ مصافحہ مستقل کوئی چیز نہیں۔ حکیم ترمذی والبو الشیخ نے حضرت عمرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک دوسرے کو سلام کرتا ہے تو ان دونوں میں اللہ کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہوتا ہے جو زیادہ بشاشت وخندہ پیشانی سے پیش آئے۔ پھر جب دونوں مصافحہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سو رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ پہلے سلام کرنے والے کے لئے نوے اور مصافحہ کرنیوالے کے لئے دس۔ (مرقات ص۵۷۶ ج۴)

(۳۲۶) مصافحہ کے وقت انحناء یعنی تواضعاً سر اور کمر کو جھکانا ممنوع ہے۔ لانہ فی معنی الرکوع وھو کالسجود من عبادۃِ اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔

أفَيَلتزمُہٗ قال لا۔ اس حدیث کی بنا پر بعض علماء نے معانقہ وتقبیل کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور بعض دوسروں نے کہا کہ اگر علم وزہد اور کبر سنی کی بنا پر کرے تو مکروہ نہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ کو اگر اس کے علم تقویٰ زہد وورع اور دیانت جیسی صفات کی وجہ سے چومتا ہے تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اور اگر دنیوی دولت وجاہ کی وجہ سے چومتا ہے تو مکروہ ہے، اور بعض نے کہا حرام ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اگر تعظیم وتملق (چاپلوسی) کی وجہ سے تقبیل ہے تو حرام ہے، ہاں رخصت کرتے وقت اور سفر سے واپسی کے وقت، اور زیادہ دنوں کے بعد ملاقات کرتے وقت اپنے محب اور سچے دوست کی تقبیل کر سکتا ہے بشرطیکہ شہوت سے نہو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ منہ نہ چومے بلکہ ہاتھ اور پیشانی کی تقبیل کرے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مفاسد اگر نہوں (یعنی تملق، چاپلوسی، خود غرضی یا دنیوی دولت وجاہ کے سبب یا شہوت کے ساتھ نہو۔) تو معانقہ میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور پیشانی، چہرہ، ہاتھ کے چومنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ سب کا ثبوت احادیث سے ہے۔

حضرت زید بن حارثہ ایک مرتبہ کسی غزوہ یا سفر سے مدینہ حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر دستک دی تو آپ نے بڑی مسرت اور پھرتی سے ان کو گلے لگایا اور چوما۔ (مشکوٰۃ ص۴۰۲)

حضرت ابوذرؓ کو آپنے چپٹایا جیساکہ یہاں (۳۲۸) میں ہے۔ ایک انصاریؓ نے جو خوش طبع اور ہنسنے ہنسانے والے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو کو خوب چوما اور آپ نے منع نہیں فرمایا۔ (مشکوٰۃ ملنک) حضرت جعفرؓ سفر سے آئے تو آپ نے استقبال کیا اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی) کا حصہ چوما۔ (حوالۂ بالا) یہی جعفر بن ابی طالبؓ جب فتح خیبر کے بعد حبشہ سے واپس ہوتے تو آپ نے اُن سے معانقہ کیا۔ (حوالۂ بالا) وفد عبدالقیس نے حضورؐ کے ہاتھ پاؤں چومے۔ (حوالۂ بالا) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہوگا۔ کیونکہ سائل نے یہ پوچھا تھا افیاخذ بیدیہ کیا اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے۔ تو آپنے فرمایا تھا ہاں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات پر اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراءؓ کے ہاتھ چومتے اور حضرت فاطمہؓ بھی اپنے والد محترم تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دست بوسی کرتیں۔ (حوالۂ بالا) حضرت عائشہؓ کو بخار ہوا تو صدیق اکبرؓ نے اپنی لاڈلی بیٹی کی مزاج پرسی فرمائی اور ان کے رخسار پُرانوار کو چوما (حوالۂ بالا) ان مذکورہ روایات کے علاوہ تلاش کریں گے اور بہت سی روایات اس سلسلہ کی مل جائیں گی۔ اور جن روایات سے (مثلاً اسی (۳۲۶) حضرت انسؓ والی روایت سے) جو معانقہ و تقبیل کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ محمول ہے مفاسد پر یا اس سلسلہ میں افراط پر۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حدیث ۳۲۷ و ۳۲۸ کا مطلب واضح ہے۔ اول میں مصافحہ کے فوائد مذکور ہیں دوسری میں چمٹنے کا ثبوت ہے

حضرت عطائے خراسانیؒ

عطاء بن ابی مسلم عبداللہ او میسرۃ، کنیت ابو عثمان نسبت البلخی والخراسانی ہے۔ مہلب بن ابی صفرہ ازدی کے مولی تھے۔

باپ کے نام میں دو قول (عبداللہ اور میسرہ) ہیں۔ صدوق تھے مگر وہم کا غلبہ تھا۔ تدلیس وارسال کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے انکی روایات نہیں لیں۔ عموماً کئی صحابہؓ سے مرسل روایت کرتے تھے، مثلاً ابن عباسؓ، عدی بن عدی کندی، مغیرۃ بن شعبہ، ابوہریرہ، ابوالدرداء، انس، کعب بن عجرہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم وغیرہم سے نیز سعید بن المسیب، عبداللہ بن بریدہ، یحیٰی بن یعمر، ابوالغوث الفرعی، عمرو بن شعیب، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر، حمران مولی العبلات اور عطاء بن ابی رباح جیسے بہت سی جلیل القدر تابعین سے احادیث روایت کرتے تھے۔ اور ان سے بھی بہت سے حضرات نے مثلاً ان کے بیٹے عثمان نے اور شعبہ، ابراہیم بن طہمان، ابوعبدالرحمٰن، اسحٰق بن اُسید خراسانی، ابن جریج، اوزاعی، معمر بن راشد، جابر، ضحاک بن عبدالرحمٰن بن ابی حوشب، مالک بن انس وغیرہم نے وقال ابن معین ثقۃ وقال ابن ابی حاتم عن ابیہ صدوق، وقال النسائی لیس بہ بأس وقال الدارقطنی ثقۃ فی نفسہ الا انہ لم یلق ابن عباس وقال ابوداؤد لم یدرک ابن عباس ولم یرہ۔ وقال حجاج بن محمد عن شعبۃ ثنا عطاء الخراسانی وکان نسیا وقال عبدالرحمٰن ابن یزید بن جابر کان یحیی اللیل وعن عطاء قال اوثق اعمالی فی نفسی نشر العلم

وقال ابن حبان كان ردئ الحفظ يخطئ ولا يعلم فبطل الاحتجاج به قال ابن قطان اسم ابيه عبد الله كذا جزم به وهذا قول مالك وكان ابراهيم الصائغ يكنيه واما الاكثر فقالوا ابن ميسرة وقال مالك لم يسمع من احد من الصحابة الا من انس بن مالك قال ابن عثمان بن عطاء انه مات سنة ۱۳۵ خمس وثلاثين ومائة وقال ابونعيم الحافظ كان مولده سنة خمسين - اخرج له مسلم واصحاب السنن وله عند الطحاوی اربعة احاديث وقال ولی الدين فی الاكمال سكن بالشام وولد فی خمسين ومات سنة خمس وثلاثين ومائة۔

حِفْظُ اللِّسَانِ

زبان کی حفاظت

(۳۲۹) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ انسان جو بات بھی کہتا ہے تو اسکے پاس ایک نگراں تیار رہتا ہے۔

(۳۳۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت سہل بن سعدؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ۔

جو مجھے دو چیزوں کی ضمانت دیدے اپنے دونوں جباڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) کی اور اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان کی چیز (شرمگاہ) کی تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہو جاؤں۔ (بخاری ص۹۵۹ مشکوٰۃ ص۴۱۱)

(۳۳۱) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت ابوہریرۃؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو

كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ۔

اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات کہے یا چپ رہے۔ (بخاری ص۹۵۹ مشکوٰۃ ص۳۶۸)

(۳۳۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

جو چپ رہا وہ نجات پاگیا۔ (ترمذی ج۲ ص۷۲ مشکوٰۃ ص۴۱۳)

(۳۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا اس سے
عَنْ اَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ قَالَ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ
کہ زیادہ تر لوگوں کو جنت میں کیا چیز داخل کرے گی فرمایا اللہ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق
وَسُئِلَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ قَالَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ۔
اور پوچھا گیا کہ وہ کیا ہے جو زیادہ تر لوگوں کو دوزخ میں داخل کریگی فرمایا منہ اور شرمگاہ۔ (ترمذی ج۲ ص۲۱ مشکوٰۃ ص۴۱۲)

(۳۲۴) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ
حَدِّثْنِيْ بِاَمْرٍ اَعْتَصِمُ بِهٖ قَالَ قُلْ رَبِّيَ اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقِمْ قَالَ قُلْتُ
مجھ کو ایسی بات بتا دیجئے کہ میں اس کو مضبوطی سے تھام لوں فرمایا اسکے قائل ہوجاؤ کہ میرا پالنہار اللہ ہے پھر
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَيَّ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِهٖ ثُمَّ
اسی پر ثابت قدم ہوجاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ سب سے زیادہ خطرناک کیا چیز ہے جس سے آپ مجھ پر اندیشہ
قَالَ هٰذَا۔ (ترمذی ج۲ ص۶۳ مشکوٰۃ ص۴۱۳)
کرتے ہیں تو آپ نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا یہ ہے۔

(۳۲۵) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحَ ابْنُ اٰدَمَ فَاِنَّ الْاَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ
جب انسان صبح کرتا ہے تو سارے اعضاء زبان کی خوشامد کرتے ہیں اور
فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّمَا نَحْنُ بِكَ فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا
کہتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرتی رہنا۔ بیشک ہم تو تیرے ہی سہارے پر ہیں اگر تو سیدھی رہیگی
وَاِنِ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا۔ (ترمذی ج۲ ص۶۳ مشکوٰۃ ص۴۱۳)
تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہوجائیں گے۔

تشریح حفظ اللسان میں اضافۃ المصدر الیٰ مفعولہ ہے۔ اور مراد اس سے فضول ولا یعنی اور ممنوع باتوں سے زبان کا محفوظ رکھنا ہے۔

(۳۲۹) باری تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان منہ سے کوئی بات نکالنے نہیں پاتا مگر اسکے پاس ایک فرشتہ انتظار میں موجود ہوتا ہے۔ اگر وہ نیک کلام ہوتا ہے تو داہنا فرشتہ اسکو ضبط تحریر میں

لے آتا ہے۔ اور اگر بُرا کلام ہوتا ہے تو بائیں جانب والا فرشتہ اس کو لکھ لیتا ہے۔ اور جب زبان سے نکلنے والا ایک ایک کلمہ محفوظ و مکتوب ہے۔ تو دوسرے اعمال کیوں نہوں گے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۰ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۰ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۰ اِنَّ رُسُلَنَا یَکْتُبُوْنَ مَا تَمْکُرُوْنَ ۰ اِنَّا کُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۰ ان آیات کے علاوہ دوسری بہت سی آیات میں ہے کہ فرشتے انسان کے اَقوال و اَفعال کو لکھتے رہتے ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ و حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ فرشتے انسان کا ایک ایک لفظ لکھتے ہیں خواہ اس میں گناہ ہو یا ثواب۔ یا گناہ و ثواب کچھ بھی نہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ صرف وہ کلمات لکھے جاتے ہیں جنپر کوئی ثواب یا عتاب ہو۔ ابن کثیرؒ نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ آیتِ قرآن کے عموم سے پہلی بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ انسان کا بولا ہوا ہر ہر لفظ لکھا جاتا ہے۔ پھر علی بن طلحہؒ نے ابن عباسؓ ہی سے ایک روایت ایسی نقل فرمائی جس میں یہ دونوں قول جمع ہو جاتے ہیں، اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے خواہ گناہ و ثواب اس میں ہوں کہ نہوں۔ مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اسپر فرشتے نظرِ ثانی کرکے صرف وہ باقی رکھتے ہیں جن میں ثواب یا گناہ ہوتا ہو یعنی خیر یا شر ہو۔ باقی کو نامۂ اعمال سے مٹا دیتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗٓ اُمُّ الْکِتٰبِ ۰ کے مفہوم میں یہ محو و اثبات بھی داخل ہے۔ امام احمدؒ نے حضرتِ بلال مزنیؓ سے نقل کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

انسان بعض اوقات کوئی ایسا کلمۂ خیر بولتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجاتے ہیں مگر یہ اس کو معمولی سمجھ کر بولتا ہے۔ اس کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا ثواب کہاں تک پہونچا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی رضائے دائمی لکھدیتے ہیں۔ اسی طرح انسان کوئی کلمہ اللہ کی ناراضگی کا (معمولی سمجھکر) زبان سے نکال دیتا ہے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ اس کا گناہ و وبال کہاں تک پہونچیگا اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص سے اپنی دائمی ناراضی قیامت تک کیلئے لکھدیتے ہیں

(مشکوٰۃ ص۴۱۲)

حضرتِ علقمہ حضرت بلال بن حارث مزنی کی یہ روایت نقل کرکے فرماتے ہیں کہ اس حدیث نے مجھے بہت سی باتیں زبان سے نکالنے سے روکدیا ہے۔ (ابن کثیر)

(۲۳۰) حضرتِ سہل بن سعد الساعدیؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دو چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری لے لے، ایک دونوں جبڑوں کے درمیان والی چیز کی یعنی زبان کی بُرے کلام سے، اور منہ کی اکلِ حرام سے۔ دوسرے اپنے دونوں پیروں کے درمیان والی چیز کی یعنی شرمگاہ کی زنا و لواطت وغیرہ سے اَضْمَنُ لَہُ الْجَنَّۃَ میں اس کے لئے جنت کے

دخولِ اولی یا درجاتِ عالیہ) کا ذمہ دار ہوں۔ یہاں مَنْ یَضْمَنْ اور اَضْمَنْ شرط وجزا ہونیکی وجہ سے مجزوم ہیں۔ اور لَحْیَیْہِ بفتح اللام منبت اسنان یعنی اوپر نیچے کے جباڑوں کو کہتے ہیں۔ اور یہ تثنیہ ہے لَحْیٌ کا۔

احمد وحاکم نے بھی ابو موسیٰؓ سے اس کو روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں مَنْ حَفِظَ مَا بَیْنَ فُقْمَیْہِ وَرِجْلَیْہِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ الفُقْمُ بِالضَّمِّ وَالْفَتْحِ جبرہ وَرَوَاہُ الترمذی وابن حبان وحاکم عن ابی ھریرۃ مرفوعا ولفظہ مَنْ وَقَاہُ اللّٰہُ شَرَّ مَا بَیْنَ لَحْیَیْہِ وَشَرَّ مَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ اور بیہقی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے۔ اسکے الفاظ یہ ہیں۔ مَنْ وُقِیَ شَرَّ لَقْلَقِہٖ وَقَبْقَبِہٖ وَذَبْذَبِہٖ فَقَدْ وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ۔ لَقْلَقْ زبان قَبْقَبْ پیٹ ذَبْذَبْ ذکر کو کہتے ہیں۔

(۳۲۱) صاحب مشکوٰۃ الآثار نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا یہاں ذکر کیا ہے۔ پوری حدیث اسطرح ہے،

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مَن کان یُؤمن باللّٰہ وَالیومِ الآخِرِ فلیکرِم ضَیفَہٗ ومَن کانَ یُؤمِنُ باللّٰہ والیوم الآخر فلا یُؤذِ جارَہٗ ومَن کانَ یُؤمن باللّٰہ والیومِ الآخِرِ فلیقل خیرًا اولیَصمُتْ و فی روایۃ بدل الجار ومَن کانَ یُؤمِنُ باللّٰہ و الیومِ الآخِرِ فلیصِلْ رَحِمَہٗ متفق علیہ۔

(مشکوٰۃ باب الضیافۃ ص۳۶۸)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ بھلی بات کہے یا چُپ رہے۔ اور ایک روایت میں پڑوسی کی بجائے یہ ہے کہ جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے رشتہ ناطہ کو ملائے۔

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایمان اِن افعالِ مذکورہ فی الحدیث پر موقوف ہے، بلکہ مقصود ان افعال کی اہمیت دِلانا ہے۔ جیسا کہ باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے اِنْ کُنْتَ ابْنِیْ فَاَطِعْنِیْ (اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر) اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر وہ اطاعت نہیں کرتا تو ابنیت کی نفی ہو جائے گی۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر تو ابنیت میں کمال رکھتا ہے تو تجھ کو مطیع ہونا چاہیئے۔ بس اسی طرح حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کمالِ ایمان کا تقاضا ہے کہ مؤمن کامل ان افعال واعمال کا اہتمام کرے جو حدیث میں مذکور ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ تمام ایمانیات میں سے اول (ایمان باللہ) اور اخیر (ایمان بالیوم الآخر) کو ذکر کر دیا گیا۔ باقی درمیان کی تمام چیزوں (ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالرسل وغیرہ) کو ذکر نہیں کیا۔ وجہ یہ ہے کہ اول وآخر میں درمیان کی سب چیزیں آگئیں۔ نیز یومِ آخر کے اندر خصوصیت یہ ہے کہ خیر و ثواب

اور امید ثواب وخوف عقاب سب چیزوں کا ایمان بالیوم الآخر ہی سے تعلق ہے۔ جو شخص آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ نہ کسی برائی سے باز آسکتا ہے اور نہ کسی بھلائی کی طرف رغبت کرسکتا ہے۔ گویا آدمی کے اعمال میں یقینِ آخرت کو خاص دخل ہے۔ پھر اس حدیث میں تین مرتبہ اس کو دہرایا گیا۔ تاکہ ان میں سے ہر عمل کا مستقل اہتمام مفہوم ہو۔

فلیکرم ضیفہ۔ امام راغبؒ کا قول ہے کہ ضیف کے معنی میل کے ہیں۔ ضفتُ الی کذا ای ملتُ و اضفت ای املتُ والضیف من مالَ الیك نازلاً بك (ضیف وہ ہے جو تیری طرف مائل ہوا تیرے پاس ٹھہرنے کے لئے) اور ضیف دراصل مصدر ہے۔ اسی وجہ سے عام عرب کے کلام میں واحد وجمع اس میں برابر ہیں۔ گو جمع اس کی اَضیَافٌ وضُیُوفٌ آتی ہے۔ مہمان کے اکرام میں مندرجہ ذیل امور داخل ہیں۔ (۱) خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا۔ (۲) نرم وخوشگوار گفتگو کرنا۔ (۳) اول اسکی ضروریات بیت الخلاء، پیشاب خانہ، غسل خانہ وغیرہ کے انتظام پر اس کو مطلع کردینا۔ (۴) کھانے پینے کا جلدی انتظام کرنا۔ تکلفات میں دیر کئے بغیر ماحضر پیش کردینا۔ (۵) پہلے دن کھانے میں کچھ معمول سے زیادہ اہتمام کرنا۔ (۶) تین دن تک (اگر مہمان مقیم رہے) خاطر ومدارات کرنا۔ (۷) تین دن کے بعد مہمان کو نہ رکنا چاہیئے۔ لیکن اگر رک جائے تو اس سے بد دل نہ ہونا۔ (۸) مہمان کو روکنے میں زائد اصرار اور زبردستی نہ کرنا۔ کیونکہ اپنی ضروریات ومصالح کو آدمی خود زیادہ جانتا ہے۔ (۹) جہاں تک ہوسکے مہمان کی خود خدمت کرنا۔ (۱۰) مہمان کے سامنے کسی دوسرے پر بھی غصہ نہ کرنا۔ اس کو خیال ہوگا کہ شاید مجھ سے اکتارہے ہیں۔ (۱۱) مہمان سے کوئی خدمت نہ لینا وغیرہ۔

ضیافت ومہمان نوازی محاسنِ اسلام ومکارمِ اخلاق میں داخل ہے۔ واجبات و فرائض میں سے نہیں۔ اور امر صرف وجوب کیلئے نہیں ہوتا۔ البتہ اول اسلام میں ضیافت کا مسئلہ حدِ وجوب میں داخل تھا۔ احادیث کی روشنی میں احناف کا یہی مسلک ہے۔ وَمَنْ کَانَ یُؤمِنُ باللّٰہ والیومِ الاٰخرِ فلا یُؤذِ جَارَہٗ ای اقلہٗ ھٰذا و الا ففی روایۃ الشیخین فلیکرم جَارَہٗ وفی روایۃ لھُمَا فلیحسن الی جَارِہٖ۔ حقوقِ جار کی تفصیلات اسی جزء کے شروع میں گذر چکی ہیں۔

ومن کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاخر فلیقل خیرًا اولیصمت۔ یہاں حدیث کا یہی ٹکڑا مذکور ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آدمی جب بولنے کا ارادہ کرے تو پہلے سوچ لے۔ اگر بات اچھی ہے واجب ہو یا مندوب تو بول دے۔ اور اگر خیر نہیں خواہ وہ حرام ہو یا مکروہ یا مباح تو ایسی بات نہ بولے (اور جبتک زیادہ تر مباح گفتگو ترک نہ کردی جائیگی اسوقت تک آدمی حرام ومکروہ گفتگو سے نہیں بچ سکتا۔ (ترمذی)

بعض روایات میں حقوقِ جار کی بجائے صلہ رحمی کا مضمون ہے اور صلہ رحمی کی تفصیل بھی سابق میں آچکی ہے۔ بعض روایات میں اُمور مذکورہ میں تقدیم وتاخیر بھی ہے۔ اور شاید یہ جملے الگ الگ روایات ہوں جیساکہ ترمذی وحاکم نے روایت ذکر کی ہے کہ:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یدخل الحمام بغیر ازار ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یُدخل حلیلتہ الحمام ومن کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یجلس علی مائدۃ یُدار علیھا الخمر۔

(جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں ننگا ہوکر داخل نہو۔ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو اپنی بیوی کو حمام میں دخل نہ دے۔ اور جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہو وہ ایسے دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر شراب کا دور چل رہا ہو)

اور ترمذی نے رویفع کی روایت نقل کی ہے کہ:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یسقی ماءہٗ ولد غیرہٖ۔

(جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پانی سے اپنے غیر کے بچہ کو سیراب نہ کرے (یعنی زنا نہ کرے)

اور طبرانی میں سلیمان بن صرد کی روایت ہے کہ:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یروعنّ مسلمًا۔

(جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ کسی مسلمان کو خوفزدہ نہ کرے)

اور طبرانی نے ابو امامہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یلبس خفیہ حتی ینفضھما۔

(جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ موزے اسوقت تک نہ پہنے جبتک کہ ان کو جھاڑ نہ لے)

اور احمد وحاکم نے روایت نقل کی ہے کہ:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یلبس حریرًا ولا ذھبًا۔

(جو اللہ اور آخری دن پر ایمان رکھتا ہے وہ ریشم اور سونا نہ پہنے)

(ان تمام روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایک جملہ الگ الگ روایت ہے۔ واللہ اعلم (مرقاۃ ٣٩١ ج ٤)

(٣٣٢) جو چپ رہا وہ چھوٹ گیا۔ یعنی جو شر بولنے سے بچگیا وہ دارین کی آفات سے بچکر کامیاب ہوگیا۔ امام راغبؒ نے کہا کہ صموت سکوت سے ابلغ ہے۔ کیونکہ صمت وصموت کا اطلاق عام ہے قوتِ نطق ہو پھر چپ رہے یا قوتِ نطق ہی نہیں۔ اور سکوت خاص ہے قوتِ گویائی ہونے کے باوجود نہ بولنے کو سکوت کہتے ہیں۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث جوامعُ الکلم وجواہرُ الحکم اور فصلُ الخطاب میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلماتِ بابرکات میں علوم کے جتنے سمندر پنہاں ہیں ان سے خاص علماء ہی

کچھ واقف ہوتے ہیں۔ اس حدیث میں سکوت کی ترغیب دی گئی ہے۔کیونکہ زبان کے خطرات وآفات بہت ہیں۔ مثلاً خطاء، کذب، نمیمہ، غیبت، ریا، سمعہ، نفاق، فحش، جھگڑا، اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرنا باطل میں انہماک وغیرہ۔لیکن نفسِ انسانی طبعًا اور اغوائے شیطانی سے اس طرف مائل ہوتا ہے۔ اور نفس کو گفتگو سے حلاوت ولذّت محسوس ہوتی ہے۔اور جو اس میں مشغول ہوتا ہے وہ زبان پر لگام اور روک نہیں لگا سکتا۔ حاصل یہ ہے کہ گفتگو میں خطرات وآفات ہیں تو سکوت وصموت میں سلامتی ونجات ہے۔ علاوہ ازیں سکوت میں بزرگی، وقار، فراغتِ ذہن وفکر، عبادت، سترِ عیوب، ذکر جیسے فائدے ہیں۔ نیز دنیا میں کلام کے نتائج بد اور آخرت میں حساب سے سلامتی ہے۔
امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کلام کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) ضررِ محض (۲) نفعِ محض (۳) کچھ نفع کچھ ضرر (۴) نہ نفع اور نہ نقصان۔ اول قسم جس میں سراسر نقصان ہی ہے۔ اس میں تو سکوت عقلاً بھی واجب ہے۔ اسی طرح تیسری قسم جس میں ضرر ونفع دونوں ہیں سکوت ضروری ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔کیونکہ جلبِ منفعت سے دفعِ مضرت اولیٰ اور مقدم ہے۔ اور چوتھی قسم جس میں نفع وضرر کچھ بھی نہیں وہ فضول ہے۔کیونکہ اس میں مشغول ہونا عمر کو برباد کرنا ہے۔ اور عمر کی بربادی نقصانِ عظیم وخسرانِ مبین ہے۔ اس کے بعد ایک ہی قسم رہ جاتی ہے۔ یعنی نمبر (۲) جس میں سراسر نفع ہے۔ لیکن اس میں بھی خطرات ہیں۔کیونکہ اسمیں کبھی کبھی ریا، تصنع، غیبت، تزکیۂ نفس، فضول کلام وغیرہ نقصان دہ امور اس طرح شامل ہوجاتے ہیں کہ انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ زبان کی آفات بیشمار ہیں۔ اور خاموشی میں سب خطروں سے نجات ہے۔ وقد قیل اَللِّسانُ جِرْمُهُ صغیرٌ وجُرْمُهُ کبیرٌ وکثیرٌ۔
(۳۴۳) مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللّسان والغیبۃ والشّتم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اتدرون مَا اکثر ما یُدخل النّاسَ الجنّۃَ تَقْوَی اللّٰہِ وحُسْنُ الخُلُقِ۔ اتدرون ما اکثر ما یُدخل النّاسَ النّارَ الاجوفانِ الفم وَالفرج (رواہ الترمذی وابن ماجۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو کہ لوگوں کو زیادہ تر جنت میں کیا چیز داخل کریگی، اللہ کا تقویٰ اور اچھے اخلاق، کیا تمکو معلوم ہے کہ زیادہ تر لوگوں کو دوزخ میں کیا چیز داخل کریگی، دو کھوکھلی چیزیں۔ منہ اور شرمگاہ۔

فرق دونوں روایتوں میں یہ ہے کہ آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا جیساکہ مشکوٰۃ الآثار کی مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے یا آپنے خود ہی سوال فرماکر جواب دیا جیساکہ مشکوٰۃ المصابیح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ باقی مضمون ایک ہی ہے۔ حاصل روایت کا یہ ہے کہ دخولِ جنت کے اسبابِ قویۂ واکثریہ تقویٰ وحُسنِ خلق ہیں۔ اور دخولِ نار کے اسبابِ قویہ واکثریہ منہ اور شرمگاہ

کی بے احتیاطیاں اور ان سے سرزد ہونے والے جرائم ہیں۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ تقویٰ کا ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے احتراز ہے اور اعلیٰ درجہ ماسوی اللہ سے یکسوئی۔ اسی طرح حسنِ خلق کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کو اذیت نہ دیجائے۔ اور اعلیٰ درجہ اس کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا ہے جو بد سلوکی کرتا ہو۔ اسبابِ دوزخ میں بیشتر وہ جرائم ہیں جو منہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ بد کلامی یا حرام خوری وغیرہ اور جرائم فرج ہیں کہ اس سے زنا و لواطت اور ان کے دواعی سرزد ہوتے ہیں۔ جن سے پورا معاشرہ گندہ بلکہ تباہ ہو جاتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ تقوی اللہ میں حسن المعاملۃ مع الخالق کی طرف اشارہ ہے کہ اسکے تمام اوامر کا امتثال اور جملہ نواہی سے اجتناب کیا جائے۔ اور حسنُ الخلق سے حسن المعاملہ مع الخلق کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ان کے تمام حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے۔ یہ دونوں خصلتیں دخولِ جنت کو واجب کرتی ہیں۔ اسکے بالمقابل فم و فرج سے ہونے والے گناہ ہیں جو دخولِ نار کے موجب ہیں۔

(۲۲۴) یعنی ایسی جامع بات بتا دیجئے کہ میں اسی ایک بات کو مضبوط پکڑ لوں۔ آپنے فرمایا کہ اسکے قائل ہو جاؤ کہ میرا رب اللہ ہے۔ اور اسی پر جم جاؤ۔ وفی روایۃ قال قلت یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولًا لا اسئل عنہ احدًا بعدك وفی روایۃ غیرك قال قل اٰمنت باللہ ثم استقم۔

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ملا)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وصیت فرما دیجیے۔ آپنے فرمایا قل ربی اللہ ثم استقم۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ:

رَبِّیَ اللّٰهُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ۔ | (میرا رب اللہ ہے۔ اور میری توفیق اللہ ہی کیساتھ ہے۔ اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

آپنے فرمایا اے ابوالحسن تمکو یہ علم مبارک ہو۔

یہ حدیث دراصل جوامع الکلم میں سے ہے۔ اصولِ اسلام کو شامل ہے۔ جو توحید و طاعت ہیں۔ توحید تو اٰمنت باللہ کا حاصل ہے۔ اور طاعت مع تمام انواع کے ثم استقم میں مندرج ہو گئی۔ اسلئے کہ استقامت کا مطلب ہے تمام اوامرِ الٰہیہ کا امتثال اور جملہ نواہی و محرمات سے اجتناب و احتراز۔ لہٰذا اس میں ابدان و قلوب کے تمام اعمال (ایمان، اسلام اور احسان و اخلاق) داخل ہو گئے۔ اسی لئے صوفیہ کا مقولہ ہے الاستقامۃ خیر من الف کرامۃ۔ مطالب مذکور کو اسطرح بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اٰمنت باللہ شامل ہے۔ امتثالِ جمیع اوامر و اجتناب جمیع نواہی کو اور ثم استقم سے امتثال طاعات و اجتناب عن المنہیات پر ثبات مراد ہے۔

اس کا دوسرا جزء جو ایک مستقل حدیث ہے یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

کیا یا رسول اللہ وہ سب سے زیادہ خوفناک چیز کیا ہے جس سے آپ مجھ پر اندیشہ فرماتے ہیں. تو آپ نے اپنی زبانِ مبارک کو پکڑ کر فرمایا یہ ہے.

(قولہ ھٰذا ای ھو ھٰذا مبتدأ او خبرٌ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ارشادات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنی امت پر سب سے زیادہ خطرہ زبان ہی کے بارے میں تھا۔ اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اعضائے انسانی میں سب سے زیادہ اسی کا عمل ہے۔ اور کوئی عمل ایسا نہیں جس میں اس کو دخل نہو۔ واللہ اعلم۔

(۲۲۵) صبح کیوقت تمام اعضائے بدن زبان کے آگے تذلّل و تواضع اور اس کی خوشامد و منت کرتے ہیں کہ مہربان ہم تیرے ہی سہارے پر ہیں جو تو خیر پر رہی تو ہماری بھی خیریت رہیگی۔ اور تو سیدھی نہ رہی، ٹیڑھی ہوگئی تو ہمارا معاملہ بھی ٹیڑھا ہوجائیگا۔ صبح کے وقت کی خصوصیت یہ ہے کہ الصَّبَاحُ مِفتاحُ بابِ النجاح ہے۔ اور زبان دن میں زیادہ چلتی ہے۔ کیونکہ رات کا وقت تو آرام و تنہائی کا ہے۔ اور دِن کا وقت کام کا اور ابنائے جنس سے میل جول اور کلام کا ہے۔ اسلئے دِن بھر کی کامیابی و ناکامی کا مدار زبان پر ہے (التکفیر ھو ان ینحنی الانسان ویطأطئ راسہٗ قریبًا من الرکوع عبارۃ عن التذلل والتواضع۔ فافہم)

(ب) ایک حدیث میں ہے اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ، اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضاء کے صلاح و فساد قلب سے وابستہ ہیں۔ اور زیر بحث حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعضاء کی استقامت و اعوجاج (صلاح و فساد) زبان سے وابستہ ہیں۔ بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

(ج) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دراصل زبان دل کی ترجمان ہے۔ اور ظاہر بدن میں قلب کی خلیفہ ہے تو زبان کی طرف ان امور کی اِسناد مجازی الحکم ہے جیساکہ شَفَی المریضَ الطَّبیبُ میں شفاء کی نسبت طبیب کی طرف ہے۔ حالانکہ اصل شافی حق تعالیٰ ہے۔ اسی طرح اصالۃً اور حقیقۃً صلاح و فساد کا تعلق قلب سے ہے لیکن ظاہر میں زبان سے ہے۔

وقال زھیر ؎ لسان الفتی نصف ونصف فؤادہٗ = فلم یبق الاصورۃ اللحم والدم

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ تمام اعضاء کا تعلق زبان سے ایک مدت تک سمجھ میں نہیں آیا۔ یہانتک کہ کثرتِ درود شریف کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کا مجھے الہام فرمایا۔ اور وہ یہ ہے کہ زبان اعضائے انسان میں سے آلہ بیان ہے جو کفر و ایمان کا اظہار کرتی ہے۔ اگر یہ ایمان پر مستقیم رہے تو تمام اعضاء کی استقامت علی الایمان مفید و نافع ہے۔ اور اگر یہ (نعوذ باللہ) اظہارِ کفر کردے تو تمام اعضاء کی استقامت ختم اور سارے احوال دیگر گوں ہوجاتے ہیں۔

اور اعضاء کی استقامت وغیرہ سب کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت سفیان بن عبد اللہ الثقفی رضی اللہ عنہ

سفیان بن عبد اللہ بن ربیعۃ بن الحارث الثقفی ویقال سفیان بن عبد اللہ بن حطیط ابو عمرو۔ و یقال ابو عمرۃ الطائفی یُعَدُّ فی اھل الطائف لہ صحبۃ وکان عاملا لعمر بن الخطاب علی الطائف روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعن عمر۔ وعنہ ابناءہ عاصم وعبد اللہ وعلقمۃ وعمرو وابو الحکم وابن ابنہ محمد ویقال محمود بن ابی سوید بن سفیان وعبد الرحمن ویقال محمد بن عبد الرحمن بن ماعز وھشام بن عروۃ مرسل وقال العسکری سفیان بن عبد اللہ بن ربیعۃ الحارث بن مالک بن حطیط بن جُشم فکان من قال سفیان بن عبد اللہ بن حطیط نسب عبد اللہ الی جدہ الاعلیٰ۔ اخرج لہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والطحاوی۔

(تراجم ص ۱۳۱ ج ۲ والاکمال)

اَلْخُمُوْلُ

گمنامی

(۳۳۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے دھکے دیئے ہوئے ایسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ انکی قسم کو پورا کردیں

(مشکوٰۃ ص ۴۴۲)

لغات اَلْخُمُوْلُ، خَمَلَ خُمُوْلًا (ن) گمنام و بے قدر ہونا، پوشیدہ ہونا، کمزور ہونا۔ افعال سے بھی یہی معنی ہیں۔ اشعث پراگندہ ہونا، بکھرنا، چکٹ جانا۔ اشعث چکٹے ہوئے غبار آلود بالوں والا۔ مؤنث شعثاء ج شُعُثٌ۔ اَبَرَّ افعال سے قسم پوری کردینا (ض) اطاعت کرنا، حسن سلوک کرنا، خدمت کرنا۔

تشریح (۳۳۲) رُبَّ الخ ای رُبَّ رَجُلٍ اَشْعَثَ رجل کی صفت اول مَدْفُوْعٍ بالجر بِالْاَبْوَابِ متعلق مدفوع صفت ثانی۔ لَقِیْتُہٗ فعل محذوف لَوْ الخ شرط و جزاء۔

مطلب یہ ہے کہ بہت سے گمنام، بے قدر، مفلس لوگ اللہ کے ایسے چہیتے ہوتے ہیں کہ اگر وہ کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کردیں۔ قاضیؒ نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اللہ سے کسی چیز کا سوال کریں اور قسم کھالیں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ سوال عطا فرمادیں اور اس کی قسم پوری فرمادیں گے۔ اور اس کو نامراد و حانث نہ کریں گے۔ بعض حضرات نے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ مثلاً وہ کہتا ہے، اے اللہ تیرے جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ تو ایسا کرے یا ایسا نہ کرے، لیکن یہ معنیٰ درست نہیں۔ کیونکہ یہ جملہ انشائیہ ہے، صدق و کذب کیساتھ اسکو متصف نہیں کرسکتے۔ اور اِبرار کے معنیٰ ہیں قسم میں سچّا بنا دینا۔ الا ان یقال المعنی صدق وجاء ووافق دعاءہ، لیکن بے غبار اول معنیٰ ہی ہیں۔ مدفوع بالابواب کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دروازوں پر بھیک مانگتا یا امراء کے دروازوں پر حاضر ہوتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی عام انسانوں کی نظروں میں کوئی وقعت نہیں۔ بالفرض اگر وہ کسی امیر کبیر کے دروازے پر پہونچ جائے تو اس کو واپس کردیا جائے اور داخل ہونے کی اجازت نہو۔ کیونکہ وہ ایسا گمنام ہے کہ لوگ اُس سے واقف نہیں مفلس ہے اسلئے بے قدر ہے۔ چنانچہ سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گذرا۔ آپنے مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ یہ شخص اشراف میں سے ہے، اگر کہیں پیغام نکاح دیدے تو نکاح ہوجائے کسی کی سفارش کردے تو رد نہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔ پھر ایک اور شخص گذرا تو آپنے اس سے پھر وہی سوال فرمایا کہ اس کے بارے میں تمہاری رائے کیا ہے۔؟ اس نے کہا یارسول اللہ یہ شخص ایک ایسا فقیر آدمی ہے کہ اگر کہیں پیغام نکاح دیدے تو نکاح نہ کیا جائے۔ سفارش کردے تو قبول نہ کی جائے۔ اور اگر کچھ کہنے لگے تو کوئی اس کی بات نہ سنے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پہلے جیسے لوگوں سے اگر دنیا بھر جائے تو یہ فقیر ان سب سے بہتر ہے۔

وکان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم عیش الفقر کاکثر الانبیاء والاولیاء وکفی بہ فضلاً للفقراء علی الاغنیاء وان خفی ھذا الامر علی بعض الاغنیاء ممن ادعی انہ من العلماء۔ (مرقات ج ۵ ص ۵۲)

اَلْحَيَاءُ

شرم

(۳۲۷) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

اَلْحَیَاءُ لَا یَأْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ۔ (مشکوٰۃ ۴۳۱)

حیا خیر ہی لاتی ہے۔

(۳۳۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی رَجُلٍ

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص پر گذرے

وَّھُوَ یُعَاتِبُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ یَقُوْلُ اِنَّکَ تَسْتَحْیِیْ حَتّٰی کَاَنَّہٗ یَقُوْلُ

جو اپنے بھائی پر حیاء کے بارے میں عتاب کر رہا تھا کہہ رہا تھا کہ تو اتنی حیا کرتا ہے یہاں تک کہ گویا یہ کہتا تھا کہ

قَدْ اَضَرَّ بِکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْہُ فَاِنَّ

تجھ کو حیا نے نقصان پہونچایا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو رہنے دو۔

الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (مشکوٰۃ ۴۳۱)

حیا ایمان کا (ایک اہم) شعبہ ہے۔

(۳۳۹) قَالَ اَبُوْسَعِیْدٍ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ حَیَاءً

حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا کرتے

مِنَ الْعَذْرَاءِ فِیْ خِدْرِھَا۔ (مشکوٰۃ ۵۱۹)

تھے جو اپنے پردہ میں ہو۔

(۳۴۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ

حضرت ابن مسعودؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اس سے جو

مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ

لوگوں نے پہلی نبوت کے کلام میں سے پایا ہے (یہ ہے) کہ جب تم کو حیا نہ رہے تو جو چاہو

مَا شِئْتَ۔ (روی الاحادیث الاربعۃ البخاری علی ۹۰۳، ۹۰۴ (۳۴۰ مشکوٰۃ ۴۳۱)

کرو۔

(۳۴۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ قُلْنَا اِنَّا نَسْتَحْیِیْ مِنَ اللّٰہِ

کہ تم اللہ سے حیا کرو جیسا کہ حیاء کا حق ہے ہم نے کہا کہ ہم تو اللہ سے حیا کرتے ہیں

یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ قَالَ لَیْسَ ذٰلِکَ وَلٰکِنْ مَنِ اسْتَحْیٰ مِنَ

اے اللہ کے نبی اور اللہ کا شکر ہے فرمایا یہ حیا مراد نہیں ہے لیکن جو اللہ سے حیا کرتا ہے

اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ فَلْیَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰی وَلْیَحْفَظِ الْبَطْنَ وَ
جیساکہ حیاء کا حق ہے۔ تو اس کو چاہیئے کہ سر کی اور ان اعضاء کی جس پر وہ مشتمل ہے حفاظت کرے اور پیٹ
مَا حَوٰی وَلْیَذْکُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰی وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ
کی اور ان اعضاء کی جو اسمیں جمع ہیں حفاظت کرے اور موت کو اور بوسیدہ ہوجانے کو یاد رکھے اور جو آخرت کو
الدُّنْیَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدِ اسْتَحْیٰ مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ۔
مقصد بنالیتا ہے وہ دنیا کی زیبائش کو چھوڑ دیتا ہے توجس نے مذکورہ اُمور پر عمل کرلیا اس نے واقعی اللہ سے حیا
کی جیساکہ حیاء کا حق ہے۔ (ترمذی ص ۶۹ ج ۲ مشکوٰۃ ص ۱۴۱)

تشریح اَلْحَیَاءُ حکماء کا قول ہے کہ حیا وہ تغیر وانکسار کی کیفیت ہے جو انسان کو ملامت کے خوف کے وقت پیش آتی ہے۔ اور جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ وہ کیفیت حیا کہلاتی ہے جو انسان کو اسوقت پیش آتی ہے جبکہ وہ حق تعالیٰ کی نعمتوں میں اور ان کے مقابلہ میں کوتاہی شکر گذاری میں غور کرتا ہے۔ حضرتِ ذوالنونِ مصریؒ کا قول ہے کہ حیا دل کے اندر اس ہیبت کے وجود کا نام ہے جو اس گناہ سے وحشت کے ساتھ ملی جلی ہو جو سرزد ہوگیا ہے۔ اور دقاقؒ نے فرمایا کہ مولیٰ کے سامنے ترکِ دعویٰ حیا کی حقیقت ہے۔

(۳۳۷) امام محی الدین نوویؒ نے کہا کہ بعض لوگوں کو اس حدیث میں یہ اشکال پیش آیا کہ صاحبِ حیاء بعض اوقات بڑے لوگوں سے شرماکر حق نہیں کہہ پاتا، اس طرح وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فریضہ کو ترک کردیتا ہے۔ اسی طرح بعض حقوق اور نیکیاں حیاء کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہے۔ تو پھر حیا ہمیشہ خیر کہاں لاتی ہے، شر بھی لاتی ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے جن میں شیخ ابوعمرو بن الصلاح بھی ہیں اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ حدیث میں حیا سے حیائے شرعی مراد ہے۔ اور عند الشرع حیا ایسی خُلق ہے جو ترکِ قبیح پر آدمی کو آمادہ کرتی ہے۔ اور حقدار کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے حضرتِ جنیدؒ کا قولِ مذکور بھی اسی معنی کی رہنمائی کرتا ہے (کہ نعمتوں اور ان کی شکر گذاری کی کوتاہی میں غور کرنے سے جو حالت انفعال انسان کو پیش آتی ہے اس کو حیا کہتے ہیں۔) اس معنی کے اعتبار سے حیا ہمیشہ خیر ہی لاسکتی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا الحیاء من الایمان اور الحیاء شعبۃ من الایمان اور الحیاء خیر کلہ، وغیرہ۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا یہ بھی ممکن ہے کہ الحیاء میں الف لام عہد کا ہو، اور اس سے وہ حیا مراد ہو جسکو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا فرمایا ہے۔ اور آپؐ کے بیان کردہ معنی (۳۴۱) پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں آرہے ہیں۔
حاصل یہ ہے کہ اصل حیا جو حق تعالیٰ کا عطیہ ہے وہ سراپا خیر ہے، اور اس سے خیر ہی پیدا ہوتی ہے

اور وہ ایمان سے جُدا نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ ایمان کا ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ اور اگر حیار سے مُراد حیار شرعی نہ لی جائے، بلکہ اس کے عام معنی مراد ہوں تب بھی غالب اس میں خیر ہی ہے۔ اس صورت میں حدیث میں حصر حقیقی نہ ہوگا، حصر ادّعائی ہوگا۔ اور وہ حیا جس سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ترک ہوجائے یا حقوق پائمال ہوجائیں اس کا نام حیار مناسب نہیں، بلکہ وہ عجز و بزدلی ہے۔
حیا کی تفصیل اسی کتاب کے جزءِ اول میں حدیث (۱۴) میں الحیاء شعبۃ من الایمان کے تحت گذر چکی ہے۔
(۳۳۸) مشکوٰۃ میں ہے انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرّ علی رجلٍ من الانصار وھو یعظ اخاہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے پاس کو گذرے درانحالیکہ وہ اپنے بھائی کو حیار کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا کہ حیار زیادہ نہ کیا کرو۔ اس سے روزی کم ہوجاتی ہے۔ آدمی علم سے محروم ہوجاتا ہے وغیرہ۔ (مثلاً) قال الراغب الوعظ زجر مقترن بتخویف وقال الخلیل ھو التذکیر بالخیر فیما یرق لہ القلب۔ لیکن یہاں وعظ بمعنی عتاب ہے۔ جیساکہ مشکوٰۃ الآثار کی اس روایت میں ہے مرّ علی رجلٍ وھو یعاتب اخاہ فی الحیاء۔ آپ نے اس کو حیار سے منع کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا دَعْہُ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ یہ لفظ بخاری میں ہے، مسلم میں نہیں۔ اور فرمایا الحیاء من الایمان۔ ای شعبۃ من الایمان۔ اور یہاں جو شبہ ہو سکتا تھا اس کا جواب (۳۲۷) کی تشریح میں آچکا ہے۔
(۳۳۹) عَذْرَاء باکرہ یعنی کنواری لڑکی۔ فِی خِدْرِھَا خِدْر بالکسر الستر۔ کنواری لڑکی جب پردہ میں ہوتی ہے تو وہ بہت باحیار ہوتی ہے۔ اور بے پردہ ہوکر اس کی حیار ختم ہوجاتی ہے۔ چنانچہ شادی کے بعد پردہ کی وہ نوعیت ختم ہوجاتی ہے۔ تو وہ حیا بھی باقی نہیں رہتی جو کنوارپن میں ہوتی ہے اسی طرح جو کنواری لڑکیاں بے پردہ پھرتی ہیں وہ بھی بے حیا ہوجاتی ہیں۔ اس دور میں اس حقیقت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس روایت کے اخیر میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:
فاذا رای شیئًا یکرھہ عرفناہ فی وجھہ۔ جب کوئی شئ آپ ایسی دیکھتے جس سے آپکو ناگواری ہوتی تو ہم اس کو آپ کے چہرہ میں پہچان لیتے تھے۔
یعنی حیا کی وجہ سے آپ اپنی زبانِ مبارک سے ناگواری کا اظہار نہ فرماتے۔ مگر آپ کے رُخِ انور پر ناگواری کے آثار محسوس ومشاہد ہوجاتے تھے۔
(۳۴۰) ممّا ادرک النّاس۔ النّاسُ مرفوع ہے اور یہ اَدْرَکَ کا فاعل ہے۔ اور مَا کی طرف عائد محذوف ہے ای ممّا ادرکہ النّاس۔ اور اس میں نصب بھی جائز ہے۔ اور عائد ضمیر فاعل ہوگی اور اَدْرَکَ بمعنی بَلَغ ہوگا ای ممّا وصل الیھم وظفروا بہ ولحقوہ من کلام النّبوّۃ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ بسکون الحاء وکسر الیاء وحذف الیاء الثانیۃ للجزم۔

یہ جملہ ہٰذا القول کی تاویل میں ہو کر اِنَّ کا اسم مؤخر ہوگا۔ اور مِمَّا الخ خبر مقدم ہے۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ حیاء ہمیشہ سے مستحسن و محمود رہی ہے۔ پہلے تمام انبیاء علیہم السّلام کی شریعتوں میں بھی مستحسن تھی۔ اور اب بھی منسوخ نہیں ہوئی۔ فَالْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ فِیْهِ عَلٰی مِنْهَاجٍ وَّاحِدٍ۔ وَ اتَّفَقَتِ الْعُقُوْلُ عَلٰی حُسْنِهٖ وَمَا کَانَ هٰذَا شَانُهٗ لَمْ یَجْرِ عَلَیْهِ النَّسْخُ وَالتَّبْدِیْلُ۔

فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ اس کے مطلب میں چند اقوال ہیں۔ (۱) یہ لفظ اِصْنَعْ گو صیغہ امر ہے مگر مراد اس سے خبر ہے۔ یعنی جب تم کو حیا نہیں رہی جو برائیوں سے روکتی ہے تو اب وہی کروگے جو تمہارا جی چاہے گا۔ امام نوویؒ نے اپنی اربعین میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اس کو ابو عُبیدؒ نے اختیار کیا ہے۔

(۲) علامہ خطابیؒ نے فرمایا یہ امر تہدید کے لئے ہے۔ جیسا کہ قرآنِ پاک میں ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ۔ مطلب یہ ہوگا کہ جو تمہارا جی چاہے کرو تم کو پتہ چل جائیگا۔ اور اس کی سزا تم بھگتوگے۔ یہ قول ابو العباس کا ہے۔

اذا لم تخش عاقبۃ اللیالی ٭ ولم تستحی فاصنع ما تشاء

جب تو راتوں کے انجام کا اندیشہ نہیں رکھتا۔ اور تجھ کو شرم نہیں آتی تو تو وہی کریگا جو تو چاہے گا

فلا واللہ ما فی العیش خیر ٭ ولا الدنیا اذا ذھب الحیاء

خدا کی قسم زندگی میں خیر ہے نہ دنیا میں جب حیاء ہی نہیں رہی۔

(۳) ابو اسحٰق مروزیؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تم کو حیا نہیں رہی تو اب تمکو بے حیائی کے کام مناسب ہیں۔ اور حیا والے کام تمہارے لائق نہیں۔

(۴) اس روایت کو جریرؒ نے منصورؒ سے ان کی سند کے ساتھ ذکر کرکے اسکے معنٰی یہ بتائے ہیں کہ ایک شخص کسی کارِ خیر کا ارادہ کرکے اسپر عمل کرنا چاہتا ہے مگر لوگوں کی حیاء کی وجہ سے اس کو نہیں کرتا۔ گویا وہ ریاء کے اندیشہ سے عملِ خیر کو چھوڑ دیتا ہے تو اس کو تنبیہ فرمائی گئی کہ یہ حیا مناسب نہیں، اس حیا کو چھوڑ دو۔ اور جس عمل کا ارادہ ہے اس کو کر گذرو۔ ابو عبیدؒ کہتے ہیں کہ یہ معنٰی ایک حدیث کے مضمون سے ملتے جلتے ہیں۔ اور وہ حدیث یہ ہے اذا جاءك الشیطٰن وانت تصلی فقال انك مراءٍ فزدھا طولاً (جب شیطان تیرے پاس ایسی حالت میں آجائے کہ تو نماز پڑھ رہا ہے۔ اور یہ وسوسہ دل میں ڈالے کہ تو ریاء کار ہے تو تو نماز کو اور طویل کردے اور شیطان کی نافرمانی کر)

فضیل بن عیاضؒ کے قول سے بھی اس معنٰی کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ

ترك العمل لاجل الناس ریاء والعمل لاجلھم شرك والاخلاص ان یخلصك اللہ منھما۔

عمل کا چھوڑنا لوگوں (کے دیکھنے) کیوجہ سے ریاء ہے اور عمل لوگوں (کے خوش کرنے) کے لئے شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ اللہ تجھ کو ان دونوں چیزوں سے چھڑا لے۔

امام نوویؒ نے کہا کہ یہ امر اباحت کے لئے ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب تو کسی کام کے کرنے سے نہیں شرمایا تو یہ اس فعل کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔ پھر فرمایا کہ اسی پر اسلام کا مدار ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے کام یا تو ایسے ہیں کہ ان کے کرنے میں وہ حیاء کرتا ہے یا ایسے ہیں کہ وہ ان کے کرنے میں حیاء نہیں کرتا، اول قسم حرام و مکروہ کو شامل ہوگی اور ان کا ترک مشروع ہوگا، اور ثانی قسم واجب، مندوب اور مباح کو شامل ہوگی۔ اور ان کا فعل اول الذکر دونوں میں مشروع اور ثالث میں جائز ہوگا۔ اس توجیہ پر یہ حدیث احکامِ خمسہ مذکورہ پر مشتمل ہوگی۔

(۲۴۱) انا نستحی من اللہ ولم یقولوا حق الحیاء اعترافا بالعجز عنہ۔ لیس ذلک قیاس کا تقاضا ذلکم تھا لیکن اُمت کیونکہ ایک جسم کی مانند ہے اسلئے ضمیرِ مفرد سے تعبیر فرماکر اتحاد کی طرف اشارہ فرمادیا گیا۔ واللہ اعلم

فلیحفظ الرأس یعنی سَر کو عبادتِ خداوندی کے سوا استعمال نہ کرے۔ بُت کو یا کسی زندہ یا مُردہ کو تعظیماً سجدہ نہ کرے۔ نیز ریا کاری کے لئے نماز نہ پڑھے، نہ اس کو غیر اللہ کے لئے جھکائے نہ تکبر سے بلند کرے۔ وَمَا وَعٰی اور سر نے جن چیزوں کو اپنے اندر جمع کر رکھا ہے ان کی بھی حفاظت کرے یعنی زبان آنکھ، کان اور دماغ کو خدا کے حکم کے خلاف استعمال نہ کرے۔ ولیحفظ البطن اکل حرام سے پیٹ کی حفاظت کرے۔ وَمَا حَوٰی اور ان چیزوں کی حرام سے حفاظت کرے جن پر پیٹ مشتمل ہے۔ یعنی فرج، رجلین، یدین اور قلب۔ یہ سب اعضاء پیٹ سے متصل ہیں۔ ان کو اللہ کی مرضیات پر استعمال کرنا اور نامرضیات و محرمات میں استعمال نہ کرنا ان کی حفاظت ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حق حیاء وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ بلکہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی اور تمام اعضاء و جوارح اور ظاہری و باطنی حواس ہمیت سب کی اللہ کی نامرضیات سے حفاظت کرے۔

ولیذکر الموتَ والبلیٰ موت اور موت کے بعد کے حالات کو یاد رکھے۔ وَمن اراد الاٰخرۃ الخ اور جو آخرت کو مقصود و مراد بنالیتا ہے وہ دنیا کی آسائش اور آرائش و زیبائش کو چھوڑ دیتا ہے۔ کیونکہ دنیا و آخرت دُو سوکنیں ہیں۔ قوی مرد ہی دونوں کو رکھ سکتا ہے۔ دونوں سے بیک وقت نباہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ فمن فعل ذلك۔ ذٰلك بتاویل مذکور ہے۔ ای جمیع ماذکر۔

امام نوویؒ نے بعض اکابر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کا بکثرت ذکر کرنا مستحب ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے قریب ہی قریب وہ حدیث ہے جس کو امام ابن ماجہ نے سندِ حسن سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو قبر کھودتے دیکھا تو آپ بہت روئے یہانتک کہ آپنے اپنے آنسوؤں سے مٹی کو تر کردیا پھر فرمایا کہ:

اِخْوَانِی لِمِثْلِ هٰذَا فَاَعِدُّوْا (میرے بھائیو! اسکے مثل (قبر) کیلئے تیاری کرو۔ (مرقات ص ۲۲۵ ج ۲)

حضرت ابو مسعود انصاریؓ

ابو مسعود عقبہ بن عمرو بن ثعلبۃ الانصاری البدری، جلیل القدر صحابی ہیں۔ بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں حاضر ہوئے۔ البتہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے کہ نہیں، اس میں اختلاف ہے۔ شیخ ولی الدین تبریزیؒ فرماتے ہیں۔

ولم یشھد بدرًا عند جمھور اھلِ العلم بالسیر وقیل انہ شھدھا والاول اصح۔

اور البدری کی نسبت غزوۂ بدر سے نہیں۔ بلکہ بدر ایک چشمہ کا نام تھا جہاں یہ رہتے تھے۔ اس چشمۂ بدر کی طرف نسبت کرکے ان کو البدری کہتے ہیں۔ آپ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور آپ سے آپ کے بیٹے بشیر اور عبداللہ بن یزید خطمی، ابووائل، علقمہ، قیس بن ابی حازم، عبدالرحمٰن بن یزید النخعی، یزید بن شریک التیمی، ابوالاحوص عوف بن مالک الجشمی، اوس بن ضمعج، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث اور ایک خلق کثیر نے احادیث روایت کی ہیں۔ صاحبِ تراجم الاحبار نے موسیٰ بن عقبہ عن ابن شہاب، ابن اسحٰق اور ابن سعد کا قول نقل کیا ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور مسلم بن الحجاج، حاکم اور ابوالقاسم بغوی نے نقلاً بسندہٖ ابوعبید کا قول نقل کیا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری میں عروۃ بن الزبیر کی حدیث میں ہے۔ حضرت مغیرۃ بن شعبہ کی اخیر عمر میں زید بن حسن کے دادا ابومسعود بن عقبہ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ بدر میں حاضر ہوئے تھے۔ اسی حدیث کی بنا پر امام بخاری نے ان کو بدریین میں شمار کیا ہے۔ ابوالقاسم طبرانی کہتے ہیں کہ اہلِ کوفہ ان کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے اور اہلِ مدینہ نے ان کو بدریین میں ذکر نہیں کیا۔

وقال صاحب التراجم فاذا شھد العقبۃ فما المانع من شھودہٖ بدرًا۔ واللہ اعلم

قال فی الخلاصۃ لہٗ مائۃ وحدیثان اتفقا علی تسعۃٍ وانفرد البخاری بحدیثٍ ومسلم بسبعۃٍ ولہٗ عند الطحاوی اربعۃ احادیث۔ (تراجم ص۵۴۲)

وقال التبریزی وسکن الکوفۃ ومات سنۃ احدٰی او اثنتین واربعین۔

اَلْاِقْتِصَادُ

میانہ روی

(۳۴۲) قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: وَلَا تَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْھَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور نہ تو آپ اپنے ہاتھ کو بس گردن ہی سے باندھ لیجیے اور نہ بالکل ہی کھول دیجیے، ورنہ تو آپ قابلِ ملامت، تہیدست ہو بیٹھیں گے۔ (بنی اسرائیل آیت ۲۹)

(۳۴۳) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَاعِتًا عِبَادَ الرَّحْمٰنِ الصَّالِحِيْنَ: وَالَّذِيْنَ اِذَآ
اور اللہ تعالیٰ نے رحمٰن کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ
اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ٥ (الفرقان آیت ۶۷)
جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور انکا خرچ کرنا انکے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔

(۳۴۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِقْتِصَادُ
حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خرچ میں میانہ روی
فِي النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِيْشَةِ وَالتَّوَدُّدُ اِلَى النَّاسِ نِصْفُ الْعَقْلِ وَ
آدھا گزران ہے۔ اور لوگوں سے محبت آدھی عقل ہے۔ اور
حُسْنُ السُّؤَالِ نِصْفُ الْعِلْمِ۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۰)
عمدہ (طریقہ پر) سوال آدھا علم ہے۔

لغات مَحْسُوْرًا مفعو تھکی ہوئی نگاہ والا، تھکا ہوا، خالی ہاتھ (ن ض) تھک جانا، کھل جانا۔ (س) افسوس کرنا۔ لَمْ يَقْتُرُوْا۔ قَتَرَ قَتْرًا قُتُوْرًا (ن ض) بال بچوں پر خرچہ میں تنگی کرنا۔ بخل کرنا۔ (س) بودار ہونا، دھوئیں والا ہونا۔ قَوَامًا بفتح القاف وکسرھا گذارا، زندگی، مایہ درستگی جس سے کسی چیز کا قیام ہو۔ سہارا۔ اَلْاِقْتِصَادُ اعتدال، میانہ روی، اِفراط و تفریط کے درمیان کا راستہ۔ قَصْدًا (ض) اعتماد کرنا، توجہ کرنا، میانہ روی کرنا۔ تراکیب ظاہر ہیں۔

تشریح (۳۴۳) سورۂ بنی اسرائیل کی اس آیت کا اور اسکے بعد والی آیت (۳۰) کا شانِ نزول ابن مردویہؒ نے بروایت حضرتِ عبداللہ بن مسعودؓ اور بغویؒ نے بروایت حضرتِ جابرؓ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتے کا سوال کرتی ہیں۔ اسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کرتے کے علاوہ کوئی کرتا نہ تھا۔ جو آپنے زیبِ تن فرما رکھا تھا۔ آپنے اس لڑکے سے فرمایا کہ پھر کسی ایسے وقت آنا کہ ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ ہم تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں۔ لڑکا چلا گیا، پھر واپس آکر کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدنِ مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرمادیں۔ یہ سنکر آپنے کرتا اُتار کر اسکے حوالہ کردیا اور آپ برہنہ تن رہ گئے۔ نماز کا وقت ہوا حضرتِ بلالؓ نے اذان دی مگر آپ حسبِ عادت باہر تشریف نہ لائے۔ لوگوں کو اس سے تشویش ہوئی اور بعض لوگ اندر حاضرِ خدمت ہوئے تو دیکھا کہ آپ بغیر کرتے کے برہنہ بدن تشریف فرما ہیں

اس واقعہ پر یہ دونوں آیات نازل ہوئیں، جن میں آپ کو اور آپ کی اُمّت کو اعتدال و میانہ روی کی تعلیم دی گئی۔ اور بتایا گیا کہ سارے عالم کی حاجتوں کو پورا کرنا تو اللہ کا کام ہے، اسی کی قدرت میں ہے۔ اس کو خوب معلوم ہے کون کس چیز کے لائق ہے۔ کس کیلئے وسعت و فراخی بہتر ہے۔ اور کس کیلئے فقر و محتاجی۔ انسان کا کام تو یہ ہے کہ بخل اور کنجوسی بھی نہ کرے، اور اسراف و فضول خرچی سے بھی بچتا رہے۔ اور توسط و اعتدال کی ایسی راہ پر چلتا رہے کہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو اور خود بھی پریشانی میں مبتلا نہ ہو جائے یہی صراطِ مستقیم محمود و مطلوب ہے۔ اس سے ہٹ کر افراط و تفریط کی دونوں راہیں حق تعالیٰ کو ناپسند اور مذموم ہیں۔ اس سلسلہ کی زیادہ تفصیلات مطلوب ہوں تو ہمارے رسالہ خلاصۂ تورات کا مطالعہ فرمائیں

(۲۴۲) سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں حق تعالیٰ نے اپنے ایسے خاص بندوں کی تیرہ صفات بیان فرمائی ہیں۔ جن بندوں سے اس کی رحمت کا خاص تعلق ہے۔ اسی لئے باری تعالیٰ نے ان کو عِبَادُ الرَّحْمٰن فرمایا۔ ان صفات میں سے چھٹی صفت وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا الخ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جیسے اللہ کے خاص بندے تمام امور میں توسط و اعتدال کی راہ پر چلتے ہیں اسی طرح وہ خرچ کرنے میں بھی معتدل ہوتے ہیں۔ نہ تو کنجوسی کرتے ہیں اور نہ اسراف و فضول خرچی کرتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق یہی دانشمندی کا تقاضا بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ:

من فقه الرجل قصدهٗ فی معیشته (انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ اپنے گذران میں معتدل ہو) ہم نے عباد الرحمٰن کی یہ تمام صفات مع تفسیرات و تشریحات اپنے ایک نامی رسالہ "عباد الرحمٰن" یعنی اللہ کے خاص بندوں کی پہچان "میں جمع کر دی ہیں۔ شائقین اس کا مطالعہ فرمائیں۔

(۲۴۳) الاقتصاد فی النفقة الخ یعنی اخراجات و مصارف میں میانہ روی آدھا گذران ہے۔ بے احتیاطی و اسراف میں بھی نقصان اور بخل میں بھی خسران ہے۔ کیونکہ حسنِ تدبیر و اکتساب کا مجموعہ پورا گذران و روزگار ہے۔ تو ظاہر ہے کہ حسنِ تدبیر یعنی اخراجات میں احتیاط و اعتدال آدھی معیشت ہوئی۔ واللہ اعلم

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد مقتبس ہے وَالَّذِیْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا الآیۃ سے۔ وَالتَّوَدُّدُ الخ یعنی لوگوں کے ساتھ حُسنِ اخلاق و ملاطفت کا برتاؤ کر کے ان کا محبوب بن جانا نِصْفُ الْعَقْل آدھی عقل کا استعمال ہے اور باقی آدھی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ جب آدمی اکیلا ہوتا ہے تو اس کی عقل بھی منفرد (گویا آدھی) ہوتی ہے۔ اور جب عقلاء کے ساتھ ہوتا ہے تو ان کی عقل سے اس کی عقل کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ولہذا قیل علمان خیر من علم واحد۔ ایک عارف نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ میں اور تم دونوں کا مجموعہ ایک انسان کامل ہے۔ اسلئے کہ تم حافظِ قرآن ہو اور میں مفسرِ قرآن ہوں۔ حدیث میں ہے المرء مع اخیه کثیر شاید اس کے یہی معنی ہوں۔ ولاشك انّ مصاحبة ارباب الکمال تورث کمال العقل فی جمیع الاحوال۔

وَحُسْنُ السُّوَالِ نِصفُ العِلمِ۔ ایک سمجھدار آدمی وہی بات معلوم کرتا ہے جس کی اس کو ضرورت ہوتی ہے اور سوال اس بات کی علامت ہے کہ اس کو اپنی ضرورت کا علم ہے۔ اور جب سوال کا جواب مل جائیگا تو علم مکمل ہوجائیگا۔ اسلئے حسنِ سوال (جو ایک دانشمند ہی کرسکتا ہے) نصف علم ہے۔ پھر حسنِ سوال عالم سے ظہورِ علم کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسلئے گویا حسنِ سوال نصف علم ہوا۔ جیساکہ طہور ذریعۂ نماز ہے، نماز کو باری تعالیٰ نے مَاکَانَ اللہُ لِیُضِیعَ اِیْمَانَکُمْ میں ایمان سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الطهور شطر الایمان (طہارت آدھی نماز ہے) تو یہاں بھی ذریعہ کو نصف قرار دیدیا گیا فافہم حاصل یہ ہے کہ طالبِ صادق و عاقل کی علم میں مشارکت ہے۔ کہ وہ اس کی اہمیت و ضرورت کو سمجھتا ہے۔ اور بقیہ علم کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر سوال بے سوچے سمجھے کیا جائے تو یہ حسنِ سوال ہی نہیں۔ بلکہ سائل کی جہالت و حماقت کی دلیل ہے۔

حکایت حضرت امام ابو یوسفؒ نے اپنے ایک شاگرد سے کہا کہ تمہیں کبھی کوئی اشکال پیش آیا کرے تو پوچھ لیا کرو۔ اور شرمایا نہ کرو۔ کیونکہ ایسی حیا علم سے محروم کردیتی ہے۔ ایک دن حضرت امام ابو یوسفؒ روزہ کے مسائل بیان فرمارہے تھے کہ روزہ صبح سے شروع ہوتا اور غروب آفتاب پر پورا ہوجاتا ہے۔ تو اس شاگرد نے کہا۔ حضرت یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ کہ اگر کسی دن سورج غروب نہ ہو تو روزہ کس وقت تمام ہوگا۔ تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اسکت فان سکوتك خير من كلامك (یعنی آپ کا خاموش رہنا ہی بہتر ہے) کسی عارف کا مقولہ ہے الجاهل اذا تكلم فهو كالحمار واذا سكت فهو كالجماد۔

اَلتَّوَکُّلُ

بھروسہ

(۳۴۵) قَالَ اللہُ تَعَالٰی: وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللہِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللہَ بَالِغُ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے کافی ہے۔ بیشک

اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ہ (الطلاق آیت ۳)

اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرکے رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر فرمادیا ہے۔

(۳۴۶) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِنَّ قَلْبَ ابْنِ اٰدَمَ بِکُلِّ وَادٍ شُعْبَةٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَهُ الشُّعَبَ کُلَّهَا

بیشک آدمی کے دل کی ہر میدان میں ایک شاخ ہے۔ پھر جو اپنے دل کو ان سب شاخوں میں لگا دے گا

لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ بِاَيِّ وَادٍ اَهْلَكَهُ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ كَفَاهُ التَّشَعُّبَ۔

تو اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہ ہوگی کہ اس کو کس میدان میں ہلاک کیا۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کریگا تو اللہ تعالیٰ اسکی سب شاخوں سے حفاظت فرمائیں گے۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ)

(٣٤٧) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ لَرَزَقَكُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ

اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسا کہ اسپر توکل کرنے کا حق ہے تو یقیناً تم کو اس طرح روزی دی جاتی جس طرح پرندوں

تَغْدُوْا خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

کو دی جاتی ہے۔ کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس ہوتے ہیں۔

(٣٤٨) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُوْلُ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْقِلُهَا وَ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اونٹنی کو باندھوں اور

اَتَوَكَّلُ اَوْ اُطْلِقُهَا وَاَتَوَكَّلُ قَالَ اِعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

توکل کروں یا اس کو چھوڑ دوں اور توکل کروں فرمایا اس کو باندھو اور توکل کرو۔

تشریح توکل کے معنی بھروسہ اور اعتماد کرنے کے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ توکل کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ:

التوکل وھو ان یغلب علیه الیقین حتی یفتر سعیه فی جلب المنافع ودفع المضار من قبل الاسباب ولکن یمشی علی ما سنه اللہ تعالیٰ فی عبادہ من الاکساب من غیر اعتماد علیھا۔

توکل یہ ہے کہ بندہ پر یقین کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ جلب منفعت و دفع مضرت میں اسباب کے متعلق اسکی کوششیں سرد پڑ جائیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں میں کسب کے طریقے جاری فرما دیتے ہیں انپر اعتماد کئے بغیر ان پر گامزن رہے۔

(حجۃ اللہ البالغۃ مصری)

اور صاحب فتاوٰی بزازیہ حافظ الدین بن البزاز کردری حنفی فرماتے ہیں کہ:

توکل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جسکو حضور علیہ السلام نے سابقین کی صفت بتایا ہے۔

ھم الذین لا یرقون ولا یسترقون ولا یکوون ولا یکتوون وعلی ربھم یتوکلون۔

(یہ وہ لوگ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں نہ کراتے ہیں، نہ داغتے ہیں نہ داغ لگواتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں)

توکل کی یہ قسم قضائے الٰہی پر دل سے مطمئن ہوجانے کا نام ہے اسکے بغیر کہ نفع فوت ہوجانے یا مضرت پہنچ جانے کی پرواہ یا اضطراب ہو بندہ کے نزدیک وصول (ملنا) وحرمان (نہ ملنا) میں برابری نہ ہونا توکل کی اس اعلیٰ قسم کے منافی ہے۔ اسی طرح اسباب پر متوجہ ہونا اور ان میں مشغول ہونا بھی توکل کی اس قسم کو ختم کردیتا ہے اور اسی کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لَوْ تَوَكَّلْتُمْ عَلَى اللهِ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ (۳۴۷) میں اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ پرندے حصول منفعت یا دفع مضرت کی طرف چنداں ملتفت نہیں ہوتے، اور ملنے نہ ملنے کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اس صفت پر قائم ہوجاؤ کہ ملنے نہ ملنے کی پرواہ نہ کرو۔ اور جیسا توکل کا حق ہے اسی طرح توکل کرو تو بغیر بوئے جوتے اور بغیر اسباب رزق مہیا کیئے جو کچھ تمہاری قسمت میں ہوگا تمہیں ضرور مل جائیگا۔ اس حدیث میں اسی توکل کی ترغیب وتحریض کی گئی ہے۔ توکل کی دوسری قسم وہ ہے جس کی عوام کو اجازت دی گئی ہے۔ اور دعوت وترغیب نہیں دی گئی۔ اور وہ یہ ہے کہ مضرتوں کے دفعیہ، منافع کے حصول، حدود کی نگرانی اور آفات سے بچاؤ کے لئے اسباب مہیا کیئے جائیں چنانچہ عمرو بن امیہ ضمریؓ نے (اور دوسری روایت (۳۴۸) میں حضرت انسؓ نے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ اپنی اونٹنی چھوڑ کر توکل کروں۔ یا باندھکر۔ تو ارشاد فرمایا باندھ دو اور توکل کرو۔ کیونکہ سائل توکل کے ذریعہ حفاظت چاہتے تھے نہ کہ قضائے الٰہی پر مطمئن ہونا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توکل کے بارے میں اسی نوع توکل کا حکم دیا جسکے متعلق سوال ومشورہ تھا۔ کیونکہ جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امین ہوتا ہے۔ اسی کے مثل وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالکؓ سے فرمایا تھا (جو غزوۂ تبوک سے رہجانے والے تین اشخاص میں سے ایک تھے) کہ تم اپنا سب مال صدقہ نہ کرو بلکہ کچھ مال رہنے دو۔ جبکہ انہوں نے یہ درخواست کی تھی کہ میری توبہ کی تکمیل یہ ہے کہ میں اپنے تمام مال سے الگ ہوجاؤں (کیونکہ غزوہ میں شرکت سے یہی رکاوٹ بنا ہے) اسکے برخلاف حضرت بلال کو یہ ہدایت فرمائی تھی أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا (بلال خرچ کرو اور عرش والے سے کم دینے کا خوف نہ کرو) اور جب انہوں نے کچھ کھجوریں جمع کرکے رکھدی تھیں تو فرمایا تھا أَمَا تَخْشَىٰ أَنْ يَخْسِفَ اللهُ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ تم اس بات سے نہیں ڈرتے ہو کہ حق تعالیٰ اس سبب سے دوزخ میں دھنسادیں) کیونکہ آپکا توکل کامل ترین تھا جو پروردگار کی طرف سے آپ کے لئے مقدر تھا، آپ اسپر مطمئن تھے۔ اسی لئے کامل ترین توکل والے صدیق اکبرؓ کا پورا مال راہ خدا میں قبول فرمالیا تھا۔ اور دوسرے صحابہؓ سے ان کا تمام مال قبول نہ فرمایا تھا۔ حاصل یہ ہے کہ اشخاص کے اعتبار سے توکل کی دو قسمیں ہیں۔ کاملین کا توکل اول قسم ہے اور غیر کاملین کا قسم دوم ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دونوں قسم کے حضرات کے امام ہیں۔ اسلئے آپ کی سیرت میں دونوں فریقوں کے لئے نمونے موجود ہیں۔ اس مختصر سی

تقریر سے انشاء اللہ تمام نصوص منطبق ہو جائیں گی اور ظاہری تعارض ختم ہو جائیگا۔
پھر یہ دنیا دار الاسباب ہے۔ کم و بیش اسباب کو اختیار کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

" اس جگہ یہ بات بہت ہی قابل غور ہے کہ نظام حکومت اور دوسرے اہم امور میں تدبیر و مشورہ کے احکام کے بعد یہ ہدایت دی گئی ہے کہ سب تدبیریں کرنے کے بعد بھی جب کام کرنے کا عزم کرو تو اپنی عقل ورائے اور تدبیروں پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ بھروسہ اللہ تعالیٰ پر کرو۔ کیونکہ سب تدبیریں اور اسباب اُسی مدبر الامور و مسبب الاسباب کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ توکل ترک اسباب و ترک تدبیر کا نام نہیں بلکہ اسباب قریبہ کو چھوڑ کر توکل کرنا سنت انبیاء علیہم السلام اور تعلیم قرآن و سنت کے خلاف ہے۔ ہاں اسباب بعیدہ اور دُور از کار فکروں میں پڑا رہنا اور صرف اسباب و تدابیر کو مؤثر سمجھ کر مسبب الاسباب و مدبر الامور سے غافل ہو جانا بیشک توکل کے خلاف ہے۔" (معارف ص ۲۲۶ و ۲۲۷ ج ۲ معہ تغییر)

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

" مشورہ و عزم کے بعد جو توکل کا حکم فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر منافی نہیں توکل کے۔ کیونکہ مشورہ و عزم کا داخل تدبیر ہونا ظاہر ہے۔ اور جاننا چاہیئے کہ یہ رتبہ توکل کا کہ باوجود تدبیر کے اعتقاداً اعتماد رکھے اللہ تعالیٰ پر یہ ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔ اور توکل بمعنی ترک تدبیر اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ تدبیر دینی ہے تو اس کا ترک مذموم اور اگر دنیوی یقینی عادۃً ہے تو اس کا ترک بھی ناجائز۔ اور اگر ظنی ہے تو قوی القلب کو جائز اور وہمی ہے تو اس کا ترک مامور بہ ہے فقط۔" (بیان القرآن)

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کسی پر توکل (بھروسہ) کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو اپنا ایسا وکیل بنا۔ جو اس کے معاملہ پر قائم ہو۔ اور اس کی اصلاح حال کا اس کی حیثیت کے مطابق ذمہ دار رہو۔ ابن الملک کا قول ہے کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اس بات کا یقین کرلے کہ مجھ کو وہی پہونچے گا جو نفع و ضرر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مقدر فرما دیا ہے۔ حضرت سری سقطیؒ کا قول ہے کہ توکل اپنی طاقت و قوت سے بے چون و چرا نکل جانے کا نام ہے۔ ابن مسروقؒ کہتے ہیں کہ توکل احکام خداوندی میں اور اللہ کے فیصلہ کے جاری ہونے میں مکمل اطاعت و رضا کا نام ہے۔ حضرت جُنیدؒ فرماتے ہیں کہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کیلئے فنا ہو جائے تو اللہ اس کے لئے ہو جاتا ہے وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

(۴۴۵) یعنی جو شخص اللہ پر بھروسہ کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مہمات کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ اپنے کام کو جس طرح چاہتا ہے پورا کرکے رہتا ہے۔ اس نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اسی کے مطابق سب کام ہوتے ہیں۔ کوئی شئی اس کو اسکے ارادہ اور کام کو

پورا کرنے سے روک نہیں سکتی۔ اسلئے بندۂ عاجز و ناتواں کو اپنے امور اسی قادر مطلق کے حوالہ کر دینا چاہئیں اور خود وہ کام کرنا چاہئے جس کا اس خالق برحق و مالک مطلق نے حکم دیا ہے۔ اور امور دنیوی و دینی کی صحیح تدبیریں کرنا بھی حکم خداوندی میں داخل ہے۔

اسلئے توکل کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کے پیدا کیئے ہوئے اسباب و آلات کو چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ اسباب اختیاریہ کو اختیار کر کے بھروسہ اسباب پر کرنے کے بجائے مسبب الاسباب پر پورا اعتماد ہو کر جبتک اس کی مشیت و ارادہ نہ ہو گا ان اسباب سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ اس دار الاسباب میں جو کچھ ہوتا ہے وہ بامر خداوندی اسباب ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ بغیر اسباب کچھ نہیں ہوتا۔ ہاں اسباب سب کے سب مسبب الاسباب کے محتاج ہیں۔ اپنے وجود میں بھی اور اپنے مؤثر ہونے میں بھی۔ اور حق تعالیٰ اسباب کے محتاج نہیں ہیں۔ وہ بغیر اسباب بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی عادت یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں وہ جو کچھ کرتے ہیں اسباب کے پردہ میں کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایمان والے کو چاہیئے کہ،

(۳۳۶) اپنی تمام تر توجہات اس مسبب الاسباب کی جناب میں مرکوز رکھے۔ اِدھر اُدھر بھٹکتا نہ پھرے۔ ، یک در گیر محکم گیر، پر عمل کرے۔ کیونکہ اگر اس کی توجہات ہر میدانِ اسباب میں منتشر ہو گئیں تو اس کے تمام کام منتشر رہیں گے۔ اور حق تعالیٰ کی طرف وہ متوجہ نہ ہو سکے گا۔ پھر اسی حالت میں وہ مر جائے گا۔ کہ وہ مسبب الاسباب سے بیگانہ رہا۔ اور اس نے بھی اس کی پرواہ نہیں کی کہ کہاں مر گیا۔ لیکن اگر اپنی جملہ توجہات کو سمیٹ کر اللہ کی طرف کر لیا یعنی اس معبود حقیقی کی عبادت و اطاعت کو اپنا نصب العین اور مرکز توجہات بنا لیا تو حق تعالےٰ اسکے تمام کام اپنی قدرت سے بنا دیں گے۔ وفی معناہ ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من جعل الھموم ھمًّا واحدًا ھم الدین کفاہ اللہ ھم الدنیا والآخرۃ۔

(۳۳۷) لو توکلون علی اللہ حق توکلہ (بعض روایات میں لو توکلتم صیغۂ ماضی ہے) کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کا توکل جو خواص مؤمنین کو حاصل ہوتا ہے یعنی اس بات کا یقین کامل ہو جائے کہ عالمِ ہستی میں کوئی کچھ کرنے والا اللہ کے سوا موجود نہیں۔ یعنی خلق و رزق، عطاء و منع، نفع وضرر، فقر و غنیٰ، صحت و مرض، اور موت و حیات وغیرہ تمام اشیائے موجودات اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور اس یقین کے ساتھ پھر طلب علی الوجہ الجمیل یعنی حکمِ خداوندی کے مطابق ہو۔ کما قال اجملوا فی الطلب وتوکلوا علیہ اور اسی کی طرف تشبیہ بالطیر سے اشارہ ہے۔ کہ وہ صبح کو بھوکے اپنے گھونسلوں سے نکل کر جاتے ہیں اور اپنے رزق کو تلاش کرتے ہیں۔ اور حکم خداوندی کے مطابق اپنی روزیاں حاصل کر کے پیٹ بھر کر اپنے گھونسلوں میں واپس آجاتے ہیں۔ نہ طمع کرتے ہیں نہ جمع کرتے ہیں۔ نہ حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتے ہیں۔ بِطَانًا بَطِین کی جمع ہے بمعنی عظیم البطن۔ اور مراد اس سے پیٹ بھرے ہوئے ہیں

اور تغدو خماصاً میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رزق کے لئے سعی جمیل و حسنِ تدبیر، توکل و اعتماد کے منافی نہیں ہے۔ ہاں حدیث میں اسپر تنبیہ ہے کہ کسب، رازق نہیں۔ بلکہ رازق اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ دراصل توکل کا محل قلب ہے۔ اور کسب جوارح کی حرکت سے ہوتا ہے۔ اور دونوں میں منافات نہیں۔ بلکہ "دست بکار دل بیار" ہی توکل ہے۔ اور رزق کے لئے جوارح کی حرکت بھی ضروری نہیں۔ اسباب مہیا فرمانے والے خود حق تعالیٰ ہیں۔ لیکن اگر بندہ کر سکتا ہو تو وہ تدبیر صحیح کا مکلف اور مامور ہے۔ مشہور ہے کہ کوّے کا بچہ شروع میں سفید ہوتا ہے۔ کوّے اس سے اجنبیت محسوس کرکے اس ناتواں بچے کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا اس طرح انتظام فرماتے ہیں کہ اس کے پاس مکھیوں اور چیونٹیوں کو بھیجدیتے ہیں وہ ان کو نگلتا رہتا ہے۔ اس غذا سے چند دن میں تھوڑا ہوشیار ہو جانے کے ساتھ ساتھ سیاہ بھی ہو جاتا ہے، اور کوّے اس کو اپنا سمجھنے لگتے ہیں۔ اور اس کی دیکھ بھال شروع کر دیتے ہیں۔ تو حق تعالیٰ کوّے کے بچے کو بغیر سعی و کوشش کے پالتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں روایات وحکایات بکثرت مشہور ہیں کہ حق تعالیٰ بغیر ظاہری اسباب کے بہترین پرورش فرما دیتے ہیں۔ مثلاً شداد جیسے بے سہارا کی پرورش کرکے بادشاہ بنا دینا، موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کے اسباب پیدا کر دینا۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا یہ خیال کہ توکل بدن سے ترک کسب اور قلب سے ترک تدبیر کا اور چیتھڑے کی طرح زمین پر گر جانے اور چکی پر کٹنے والے گوشت کی طرح پڑ جانے کا نام ہے یہ خیال جہالت ہے۔ اور یہ شریعت میں حرام ہے۔ شریعت مطہرہ نے تو متوکلین کی تعریف کی ہے۔ تو یہ مقام وہ لوگ کیسے حاصل کر سکتے ہیں جو محظور و ممنوعِ شرعی کا ارتکاب کرتے ہوں۔ ہم حقیقتِ توکل بتاتے ہیں کہ توکل کا اثر بندہ کی حرکت، محنت اور کوشش میں ظاہر ہوتا ہے (جس کو اللہ پر مکمل اعتماد ہوتا ہے وہ نشاط اور سعی جمیل کے ساتھ اپنے مقاصد کی طرف پہونچ جاتا ہے۔ اور اس کی تدبیر و کوشش میں سستی و کاہلی کا گذر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کو اپنے وکیل و کارساز پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے۔ اور اپنے کاموں کے بننے کا یقین ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا کارساز قادرِ مطلق ہے۔ لہٰذا وہ خوب محنت و کوشش کرتا ہے۔ اور اس کا دل ہمہ وقت حق تعالیٰ سے وابستہ اور اس کی کارسازی کے یقین سے لبریز رہتا ہے) امام ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ توکل کا محل قلب ہے، ظاہری کوشش اس کے منافی نہیں جبکہ بندہ کا مکمل یقین ہو کہ رزق اللہ کی جانب اور اس کے حکم سے ملتا ہے۔ لہٰذا اس میں جو تنگی و دشواری ہوگی تو اس کا تعلق اللہ ہی کے فیصلے اور مقدر سے ہے۔ اور فراخی و وسعت اور سہولت بھی حق تعالیٰ کے آسان کر دینے سے ہے۔ (اسی لئے مؤمن ہر حال میں اللہ سے راضی رہتا ہے)۔

(۳۴۴۸) اس حدیث میں مذکورہ بالا حقیقت ہی کو سمجھایا گیا ہے کہ ظاہری سعی، توکل قلبی کے منافی نہیں۔ بلکہ سعی و تدبیر کا بندہ مکلف ہے۔ ہاں قلب میں اعتماد و اعتقاد اللہ کی ذات پر ہونا ضروری ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ

عمرو بن العاص بن وائل بن ھاشم بن سُعید (بالتصغیر) السہمی القرشی، کنیت ابو عبداللہ یا ابو محمد ہے۔ ۵ھ میں یا ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے ایک قول کے مطابق صلح حدیبیہ و فتح خیبر کے درمیان حضرت خالد بن الولید و حضرت عثمان بن طلحہ کے ہمراہ آکر مسلمان ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جیشِ ذات السلاسل کا امیر بنایا۔ ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے جھنڈے کے نیچے تھے۔ آپ نے ان کے بارے میں فرمایا۔ عمرو بن العاص من صالحي القريش الحديث (عمرو بن العاص قریش تمے نیک لوگوں میں سے ہیں۔) امام شعبیؒ نے فرمایا کہ دُہاۃ العرب (عرب کے دانشمند اور چالاک لوگ) چار ہیں۔ اور ان میں سے عمرو بن العاص کو بھی شمار کیا۔ زمانۂ جاہلیت میں قریش کے بہادروں اور پہلوانوں میں ان کا شمار تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عمان کا عامل بنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک وہ اسی پر برقرار رہے۔ دورِ فاروقی میں انہوں نے مصر فتح کیا۔ اور وہاں کے عامل مقرر ہوئے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو وہاں کا عامل بنایا۔ اور حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں بھی وہیں کے عامل رہے۔ فتوحِ شام میں بھی آپکا شمار لشکروں کے امیروں میں ہوتا ہے۔ خطیب تبریزیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں چار سال مصر کے عامل رہے۔ پھر ان کو معزول کر دیا گیا تھا۔ پھر جب حضرت امیر معاویہؓ برسرِ اقتدار آئے تو پھر ان کو مصر کا عامل مقرر کر دیا گیا تھا۔ مصر ہی میں ۴۳ھ میں نوّے سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ کو والی مصر بنایا گیا۔ پھر حضرت امیر معاویہؓ نے ان کو معزول کر دیا تھا۔ ان سے احادیث روایت کرنے والے ان کے بیٹے حضرت عبداللہ اور عبداللہ ابن عمر و قیس بن ابی حازم ہیں۔ (اسماء الرجال، لولی الدین و امانی الاحبار ص ۲۶۸ ج ۱)

اَلْقَنَاعَةُ

قناعت

(۳۴۴۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَّقَنَّعَهُ اللّٰهُ۔ (ترمذی ج ۲ ص ۵۸، مشکوٰۃ ص ۴۴۰)

کامیاب ہو گیا وہ شخص جو مسلمان ہوا اور اس کو روزی برابر سرابر دی گئی اور اللہ نے اسکو قناعت عطا فرمائی۔

(۳۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ
حضرتِ ابوہریرہؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "اے اللہ

اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا۔ (بخاری کتاب الرقاق ص۹۵۵ مشکوٰۃ ص۴۴۰)
آلِ محمد کی روزی گذارے کے لائق کر دیجئے"۔

(۳۵۱) عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ یُحَدِّثُ اَنَّ سَعِیْدَ بْنَ جُبَیْرٍ قَالَ
حضرتِ نافعؒ نے فرمایا کہ سنا میں نے حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا حضرت عمرؓ

بَلَغَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَنَّ یَزِیْدَ بْنَ اَبِیْ سُفْیَانَ یَاْکُلُ اَلْوَانَ الطَّعَامِ فَقَالَ
کو یہ بات پہونچی کہ یزید بن ابی سفیان کئی قسم کے کھانے کھاتے ہیں۔ تو حضرتِ عمرؓ نے اپنے

عُمَرُ لِمَوْلًی لَهٗ یُقَالُ لَهٗ یَرْفَأُ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ قَدْ حَضَرَ عَشَاءُهٗ فَاَعْلِمْنِیْ
اس غلام سے جس کو یرفأ کہتے تھے فرمایا کہ جب تم کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کا شام کا کھانا تیار ہے تو مجھکو خبر کر دینا

فَلَمَّا حَضَرَ عَشَاءُهٗ اَعْلَمَهٗ فَاَتٰی عُمَرُ فَسَلَّمَ وَاسْتَاْذَنَ فَاَذِنَ لَهٗ فَدَخَلَ
توجب انکا شام کا کھانا تیار ہوا تو غلام نے حضرت عمرؓ کو خبر دیدی، حضرت عمرؓ پہونچے اور سلام کر کے اجازت چاہی

فَقُرِّبَ عَشَاءُهٗ فَجَاءَ بِثَرِیْدَةٍ وَلَحْمٍ فَاَکَلَ عُمَرُ مَعَهٗ مِنْهُمَا ثُمَّ قُرِّبَ
یزید نے ان کو اجازت دی تو آپ اندر تشریف لیگئے۔ اتنے میں کھانا بھی آگیا جو ثرید اور گوشت تھا حضرت عمرؓ نے انکے ساتھ ان

شِوَاءٌ فَبَسَطَ یَزِیْدُ یَدَهٗ فَکَفَّ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ عُمَرُ وَاللّٰهِ یَا یَزِیْدُ بْنَ
دونوں میں سے کھایا پھر بھنا ہوا گوشت لایا گیا تو یزید نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے

اَبِیْ سُفْیَانَ اَطَعَامٌ بَعْدَ طَعَامٍ فَوَالَّذِیْ نَفْسُ عُمَرَ بِیَدِهٖ لَئِنْ خَالَفْتُمْ
فرمایا بخدا اے یزید بن ابی سفیان کیا ایک کھانے کے بعد دوسرا کھانا کھاتے ہو، اس ذات کی قسم جسکے قبضہ میں عمر کی جان

سُنَّتَهُمْ لَیُخَالِفَنَّ بِکُمْ عَنْ طَرِیْقِهِمْ۔ (کتاب الزھد والرقاق)
ہے اگر تم نے ان (صحابہؓ) کی مخالفت کی تو تم ان کے راستہ سے ہٹا دیئے جاؤ گے۔

(۳۵۲) عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قَدِمَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ الشَّامَ
ہشام بن عروہؒ اپنے باپ عروہؒ سے نقل کرتے ہیں انھوں نے فرمایا کہ حضرتِ عمر بن خطابؓ شام تشریف لائے

فَتَلَقَّاهُ اُمَرَاءُ الْاَجْنَادِ وَعُظَمَاءُ اَهْلِ الْاَرْضِ قَالَ عُمَرُ اَیْنَ اَخِیْ؟ قَالُوْا
تو ان سے شہروں کے امیروں اور ملکِ شام کے سرداروں نے ملاقات کی حضرتِ عمرؓ نے پوچھا میرے بھائی کہاں ہیں؟

مَنْ؟ قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَةَ قَالُوْا یَاْتِیْكَ الْاٰنَ قَالَ فَجَاءَ عَلٰی نَاقَةٍ مَخْطُوْمَةٍ
لوگوں نے دریافت کیا کون؟ فرمایا ابوعبیدہ، لوگوں نے عرض کیا ابھی آتے ہیں عروہ نے کہا کہ اتنے میں وہ ایک
اونٹنی پر جس کے ایک رسی کی نکیل پڑی تھی تشریف لے آئے۔

بِجَبَلٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ وَسَأَلَهُ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ اِنْصَرِفُوْا عَنَّا فَسَارَ مَعَهُ

اور سلام کیا اور مزاج پرسی کی پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ چلے جاؤ پھر وہ حضرت عبیدہ کے ہمراہ چلدیئے اور

حَتّٰى اَتٰى مَنْزِلَهٗ فَنَزَلَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرَ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا سَيْفَهٗ وَتُرْسَهٗ

ان کے گھر پہنچکر قیام فرمایا۔ اور ان کی تلوار، ڈھال اور کجاوہ کے سوا وہاں

وَرَحْلَهٗ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَوِ اتَّخَذْتَ مَتَاعًا اَوْ قَالَ شَيْئًا قَالَ

کچھ نہ دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کہ کچھ سروسامان تو مہیا کرلیتے یا فرمایا کہ کوئی چیز تو مہیا کرلیتے حضرت

اَبُوْ عُبَيْدَةَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا سَيُبَلِّغُنَا الْمَقِيْلَ۔ (حوالہ بالا)

ابو عبیدہ نے کہا اے امیر المومنین یہی سامان ہمیں قبر تک پہونچا دیگا۔

(۳۵۳) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ بَيْنَ كَتِفَيْ عُمَرَ اَرْبَعَ

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کے دونوں کاندھوں کے درمیان ان کے کرتے

رِقَاعٍ فِيْ قَمِيْصِهٖ۔ (ایضاً)

میں چار پیوند دیکھے ہیں۔

(۳۵۴) عَنْ مَيْمُوْنِ بْنِ جَرِيْرٍ اَوِ ابْنِ اَبِيْ جَرِيْرٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَتَاهُ

حضرت میمون بن جریر یا ابن ابی جریر سے مروی ہے کہ ابن عمر کے پاس ان کے صاحبزادے آئے

ابْنٌ لَهٗ فَقَالَ تَخَرَّقَ اِزَارِيْ فَقَالَ اِقْطَعْهُ وَاَنْكُسْهُ وَاِيَّاكَ اَنْ

اور کہا کہ میری لنگی پھٹ گئی ہے آپ نے فرمایا اس کو کاٹ دو اور لوٹ لو اور تم اس سے احتیاط رکھو

تَكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَعَلٰى

کہ ان لوگوں میں سے ہوجاؤ کہ اللہ نے ان کو جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اپنے پیٹوں میں یا پیٹھوں پر

ظُهُوْرِهِمْ۔ (ایضاً)

استعمال کرلیتے ہیں۔

لغات اَلْقَنَاعَةُ جو ملے اس پر راضی ہوجانا، تھوڑی چیز پر راضی ہوجانا۔ (س ق) اَفْلَحَ افعال سے مطلوب پر کامیاب وفتحمند ہونا۔ کوشش میں کامیاب ہونا۔ فَلَاحٌ کامیابی، درستیِ حال، بقاء، نجات فَلَحًا (ف) جوتنا، مکر کرنا، خرید و فروخت میں دھوکہ دینا۔ كَفَافًا برابر سرابر، گذارے کے لائق رزق، لوگوں سے مستغنی کرنے والی روزی، حاجت کے مطابق رزق قَنَّعَ تفعیل سے قانع بنانا، راضی کرنا۔ قُوْتٌ خوراک، گذارہ کے لائق کھانا۔ ج اَقْوَاتٌ (ن) روزی دینا، خوراک دینا، گذارہ دینا۔ عَشَاءٌ بفتح العین شام کا کھانا ج اَعْشِيَةٌ۔ اَلْعَشِيُّ

شام کا کھانا۔ ثَرِیْدَۃٌ شوربے میں تر کی ہوئی روٹی ج ثَرَائِدُ وثُرُوْدٌ (ن) روٹی توڑ کر شوربے میں تر کرنا۔ شِوَاءٌ بھنا ہوا گوشت۔ شَیًّا (ض) گوشت کو بھوننا۔ اَلْاَجْنَادُ جمع اَلْجُنْدُ کی لشکر جُنُوْدٌ بھی جمع آتی ہے۔ جُنْدٌ شہر ج اَجْنَادٌ۔ اَجْنَادُ الشَّامِ دمشق، حمص، قنسرین۔ اُردن اور فلسطین اَلْمَقِیْل خوابگاہ، قبر، قیلولہ کرنے کی جگہ۔ قیلولہ دوپہر کے وقت آرام کرنے کو کہتے ہیں قَالَ قَیْلًا قَائِلَۃً قَیْلُوْلَۃً مَقَالًا مَقِیْلًا (ض) دوپہر میں سونا، دوپہر میں دودھ دوہنا اور پینا۔ رِقَاعٌ رُقْعَۃٌ کی جمع پیوند، تحریر کا پُرزہ رَقْعًا (ف) کپڑے پر پیوند لگانا۔ وَانْتَکِسْ صیغہ امر حاضر نَکْسًا (ن) اوندھا کر دینا، لوٹ دینا۔

تشریح جن اخلاق کی وجہ سے بندہ اللہ کا محبوب اور دارین میں سر بلند ہوتا ہے۔ اور دنیوی تمام پریشانیوں سے نجات اور چھٹکارا پاکر مطمئن ہو جاتا ہے۔ ان میں سے صفت قناعت و استغنا سرفہرست ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو جو کچھ مل جائے وہ اسی پر راضی و مطمئن ہو جاتے۔ اور اس سے زائد کی حرص اور لالچ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ جس بندہ کو دولت قناعت عطا فرما دیتے ہیں درحقیقت وہ ایک بڑی دولت و نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ اور ایسے بندہ کو کامیاب و بامراد کہہ سکتے ہیں چنانچہ (۳۴۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو ایمان و اسلام کی دولت کے ساتھ گذارے کے لائق روزی مل گئی، اور دولت قناعت بھی نصیب ہو گئی تو وہ کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ایک فقیر کی زندگی ایسی خوشگوار و پُر بہار ہو جاتی ہے جو شاہوں کے لئے لائق صد رشک بن جاتی ہے۔ اگر آدمی کے پاس دولت کے انبار موجود ہوں لیکن دل میں حرص و طمع اور لالچ اور اسکے اضافہ کی فکر بھی ہو۔ اور وہ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کے چکر میں رہتا ہو تو اس کو قلبی سکون ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ اور قانع کا قلب مطمئن و غنی ہوتا ہے۔ اسلئے وہ اطمینان و آسودگی کی پُر لطف و پُر مسرت زندگی گذارتا ہے۔

لیس الغنی من کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس۔

(۳۵۰) اسی قناعت والی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے پسند فرمایا۔ چنانچہ آپ نے اللہ سے یہ دعا فرمائی کہ " اے اللہ محمد کے متعلقین کی روزی گذارے کے مطابق ہو جائے۔ لفظ آل گھر والوں یعنی بیوی بچوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ متبعین کے لئے بھی اور کسی خاص ذات کے لئے بھی۔ جیسے آلِ فرعون بولکر ذات فرعون، آلِ موسیٰ وآلِ ھارون بولکر ان کی ذات مُراد لیتے ہیں۔ یہاں بظاہر پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ اگرچہ احتمال تیسرے معنیٰ کا بھی ہے۔ دوسرے معنیٰ یہاں مراد نہوں گے۔ ایک روایت میں قُوْتًا کی بجائے لفظ کَفَافًا ہے۔ اور دونوں کا مطلب تقریباً ایک ہی ہے۔ کہ روزی اتنی ہو جس سے گذران میں دقت نہو۔ نظام زندگی بسہولت چلتا رہے۔ نہ اتنی کم ہو کہ تنگی و پریشانی اور فاقہ کشی کی نوبت آئے۔ نہ اتنی زیادہ ہو کہ اسکی حفاظت کی

فکر کرنی پڑے۔ اور مختلف پریشانیاں دامنگیر ہو جائیں۔

(۳۵۱ و ۳۵۲) ان دونوں واقعات میں حضرات صحابۂ کرام کی قناعت اور زہد کے نمونے موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ پسند نہیں کیا کہ ایک وقت میں مختلف کھانے دسترخوان پر جمع ہوں۔ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثاروں کی عادت کے خلاف ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر تم ان کے طرز کی مخالفت کروگے تو ان کی راہ سے ہٹ جاؤگے۔ کیونکہ تنعم و تعیش ان کا طریقۂ حیات نہ تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کے پاس اگرچہ اُمراء اور عُظماء ملنے آئے تھے مگر وہ اپنے بھائی ابوعبیدہؓ کے لئے بے چین رہے جبتک اُن سے ملاقات نہو گئی پھر اوروں کی ملاقات سے ان کو قرار کیسے آسکتا تھا۔ جبکہ عمر جیسا زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی ان لوگوں میں نہ تھی۔ ان کو سکون ملا تو امین الامت کی ملاقات سے ملا۔ اور قرار آیا تو اسی محبوب دوست اور اپنے جنتی بھائی کے گھر ٹھہر کر آیا حضرت عمرؓ نے جب ان کے سر و سامان پر نظر ڈالی تو جہاد کے سامان (تلوار، ڈھال اور کجاوہ) کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ تو آپ نے فرمایا کچھ تو سامان ہونا ہی چاہیئے تھا۔ ابوعبیدہؓ نے فرمایا اتنا بھی منزل تک پہنچانے کے لئے کافی ہے۔

(۳۵۳) خود حضرت عمرؓ کا حال کیا تھا؟ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے خود یہ دیکھا ہے کہ ان کے کرتے پر دونوں مونڈھوں کے درمیان چار پیوند لگے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ یہ تھے خلیفۃ الرسول و امیر المؤمنین مسلمانوں کے وہ عظیم سربراہ جن کے رعب و دبدبہ سے سلاطین دنیا کے دل کانپتے تھے۔ یہ تھے حضرت عمر بن الخطابؓ۔ اور سچ ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ۔ اب دیکھیئے اسی خلیفۃ الرسول کا بیٹا کیسا زاہد اور اپنے باپ کا کیسا سچا وارث ہے۔ اس کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

(۳۵۴) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ایک صاحبزادے آئے اور عرض کیا: ابا جان میری لنگی پھٹ گئی ہے لہٰذا ایک لنگی کا انتظام فرما دیا جائے۔ فرمایا اس کو کاٹ کر پلٹ دو یعنی کنارے جوڑ کر بیچ سے پھاڑ دو۔ پہننے کے لائق ہو جائیگی۔ کیونکہ یہ اچھے لوگوں کا طریقہ نہیں کہ جو خدا نے دیا ہے اس کو اپنے کھانے پہننے ہی پر خرچ کردو۔ اسلئے تم کو یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ایسے لوگوں کے طرز زندگی کو اپنا کر ان میں اپنے آپ کو شمار نہ کرا دینا۔ بلکہ تنعم و تعیش سے الگ رہکر اللہ کے خاص بندوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں شامل رہنا۔

حضرت نافعؒ

نافع بن سرجس فقیہ مدنی حضرت ابن عمرؓ کے مولیٰ، تلمیذ و جانشین ہیں۔ ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے۔ اصل دیلمی تھے۔ کسی غزوہ کے مال غنیمت سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ملے تھے۔ بعض کا قول ہے کان من اھل المغرب اصابہٗ ابن عمر فی بعض غزواتہٖ۔ حضرت نافع کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن عمر کی حدیث کے اکثر

حصہ کا انہیں پر مدار ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے نافعؒ عطا فرما کر ہم پر احسان فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمرؓ ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا جب میں سن لوں کہ نافع حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حدیث بیان کر رہے ہیں تو پھر مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ اور کسی سے سنوں۔ ابن سعد کا قول ہے کہ نافع ثقہ کثیر الحدیث ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو مصر اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ اہل مصر کو وہ احادیث و سنن کی تعلیم دیں۔ امام عجلیؒ نے کہا کہ وہ مدنی و ثقہ تھے۔ ابن خراش نے کہا کہ وہ بہت بڑے عالم و ثقہ تھے۔ امام نسائیؒ نے کہا کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن شاہین نے بھی ان کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ احمد بن صالح مصری نے کہا کہ نافع حافظ ثبت تھے۔ ان کی ایک شان تھی اور وہ اہل مدینہ کے نزدیک عکرمہ سے بڑے تھے۔ خلیلیؒ نے کہا کہ وہ مدینہ میں ائمہ تابعین میں سے تھے۔ علم میں متفق علیہ، صحیح الروایۃ امام تھے۔ بعض محدثین نے ان کو سالم بن عبداللہ پر بھی ترجیح دی ہے بعض نے دونوں کو برابر کہا ہے۔ اور ان کی تمام مرویات میں سے کسی روایت میں خطا نہیں پائی جاتی۔ عثمان دارمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن معینؒ سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک نافع عن ابن عمر احب ہے یا سالم عن ابن عمر، تو انہوں نے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔ دوسری جگہ فرمایا کہ سالم و نافع کا تین حدیثوں میں اختلاف ہے۔ اور سالم نافع سے اجل ہیں۔ ابن حبانؒ نے بھی ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ وقال اختلف فی نسبتہ ولم یصح عندی فیہ شیٔ۔

انہوں نے احادیث اپنے مولیٰ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، ابوہریرہ، ابولبابہ بن عبداللہ، ابوسعید الخدری، رافع بن خدیج، عائشہ، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبیداللہ، سالم اور بہت سے صحابہؓ و تابعین سے نقل کیں۔ اور ان سے بھی ایک خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ ابن جریج، امام اوزاعی، محمد اسحٰق، امام مالک بن انس اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ بھی ان سے روایت کرنیوالوں میں شامل ہیں۔ یحییٰ بن بکیر وغیرہ کا قول ہے کہ ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی، ابن عیینہ، امام احمد بن حنبل اور ابو عبید کہتے ہیں کہ ۱۱۹ھ میں ہوئی۔ ابو عمرو الضریر وغیرہ نے کہا ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

سَرجِس بفتح السین المہملۃ الاولیٰ وسکون الرّاء وکسر الجیم۔

(امانی الاحبار ص۲۲ ج۱ تراجم ص۱۱۲ ج۲ والاکمال)

حضرت سعید بن جبیرؒ

سُعید بن جبیر (بضمومۃ فمفتوحۃ وسکون الیاء علی وزن زبیر) ابن ہشام الاسدی الوالبی (بکسر اللام وموحدۃ نسبۃ الی والبۃ بطن من اسد بن خزیمۃ مولاہم) ان کی کنیت ابو محمد ہے ان کو ابو عبداللہ الکوفی بھی کہا جاتا ہے۔ ثقۃ، ثبت، فقیہ، احد اعلام التابعین من رواۃ الستۃ۔

جعفر بن مغیرہ کہتے ہیں کہ جب حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ کے پاس کوفہ والے آتے اور کچھ معلوم کرتے تو آپ فرماتے کیا تمہارے درمیان ابن ام الدہماء یعنی سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ عمرو بن میمون اپنے والد کا قول نقل کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر رحلت فرما گئے۔ حالانکہ ساری روئے زمین کے لوگ ان کے علم کے محتاج تھے۔ امام ابوالقاسم طبریؒ کا قول ہے ھو ثقۃ امام حجۃ علی المسلمین۔ اور ابن حبانؒ نے ثقات میں فرمایا کہ وہ فقیہ، عابد، فاضل اور پرہیزگار تھے۔ آپ عبداللہ بن عتبہ، ابن مسعود قاضیٔ کوفہ کے پھر ان کے بعد ابو بردۃ بن ابی موسیٰ کے کاتب رہے ہیں۔ پھر انہوں نے تمام قراء میں شامل ہو کر ابن اشعث کے ساتھ خروج کیا۔ جب ابن اشعث شکست خوردہ ہو گیا تو سعید بن جبیرؒ بھاگ کر مکہ چلے گئے۔ ایک مدت کے بعد خالد قسری نے ان کو گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھیجدیا۔ تو حجاج نے ان کو شعبان ۹۵ھ میں قتل کیا۔ اسوقت ان کی عمر انچاس ۴۹ سال تھی۔ پھر حجاج بھی اسی سال رمضان میں یا شوال میں مر گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی شہادت سے چھ ماہ بعد اس کا انتقال ہوا۔ اور سعید بن جبیر کو شہید کرنے کے بعد کسی پر اس کا تسلط نہ ہو سکا۔ کیونکہ سعید بن جبیرؒ نے قتل ہوتے وقت یہ دعا کی تھی اَللّٰھُمَّ لَا تُسَلِّطْہُ عَلٰی اَحَدٍ یَّقْتُلُہٗ۔ حضرت سعید بن جبیرؒ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ چنانچہ ضمرۃ بن ربیعہ نے اصبغ بن زید واسطی سے نقل کیا ہے کہ ان کا ایک مرغ تھا جس کی اذان پر حضرت سعید رات کو اٹھتے اور تہجد پڑھتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات کو مرغ نے اذان نہیں دی۔ تو حضرت کی آنکھ نہ کھلی، صبح تک سوتے رہے۔ اس سے ان کو صدمہ ہوا۔ اور غصہ بھی آیا۔ اسی حالت میں فرمادیا مَالَہٗ قَطَعَ اللّٰہُ صَوْتَہٗ (کیا ہوا اس مرغ کو خدا اس کی آواز ختم کر دے) کہتے ہیں کہ اس بددعا کے بعد کسی نے اس مرغ کی آواز نہیں سنی۔ یہ دیکھ کر ان کی والدہ نے کہا: بیٹے اب سے کسی چیز کے لئے بددعا نہ کرنا۔ (الاکمال، تراجم ص۲۶، اماتی الاحبار ص۱۳۹)

شہادتِ سعید بن جبیرؒ کا واقعہ

جب خالد قسری نے حضرت سعید بن جبیرؒ کو گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس پہونچایا تو:

حجاج بن یوسف نے کہا تو اپنے لئے پسند کر کہ تو کس طرح قتل ہونا چاہتا ہے۔ کیونکہ میں اب تجھکو قتل کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ اے حجاج تو پسند کر کہ کس طرح قتل ہونا چاہتا ہے۔ کیونکہ خدا کی قسم میں آخرت میں تجھ کو اسی طرح قتل کرونگا جس طرح تو مجھ کو دنیا میں قتل کریگا۔

حجاج بن یوسف نے کہا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھ کو معاف کر دوں؟

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ اگر معافی مانگنی ہوگی تو میں اللہ سے معافی مانگوں گا۔ لیکن نہ تو بری

ہوسکتا ہے اور نہ تیرے پاس کوئی عذر ہے۔

حجاج بن یوسف نے جلادوں سے کہا کہ اس کو لیجاؤ اور قتل کرڈالو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ کو جلاد جب لے کر دروازہ سے باہر گئے تو آپ ہنسے۔ توان کے ہنسنے کی اطلاع حجاج کو کی گئی۔

حجاج بن یوسف نے جلادوں کو حکم دیا کہ ان کو واپس لے آؤ۔ چنانچہ ان کو واپس لایا گیا تو حجاج بن یوسف نے ان سے پوچھا کہ ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟

حضرت سعید بن جبیرؒ نے کہا مجھے اللہ کے مقابلہ میں تیری جرأت پر اور حق تعالیٰ کے تیرے بارے میں حلم پر تعجب ہوا اسلئے ہنسی آگئی۔

حجاج بن یوسف نے اپنی عادت کے مطابق چمڑے کے دسترخوان کے بچھانے کا حکم دیا۔ چنانچہ بچھا دیا گیا تو حجاج بن یوسف نے جلادوں کو حکم دیا کہ اسیر اس کو قتل کردو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ (بیشک میں نے اپنا رخ بالکل یکسو ہوکر اس ذات کی طرف کرلیا ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں)

حجاج بن یوسف نے غضبناک ہوکر جلادوں کو حکم دیا کہ اس کا منہ قبلہ سے دوسری جانب پھیر کر اس کو باندھ دو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے یہ سنکر فرمایا فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ (جدھر کو بھی رخ کرو وہاں اللہ کی ذات موجود ہے)

حجاج بن یوسف کا پارہ اور تیز ہوگیا اور حکم دیا کہ اس کو منہ کے بل اوندھا ڈال دو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے یہ حکم سنکر یہ آیت پڑھی مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی۔ (ہم نے اس زمین سے تم کو پیدا کیا اور اسی میں ہم تمکو واپس کریں گے۔ اور اسی سے ہم دوبارہ تمکو زندہ کرکے نکالیں گے)

حجاج بن یوسف نے کہا اب اس کو فوراً ذبح کردو۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں اور میں حجۃ قائم کیے دیتا ہوں کہ (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسکے بندے اور اس کے رسول ہیں) اس کو میری جانب سے لے لے جبتک کہ تو قیامت کے دن مجھ سے ملاقات کرے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ نے اس کے بعد دعا کی اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْهُ عَلٰی اَحَدٍ یَقْتُلُهٗ مِنْ بَعْدِیْ

(اے اللہ اس کو میرے بعد کسی پر قتل کرنے کے لئے مسلّط نہ فرما) پھر
حجاج بن یوسف نے ان کو اسی چمڑہ پر (جو حضرتِ سعید کو قتل کرنے کے لئے بچھوایا تھا) ذبح کرادیا اور
حضرت سعید بن جبیرؒ کی دعا مقبول ہوئی۔ کہ وہ ان کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا بلکہ
حجاج بن یوسف بھی ان کے قتل کے بعد زیادہ زندہ نہ رہا۔ کم وبیش پندرہ (۱۵) (بیس) دن بعد وہ بھی مرگیا۔
حضرت سعید بن جبیرؒ کو شہید کرنے کے بعد حجاج کے پیٹ میں ایک خطرناک پھوڑا نکلا جس میں شدید تکلیف تھی
حجاج بن یوسف نے اس کے علاج کے لئے طبیب کو بلایا۔ طبیب نے گوشت کا ایک سڑا ہوا ٹکڑا
منگا کر دھاگے میں باندھا۔ اور اس کے حلق سے اتار کر تھوڑی دیر توقف کیا پھر اس کو نکالا تو وہ خون
میں لتھڑا ہوا تھا۔ طبیب سمجھ گیا کہ اب یہ بچ نہیں سکتا۔ اسلئے مایوسی کا اظہار کردیا۔
حضرتِ سعید بن جبیرؒ کی شہادت کے بعد بقیہ زندگی میں حجاج بن یوسف یہی کہتا رہا کہ میرا اور سعید کا کیا
تعلق ہے کہ جب بھی میں سونے کا ارادہ کرتا ہوں وہ میری ٹانگ پکڑ کر کھینچ لیتا ہے۔
حضرت سعید بن جبیرؒ واسطِ عراق کے باہر مدفون ہوئے۔ ان کی قبر مبارک مشہور اور زیارت گاہِ خاص و
عام ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً (الاکمال للتبریزی)

یزید بن ابی سفیانؓ

یزید بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ ابو خالد اموی حضرتِ امیر معاویہ
کے بھائی اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونیوالوں میں سے مشہور صحابی ہیں
ان کو یزید الخیر کہا جاتا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرتِ ابو بکرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان
سے ابو عبداللہ اشعری، عیاض اشعری اور جنادۃ بن ابی امیہ۔ ان کو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ربع الاجناد
پر جہاد میں عامل بنایا۔ اور جب حضرتِ عمرؓ خلیفہ ہوگئے تو انہوں نے ان کو فلسطین کا والی مقرر کردیا تھا
پھر جب حضرتِ معاذ بن جبلؓ طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں وفات پاگئے تو ان کی جگہ پر ان کو دمشق
کا والی مقرر کردیا تھا۔ ولید بن مسلم کہتے ہیں کہ قیساریہ کو فتح کرنے کے بعد ۱۹ھ میں انہوں نے وفات
پائی۔ اخرج لہ ابن ماجۃ وعند الطحاوی لہ ذکر و بلا روایۃ (تراجم ص ۳۰۲ ج ۲)

یرفأ

یرفأ یار کے فتحہ، رار کے سکون، فار کے فتحہ اور ہمزہ کے ساتھ ہے۔ ہمزہ کو الف سے
بھی بدل دیتے ہیں۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کو بغیر ہمزہ کے اور گاہے ہمزہ کے
ساتھ بھی بولتے ہیں۔ یہ حضرت عمرؓ کے دربان اور ان کے موالی میں سے تھے۔ زمانۂ جاہلیت بھی انہوں
نے پایا۔ لیکن ان کا حال غیر معروف ہے۔ حضرتِ عمرؓ کے ساتھ انہوں نے صدیق اکبرؓ کے دورِ خلافت
میں حج بھی کیا۔ بخاری ومسلم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ کے بارے میں حضرتِ علیؓ و
ابن عباسؓ کی منازعت والی حدیث میں ان کا ذکر آیا ہے۔ (تراجم ص ۲۸۱ ج ۲)

حضرت ہشام بن عروہؒ

ہشام بن عروۃ بن الزبیر بن العوام الاسدی القرشی، ابو المنذر او ابو عبد اللہ الزبیری المدنی الحافظ الحجۃ الفقیہ الثقۃ۔ مشہور تابعین میں سے ایک ہیں۔ اکابر علماء اور اجلہ تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی انہوں نے زیارت کی۔ انہوں نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی۔ اسی طرح سہل بن سعد و جابر وانس کی زیارت کی۔ اصحاب ستہ کے رُواۃ میں سے ہیں۔ ابن سعد و یحیٰی نے فرمایا کہ یہ ثقہ تھے۔ ابن سعد نے ثبت اور کثیر الحدیث و حجۃ کے الفاظ بھی ان کے متعلق لکھے ہیں۔ ابو حاتم کا قول ہے ہو ثقۃ امام الحدیث۔ یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ وہ ثقہ ثبت تھے۔ ان پر کسی نے نکیر نہیں کی۔ مگر عراق منتقل ہوجانے کے بعد جبکہ وہ اپنے والد سے بہت روایات بیان کرنے لگے۔ تو ان کے شہر والوں نے ان پر نکیر کی۔ اور شاید اہلِ عراق کے سامنے انہوں نے تساہل سے کام لیا کہ اپنے والد سے مرسل روایت بیان کرتے تھے خواہ وہ ان کے علاوہ سے سُنی ہو۔ واللہ اعلم۔ خراش کہتے ہیں کہ امام مالکؒ ان کو پسند نہ کرتے تھے، ویسے ہشام صدوق تھے، اپنی خبروں کو صحیح میں داخل کرتے تھے۔ اور مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ امام مالکؒ نے اہل عراق سے حدیث بیان کرنے کے سلسلہ میں ان پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ عثمان دارمی کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک ہشام عن ابیہ احب ہے یا زہری عن عروۃ۔ فرمایا دونوں احب ہیں۔ اور ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں دی۔ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں ذکر فرمایا اور کہا ہے کہ کَانَ مُتْقِنًا وَرِعًا فَاضِلًا حَافِظًا۔ عمرو بن علی فلاس نے عبد اللہ بن داؤد سے نقل کیا ہے کہ ہشام و اعمش اور ان دونوں کے علاوہ بھی کچھ لوگوں کا ذکر کیا کہ یہ سب قتلِ حسین کے سال ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اور حربی نے بیان کیا کہ ان کی وفات کا سن ۱۴۶ھ ہے۔ اور ابو نعیم و ابو حاتم وغیرہ نے ۱۴۵ھ بیان کیا۔ چھیاسی یا سٹیاسی سال کی عمر ہوئی۔

آپ نے اپنے والد حضرت عروہ، اپنے چچا حضرت عبد اللہ بن زبیر، عثمان اپنے ابن عم عباد بن عبد اللہ بن الزبیر، یحیٰی ابن عباد، عباد بن حمزۃ بن عبد اللہ بن الزبیر، ان کی بیوی فاطمہ بنت المنذر بن الزبیر، عمرو ابن خزیمۃ، عوف بن الحارث بن الطفیل، ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، نافع مولیٰ ابن عمر، عبد اللہ بن الزبیر و عبد اللہ بن عمر اور بہت سے تابعین سے روایت کی۔ اور ان سے بہت سے تابعین و محدثین نے روایات لیں۔ ایوب سختیانی، معمر بن راشد، ابن جریج، ابن اسحٰق، مالک بن انس، ابن المبارک، ابن فضیل، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ انہیں میں شامل ہیں۔ (امانی ص۱۴۲ تراجم ص۱۵۱)

حضرت عروہ بن الزبیرؓ

عروۃ بن الزبیر بن العوام الاسدی القرشی المدنی، کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ صحاح ستہ کے رُواۃ میں سے ہیں۔ ابن سعد نے ان کو اہل مدینہ کے طبقۂ ثانیہ میں شمار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ وہ ثقہ، کثیر الحدیث، فقیہ، عالم

ثبت اور مامون تھے۔ امام عجلی کہتے ہیں کہ وہ مدنی تابعی، ثقہ اور نیک مرد تھے۔ فتنوں سے گریزاں اور یکسو رہتے تھے۔ امام زہری کا قول ہے کہ عروہ اتھاہ سمندر تھے۔ ابن عیینہ نے کہا کہ حدیث عائشہؓ کو سب سے زیادہ جاننے والے عروہ، عمرہ اور قاسم تھے۔ ابو الزناد نے ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کیا۔ وہ حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، اپنے والدین اور کبار صحابہؓ سے احادیث نقل کرتے ہیں۔ اور ان سے ان کے بیٹے ہشام اور امام زہری وغیرہ۔ آپ کبار تابعین میں سے تھے۔ ۲۲ھ میں ولادت اور ۹۴ھ میں وفات ہوئی۔ ولادت و وفات میں اور اقوال بھی ہیں۔ (اصابی ص۶۵ ج۱)

حضرت ابو عبیدہؓ

عامر بن عبداللہ بن الجراح بن ھلال بن اُھیب او وُھیب بن ضبۃ بن الحارث بن فہر القرشی الفہری۔ فہر بن مالک پر جاکر ان کا سلسلۂ نسب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب اشرف سے مل جاتا ہے۔ اپنی کنیت (ابو عبیدہ) اور اپنے دادے (الجراح) کی نسبت سے مشہور ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ بارگاہِ نبوی سے انکو امین ہٰذہ الامۃ کا خطاب ملا۔ اسلئے امین الامۃ کے لقب سے معروف ہیں۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ حضرت عثمان ابن مظعون کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ حبشہ کی ہجرتِ ثانیہ میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر اور تمام مشاہد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک رہے۔ غزوۂ بدر میں اپنے والد کو قتل کیا جو کافر تھے اور کفار کے ہمراہ میدانِ جنگ میں آئے تھے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ علامہ واقدی نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کیا۔ بلکہ ان کے والد اسلام سے پہلے ہی مر چکے تھے۔ واللہ اعلم۔ ان کی والدہ امینہ بنت غنم بن جابر نے اسلام پایا۔ اور مسلمان ہوئیں۔ آپ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اور وہ خود کی دو کڑیاں جو چہرۂ اقدس میں گھس گئی تھیں انہوں نے نکالیں۔ جس کی وجہ سے آپ کے ثنیتین (سامنے کے دو دانت) شہید ہوگئے تھے۔ آپ دبلے پتلے دراز قد تھے۔ چہرہ ستواں اور ڈاڑھی ہلکی سی تھی۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور سعد بن معاذ کے درمیان مواخاۃ کرائی تھی۔ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ثقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابو بکر صدیق نے حضرت عمر یا حضرت ابو عبیدہؓ سے بیعت کرنے کی لوگوں کو دعوت دی تھی۔ حضرت عمر نے آپ کو والیٔ شام بنایا تھا۔ جنگ یرموک و جابیہ کی فتح آپ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ حضرت عمرؓ اپنی وفات کے وقت فرماتے تھے لو کان ابو عبیدۃ حیاً لفوضت ھذا الامر الیہ (اگر ابو عبیدہ زندہ ہوتے تو خلافت ان کے حوالہ کرتا) جریری نے عبداللہ بن شقیق سے نقل کیا فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ صحابہؓ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زائد محبوب کون تھے۔ اماں جان نے فرمایا ابو بکرؓ۔ میں نے پوچھا ان کے بعد، فرمایا: عمرؓ۔ میں نے دریافت کیا ان کے بعد، فرمایا: ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔ آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔

ابن سعد وغیرہ نے کہا کہ ابو عبیدہؓ نے طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں شہر اردن میں وفات پائی، اٹھاون سال کی عمر ہوئی۔ مقام بیسان میں دفن ہوئے حضرت معاذ بن جبلؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ابن مندہ واسحٰق القراب نے ان کی تاریخ وفات ۱۷ھ بیان کی ہے۔ واللہ اعلم

ان سے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے احادیث نقل کی ہیں جن میں جابر بن عبداللہ، سمرۃ بن جندب، ابو امامہ، عبدالرحمٰن بن غنم اشعری، عرباض بن ساریہ، ابو ثعلبہ خشنی، عیاض بن غطیف، اسلم مولیٰ عمر، انس بن مالک وغیرہم شامل ہیں۔ خلاصہ میں ہے کہ ان کی چودہ احادیث ہیں۔ ایک میں امام مسلم منفرد ہیں۔ طحاوی شریف میں ان کی چار احادیث ہیں۔

(الاکمال لولی الدین وتراجم ص۴۹۱ ج۴)

اَلسِّدَادُ وَالْمُدَاوَمَةُ

درستگی و ہمیشگی

(۳۵۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاعْلَمُوْا اَنْ لَّنْ يُّدْخِلَ اَحَدَكُمْ عَمَلُهُ

میانہ روی اختیار کرو اور قریب ہونے کی کوشش کرو اور اس کا یقین رکھو کہ تم میں سے کسی کا عمل اس کو جنت میں

الْجَنَّةَ وَاَنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ عِنْدَ اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔ (بخاری ص۹۵۷)

داخل نہ کریگا۔ اور بیشک اللہ کے نزدیک محبوب ترین وہ عمل ہے جو ہمیشہ (پابندی سے) ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔

لغات سَدِّدُوْا تفعیل سے سیدھا کرنا، راہ راست کی طرف رہنمائی کرنا۔ یہاں معنیٰ ہیں الزموا الطریقۃ المستویۃ المستقیمۃ والقصد فی العمل مجرد میں (ان ض) سے درست ہونا، ٹھیک بات کہنا۔ قَارِبُوْا باب مفاعلۃ سے غلو کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنا، خوش کلامی کرنا قُرْبًا قِرْبَانًا (س لـ) قریب ہونا۔ صلہ مِنْ و اِلیٰ آتا ہے۔ قَرَبًا (س) کوکھ کے درد والا ہونا۔ اَدْوَمُ اسم تفضیل دوام (ن) سے ہمیشہ رہنا، ثابت رہنا، ٹھہرنا وغیرہ

ترکیب سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا ہر ایک فعل بافاعل، جملہ فعلیہ انشائیہ معطوفین۔ وَاعْلَمُوْا اَنْ الخ جملہ دو مفعولوں کے قائم مقام سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف اَنْ مخففہ من المثقلہ

ہے۔ اسم ہٗ ضمیر محذوف ہے۔ بخاری شریف کے بعض نسخوں میں اَنَّہٗ ہے۔ اَحَدَکُمْ یُدْخِلُ کا مفعول عَمَلُہٗ فاعِل الجَنَّۃَ مفعول فیہ وَاَنَّ الخ جملہ کا عطف ماقبل پر ہے۔

تشریح مؤلفؒ نے "ابواب بِر" کے بیان کو ختم کرتے ہوئے آخری عنوان "السداد والمداومۃ" لکھ کر اس بات پر تنبیہ کردی کہ نیکیوں پر عمل کرنے میں دوام وہمیشگی اور پابندی مطلوب ومحمود ہے۔ اَحیاناً کوئی نیک کام کرلینا کوئی خاص بات نہیں۔ بلکہ اس کو وظیفۂ حیات بنالینا کمال اور باعثِ کمال ہے۔ اور حق تعالیٰ کو یہی محبوب ہے۔ کہ آدمی جو نیک کام کرے اسکی عادت بنالے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ "سَدِّدُوْا" تم ٹھیک ٹھیک چلتے رہو۔ اور ٹھیک ٹھیک چلنے کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستے پر میانہ روی کے ساتھ گامزن رہو۔ نہ تو صراطِ مستقیم چھوٹنے اور نہ چال میں افراط وتفریط آنے پائے۔

وَقَارِبُوْا کا مطلب بھی قریب قریب یہی ہے۔ تاکیداً دوسرے عنوان سے مضمونِ ماسبق کو دُہرادیا گیا ہے یا معنی یہ ہیں کہ اطلبوا قربۃ اللہ تعالیٰ (اعمال سے اللہ کی نزدیکی طلب کرو) یہ عملی میانہ رویِ مخلصانہ اور صحیح نیات وجذبات سے معمور ہونی چاہیئے۔ اور اس کا یقین کرلو کہ کسی کا عمل اس کو جنت میں نہ لیجائیگا۔ بلکہ درحقیقت دخولِ جنت اللہ کے رحم وکرم پر موقوف ہے۔ یہ اعمال تو ظاہری اسباب ہیں۔ حقیقی سبب تو صرف رحمتِ باری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ جو عمل ہو پابندی وہمیشگی کیساتھ ہو۔ خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہو۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی ادا محبوب تھی۔ چنانچہ حضرتِ مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کونسا عمل زیادہ محبوب تھا۔ فرمایا: دائم (یعنی جسپر ہمیشگی وپابندی ہو) پوچھا کہ وقت کونسا زیادہ پسند تھا، فرمایا کہ جب مُرغ کی آواز سنتے تو بیدار ہوکر عبادت کے لئے کھڑے ہوجاتے تھے۔ یعنی اخیر رات میں عبادت آپ کو زیادہ پسند تھی۔

ایک روایت میں ہے کان احبُّ العمل الی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی یدوم علیہ صَاحِبُہٗ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے آپنے فرمایا کہ:

لن یّنجی احدًا منکم عملہٗ قالوا ولا انت یا رسُول اللہ قال ولا انا الّا ان یتغمدنی اللہ برحمتہٖ سدّدوا وقاربوا واغدوا وروحوا وشیٔ من الدلجۃ والقصد القصد تبلغوا۔

تم میں سے کسی کو اس کا عمل ہرگز نجات نہ دِلائیگا۔ صحابہؓ نے پوچھا اور نہ آپ یا رسول اللہ فرمایا اور نہ میں نجات پاسکتا ہوں جبتک کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنی رحمت میں نہ چھپالیں، تم ٹھیک ٹھیک چلو اور میانہ روی اختیار کرو صبح کو چلو اور شام کو چلو، اور کچھ تھوڑا سا اندھیرے میں

(یعنی صبح وشام اور کچھ رات کے وقت عبادت میں خاص طور پر محنت کرلیا کرو) اور میانہ روی کو اپناؤ۔ درمیانی چال کو اختیار کرو تو منزل کو پہونچ جاؤگے۔

اس حدیث میں متعبدین (عبادت گذاروں) کو مسافروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ سفر کے تمام اوقات کو چلنے ہی میں مصروف نہ رکھو، آرام بھی کرو، ورنہ تھک کر منزل سے محروم رہ جاؤگے۔ بلکہ نشاط کے اوقات میں (اول نہار وآخر نہار اور رات کے کچھ حصہ میں) چلو اور اپنے اوپر رحم اور نرمی کا معاملہ کرو۔

قال اللہ تعالیٰ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ۔ فافہم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل کیا ہے؟ آپنے فرمایا: اَدْوَمُہٗ وَاِنْ قَلَّ (جس پر ہمیشگی ہو اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہو) اور فرمایا کہ اعمال کی اتنی ہی مقدار اختیار کرو جس کو نباہنے کی طاقت ہو۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عمل کرتے تو اسپر پوری پابندی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت بتائیے۔ کیا آپ کسی خاص دن کو کسی خاص عبادت کے لئے مخصوص فرماتے تھے۔ فرمایا نہیں، آپ کا عمل تو دوامی ہوتا تھا۔ اور تم میں سے کون اتنی استطاعت رکھتا ہے جتنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی۔

حاصل ان تمام احادیث وروایات کا یہ ہے کہ دین اسلام بہت سہل اور آسان ہے۔ اسپر سہولت و آسانی سے چلے چلو۔ افراط وتفریط اور غلو دین میں پسندیدہ نہیں۔ پھر تم میں عمل کی جتنی طاقت و استطاعت ہو اسی کے بقدر اعمال کو اپناؤ۔ اور جتنا عمل پابندی سے نباہ سکو اتنا ہی کرو۔ تمہارے اعمال کی اللہ کو ضرورت واحتیاج نہیں۔ نہ وہ اعمال کی کثرت پر نظر فرماتے ہیں، وہ تو تمہاری نیات وجذبات، بندگی وسرافگندگی واخلاص پر نظر فرماتے ہیں، اسی کا نام تقویٰ ہے۔ جس پر رضائے خداوندی وجنت کا وعدہ ہے۔ نہ ہی یہ اعمال نجات اور جنت کا حقیقی سبب ہے۔ بلکہ صرف رحمتِ خداوندی سے حصولِ جنت وابستہ ہے۔ اور صحیح جذبات واخلاص پر رحمتِ باری متوجہ ہوتی ہے۔ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ہ علاوہ ازیں اسلام میں رہبانیت جیسی چیزیں ممنوع ہیں۔ اسلام کا مقصود اپنے ماننے والوں کو دارین میں کامیاب کرنا ہے۔ ہر شئی میں مکمل اعتدال ومیانہ روی اس کی تعلیمات کا حاصل ہے۔ اسلئے اسلام کے ماننے والوں کو تمام دنیوی ودینی امور میں اعتدال ومیانہ روی پر گامزن رہنا چاہیئے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

سوال:۔ لن یدخل احد کم عملہ الجنۃ۔ الخ سے معلوم ہوا کہ عمل کو دخولِ جنت میں دخل نہیں۔ بلکہ سببِ دخولِ جنت صرف رحمت ومغفرتِ خداوندی ہے۔ اور دوسری احادیث و آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت عمل پر ملیگی۔ مثلاً ارشاد ہے کہ:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (مریم) اس جنت کا تم کو تمہارے اعمال کی بدولت مالک بنا یا گیا ہے۔

سورۂ نحل میں بالکل صراحت کیساتھ مذکور ہے کہ دخولِ جنت اعمال ہی سے وابستہ ہے۔ ارشاد فرمایا گیا کہ:

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (تم جنت میں اپنے اعمال کے سبب داخل ہوجاؤ)

سورۃ الحاقۃ میں ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (خوشگواری سے کھاؤ پیو اپنے اعمال کی بدولت)

اس سے معلوم ہوا کہ نعمائے جنت کا سبب اعمال ہیں۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا الارحام وصلّوا والناس نیام تدخلوا الجنۃ بالسلام۔ (سلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو جب لوگ سوتے ہوں تم نماز پڑھو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہوجاؤگے)

اس میں اِن اعمال مذکورہ کو سببِ جنت قرار دیا گیا۔ اس سلسلہ کی اتنی آیات واحادیث موجود ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حدیثِ مذکور اور دوسری نصوص (آیات واحادیث) میں بظاہر تعارض ہے۔ کہ سببِ دخولِ جنت اعمال ہیں یا رحمتِ خداوندی؟

جواب:۔ علماء نے اس اشکال کے بہت سے جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایک شیٔ کے اسباب مختلف ومتعدد ہوسکتے ہیں۔ دخولِ جنت کے بھی اسباب متعدد ہیں۔ اعمال بھی ہیں اور رحمت ومغفرتِ خداوندی بھی۔ کہیں کوئی سبب مذکور ہے کہیں کوئی سبب مذکور ہے۔ اور حدیث بالا میں عمل کے سبب دخولِ جنت ہونے کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ صرف سبب بننے کے لئے عمل ہی کافی نہیں جبتک کہ وہ اللہ کی رحمت سے قبولیت کا مقام حاصل نہ کرلے۔

(۲) سببِ دخولِ جنت رحمتِ خداوندی ہی ہے، اور عمل بھی رحمتِ خداوندی میں داخل اور رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔ فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ (ہر ایک کے لئے وہی راستہ آسان کردیا گیا ہے جس کیلئے اس کو پیدا کیا گیا)

(۳) سبب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک حقیقی۔ جیسے بادل بارش کے لئے ظاہری سبب ہے، اور حقیقی سبب حکمِ ربانی ہے۔ اسی طرح دخولِ جنت کا حقیقی سبب رحمت وفضلِ ربانی ہے۔ اور ظاہری سبب اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور جہاں عمل کے سبب ہونے کی نفی ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ عمل دخولِ جنت کا حقیقی سبب نہیں۔ جیسے زوردار بادل آیا اور چلا گیا بارش نہوئی۔ کیونکہ امرِ خداوندی نہیں ہوا تھا۔ شیطان نے اعمال کیئے رائگاں گئے۔ کیونکہ وہ رحمت ومغفرت

باری سے محروم ہوگیا تھا۔

(۴) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ عمل سبب رحمت ہے۔ اور رحمت سببِ دخولِ جنت ہے۔ یعنی عمل دخولِ جنت کے لئے سبب بعید ہے۔ اور رحمت سبب قریب ہے۔ اور جہاں عمل کے سبب ہونے کی نفی ہے تو وہ اس کے سببِ قریب ہونے کی نفی ہے۔ مطلق سبب ہونے کی نفی نہیں ہے۔

(۵) بعض نے کہا کہ مطلق دخولِ جنت تو رحمتِ خداوندی سے ہوگا۔ اور درجاتِ جنت ملنے کا سبب اعمال ہیں۔ (۶) بعض کہتے ہیں کہ رحمت و مغفرتِ باری سے جنت مل جائے گی حصولِ جنت اعمال سے وابستہ نہیں۔ البتہ وہاں کی نعمتیں اعمال کا بدلہ ہوں گی۔ اور اعمال ان کے اسباب ہیں۔ گویا مکان ہماری طرف سے ہے۔ اور کھانا پینا وغیرہ اپنے سرمایہ سے خرید کر کھاؤ پیو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ داخلہ کے لئے بھی کچھ شرائط ضروری ہیں۔ ہر ایک کو اپنے گھر کون ٹھہراتا ہے۔ اللہ کی رحمت اور اس کی جنت کیلئے بھی ایمان شرط ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ الآیۃ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ دخولِ جنت کا سبب ایمان ہے (کیونکہ وہ اصل سبب رحمت و مغفرت کی شرط ہے) اور اعمال درجات و نعمائے جنت کا سبب ہیں۔ اور دوام علی الایمان کی نیت خلود فی الجنۃ کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

وَهٰذَا اٰخِرُ الْجُزْءِ الثَّانِيْ مِنْ مِرْاٰةِ الْاَنْوَارِ شَرْحِ اُرْدُوْ مِشْكٰوةِ الْاٰثَارِ وَبِهٖ تَمَّ تَحْقِيْقُ مَعْنَى الْبِرِّ وَالْاَبْرَارِ بِفَضْلِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ الْغَفَّارِ عَلٰى مَا اُعَانِيْهِ مِنَ الْهُمُوْمِ وَالْاَمْرَاضِ، وَالْمَشَاغِلِ الْكَثِيْرَةِ وَالْاَعْرَاضِ، وَيَتْلُوْهُ الْجُزْءُ الثَّالِثُ مِنْهَا وَاَوَّلُهٗ "اَلْاِثْمُ مَا هُوَ" وَيَتِمُّ اِنْشَآءَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، كَمَا تَمَّ الْجُزْءَانِ مِنْ هٰذَا الْكِتَابِ، بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَاٰبُ، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعِبَادِ الَّذِيْ وَفَّقَنَا بِكَرَمِهٖ لِخِدْمَةِ كَلَامِهٖ وَكَلَامِ خَيْرِ الْعِبَادِ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الدَّاعِيْنَ الْهَادِيْنَ اِلَى الدِّيْنِ الْمَتِيْنِ الْمُهْتَدِيْنَ اَجْمَعِيْنَ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔

العبد

نسیم احمد الغازی المظاہری خادم علوم المصطفیٰ بدار العلوم المعروفۃ بجامع الھدیٰ فی بلدۃ مرادآباد (الھند)

۸ محرم الحرام سنہ ۱۴۱۰ھ المطابق ۱۱ اغسطس سنۃ ۱۹۸۹ء

یوم الجمعۃ المبارکۃ۔

فہرست مضامین مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار (جزء ثانی) ۱/۲

مکتبہ نعیمیہ سرائے پختہ مرادآباد (یوپی)

صاحبِ مرآۃ الانوار

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری دامت برکاتہم کی

چند مفید منثور و منظوم تصنیفات و تالیفات

درسی تفسیر پ ۲۹ ۵۰/:	درسی تفسیر پ ۳۰ ۶۰/:	مرآۃ الانوار ج ۱ ۵۵/:	مرآۃ الانوار ج ۲ ۵۰/:
مرآۃ الانوار ج ۳ ۵۰/:	حیاتِ اسعد ۹۰/:	خلاصۂ تورات ۲۰/:	حدیثِ جبرئیل ۲۲/:
علماء کا ادب و احترام ۸/:	عباد الرحمٰن ۸/:	محرّم پر ماتم ۲۵/:	تحفۂ عید رمضان ۲۰/:
تبلیغی چہل حدیث ۵/:	ہدیۂ مومنات ۵/:	تحفۂ خواتین ۳/:	حقیقتِ دنیا ۳/۵۰
تعلیم کی اہمیت ۳/:	قرآنی چھ باتیں ۶/:	رہنمائے علم ۴/:	حکمتِ لقمان ۶/:
بہار و خزاں ۳/:	حکمتِ ایمانیاں ۶/:	عقیدت کے تحفے ۵/:	محبت کے نغمے ۳/:
عید کے نغمے ۱/۵۰	نغماتِ سرور و غم ۵/:	گلہائے رنگا رنگ ۵/:	ذکرِ طیّب ۱/۵۰
ذکرِ اسعد ۱/۵۰	ذکرِ شیخ ۱/۵۰	شانِ مسلمانی ۱/:	پیامِ بیداری ۳/:
نورانی گلدستے ۵/:	ہدایات ۲/:	ایمانی چہل حدیث ۵/:	آدابِ حیات زیرِ کتابت

کتب کی موجودہ (۱۴۱۰ھ) کی قیمتیں درج کی گئی ہیں

مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مرادآباد یوپی